



U345

P. 14 - 1-12

Title - TAREEKH FIDA ISLAM

creator - Allama Mohiul Ishaqi Mathura.

Religious - matter, mainly, miscellaneous (Bazm-e-Ahli)

Date - 1346 H.

Page - 180.

Subject -







49747

49747

فَلْيَتْلُوهُمْ فِي شَرِّهَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ  
سِلْسِلَةُ خُصَمَاءِ الْمُصَنِّفِينَ

نمبر ۳۰

# تاریخ فقہ اسلامی

یعنی

تاریخ التشریع الاسلامی مؤلفہ علامہ محمد انصاری مرحوم کا

ترجمہ

جس میں فقہ اسلامی کے ہر دور کی خصوصیات تفصیل بیان کی گئی ہیں

از

عبد السلام ندوی،

باہتمام سعود علی ندوی

مطبع و موارثہ اصناف عظم گڑھ نئی دہلی



CHECKED  
Date: 11/11/11

مادہ فقہ میں مزید

57  
47

Handwritten signature or mark.

TEST STACKS

۲۹۷ c.p.

۲۰۲

~~۱۰۴۴~~

۳۲۵



RE-ACCESSIONED

۲۹۷  
۳۰۲

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U345

## 1

1

| صفحہ | مضون   | صفحہ | مضون  |
|------|--|------|---|
| ۲۱۵  | اس دور کے مشہور مفتی،                              | ۲۲۵  | حضرت ابو الزبیر محمد بن مسلم بن ریحان بن حکم بن خزام      |
| "    | مفتیانِ مدینہ                                      | ۲۲۶  | مفتیانِ کوفہ  |
| "    | ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ                      | "    | حضرت علقمہ بن قیس النخعی فقیہ عراق                        |
| ۲۱۶  | حضرت عبداللہ بن عمرؓ                               | "    | حضرت سروق بن لاجد عاصم الی افقیہ                          |
| ۲۱۷  | حضرت ابو ہریرہؓ                                    | ۲۲۷  | حضرت عبیدہ بن عمرو السلمانی المرادی                       |
| "    | حضرت سعید بن اسیب الخزدی                           | "    | حضرت اسود بن یزید ارمی                                    |
| ۲۱۸  | حضرت عروہ بن الزبیر العوام الاسدی                  | "    | حضرت شریح بن تارثہ الکندی                                 |
| "    | ابو بکر بن عبدالرحمان بن حارث بن ہشام الخزدی       | "    | حضرت ابراہیم بن یزید النخعی فقیہ عراق                     |
| ۲۱۹  | حضرت علی بن نجیح بن علی بن ابی طالب اہلبی          | ۲۲۸  | حضرت سعید بن جبیر مولیٰ دالیہ                             |
| "    | حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عقبہ بن مسعودؓ        | "    | حضرت عامر بن شراحیل الشعی علانہ التامین                   |
| "    | حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ                       | ۲۲۹  | مفتیانِ بصرہ  |
| ۲۲۰  | حضرت سلیمان بن یسار مولیٰ ام المؤمنین مینہ         | "    | حضرت انس بن مالک انصاری خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم |
| "    | قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ                           | "    | حضرت ابو الخلیفہ رفیع بن ہرمان الرباحی                    |
| ۲۲۱  | حضرت نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ                    | ۲۳۰  | حضرت حسن بن ابی الحسن یسار مولیٰ زید بن ثابتؓ             |
| "    | محمد بن مسلم المعروف بابن شہاب الزہری              | "    | حضرت ابوالشعثا جابر بن زید صاحب بن کعب                    |
| ۲۲۲  | ابو جعفر محمد بن علی بن محمد المعروف بابن ابی شیبہ | "    | محمد بن سیرین مولیٰ حضرت انس بن مالکؓ                     |
| "    | ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان فقیہ مدینہ              | ۲۳۱  | قتادہ بن دعائمہ مدنی                                      |
| ۲۲۳  | یحییٰ بن سعید انصاری                               | "    | مفتیانِ شام   |
| "    | ربیعہ بن ابی عبدالرحمان فروخ                       | ۲۳۲  | حضرت عبدالرحمان بن غنم الاشعری                            |
| ۲۲۴  | مفتیانِ مکہ  | "    | ابو ادیس الخولانی عاملہ مدین عبداللہ                      |
| "    | حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب                  | "    | قبیصہ بن ذویب   |
| "    | حضرت جابر بن جبیر مولیٰ بن خزدوم                   | "    | کحول بن ابی مسلم  |
| ۲۲۵  | حضرت حکمہ مولیٰ ابن عباسؓ                          | "    | رجاء بن حیوہ الکندی                                       |
| "    | حضرت عطار بن ابی رباح مولیٰ قریش                   | ۲۳۳  |   |

| صفحہ | مضمون                                      | صفحہ | مضمون  |
|------|--|------|--|
| ۳۲۲  | سفيان بن سعيد ثوري                         | ۲    | عمر بن عبد العزيز بن مروان   |
| "    | شريك بن عبد الله النخعي                    |      | <b>مفتيان مصر</b>  |
| "    | محمد بن عبد الرحمن بن ابی ليلى             | "    | حضرت عبد الله بن عمرو بن العاص   |
| ۳۲۳  | ابو يوسف يعقوب بن ابراهيم الضاري           | ۲۳۴  | ابو الخير مثنى بن عبد الله بن مثنى بن ابي مضر                            |
| ۳۲۵  | زفر بن هذيل بن قيس كوفي                    | "    | يزيد بن حبيب مولى الازد  |
| "    | محمد بن الحسن بن فرقد شيباني               | ۲۳۵  | <b>مفتيان يمن</b>  |
| ۳۲۶  | حسن بن زياد دلولي                          | "    | طاوس بن كيسان الجندي   |
| ۳۲۸  | ابراهيم بن رستم مروزي                      | ۲۳۶  | دعبل بن عبد الصنعاني   |
| "    | احمد بن حفص                                | "    | يحيى بن ابی كثير مولى ط  |
| "    | بشر بن غياث المريسي                        |      | <b>چوتھا دور</b>   |
| "    | بشر بن وليد كندی                           | "    | اس دور کی فقہ  |
| ۳۲۹  | علي بن ابان بن صدقة                        | "    | سیاسی صورت حال   |
| "    | محمد بن سماعہ ثبی                          | ۲۴۷  | اس دور کی امتیازی خصوصیات  |
| "    | محمد بن شجاع النخعي                        | "    | تمدن کی وسعت   |
| "    | ابو سليمان موسى بن سليمان الجوزجاني        | ۲۴۹  | اسلامی شہروں میں علمی حرکت   |
| "    | ہلال بن یحییٰ بن سلم الراسی البصري         | ۲۵۱  | حفاظ قرآن کی تعداد میں اضافہ   |
| ۳۳۰  | ابو جعفر احمد بن ابی عمران قاضی دیار مصریہ | ۲۵۲  | تدوین حدیث   |
| "    | احمد بن عمر بن الشیر بانحداف               | ۲۵۷  | مادہ فقہ میں نزاع  |
| "    | بکار بن قتیبة بن اسد القاضی المصري         | ۳۰۷  | تدوین اصول فقہ   |
| "    | قاضی ابو خازم عبد الحمید بن عبد الغزیز     | ۳۱۶  | اصطلاحات فقہ کا ظہور   |
| "    | ابو سعید احمد بن الحسین البروعي            | ۳۱۸  | ان کا برقعہ کار کا ظہور جن کی سیادت کو عام طور پر لوگوں نے تسلیم کر لیا، |
| ۳۳۱  | ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ زدی طحاوی   | ۳۱۹  | امام ابو حنیفہؒ  |
| "    | امام الک                                   |      |  |
| ۳۳۵  | ابو محمد عبد الله بن وهب بن سلم قرشي       |      |  |
| ۳۳۶  | ابو عبد الله عبد الرحمن بن القاسم النخعي   |      |  |
| ۳۳۷  | اشهب بن عبد العزيز القصبی العامری الجندی   |      |  |

| صفحہ | مضمون   | صفحہ | مضمون   |
|------|---|------|---|
| ۳۵۴  | یوسف بن یحییٰ البوسطانی الحصری                | ۳۳۷  | ابو محمد عبد اللہ بن عبد الحکم                    |
| "    | ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنی الحصری    | ۳۳۸  | اصبغ بن القرح الاموی                              |
| ۳۵۵  | ربیع بن سلیمان بن عبد الجبار المرزوقی         | "    | محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم                     |
| "    | حماد بن یحییٰ بن عبد اللہ بن یحییٰ            | ۳۳۹  | محمد بن ابراہیم بن زیاد الاسکندری                 |
| "    | یوسف بن عبد الاعلیٰ العمودی الحصری            | "    | ابو عبد اللہ زیاد بن عبد الرحمن القطری            |
| ۳۵۶  | ابو بکر محمد بن احمد المعروف بابن الحداد فرنی | "    | عبدی بن دینار اندلسی                              |
| "    | امام احمد بن حنبل                             | ۳۴۰  | یحییٰ بن یحییٰ کثیر اللیثی                        |
| ۳۵۷  | ابو بکر احمد بن محمد بن ابی المعروف بالانزم   | "    | عبد الملک بن حبیب بن سلیمان السلی                 |
| "    | احمد بن محمد بن الحجاج المرزوقی               | ۳۴۱  | ابو الحسن بن زیاد تونس                            |
| "    | اسحاق بن ابراہیم المعروف بابن ابو الیوزی      | "    | اسد بن فرات                                       |
| ۳۵۸  | المشیشیہ                                      | ۳۴۲  | عبد السلام بن سعید التوزخی                        |
| ۳۶۲  | فناشدہ فناہب                                  | ۳۴۳  | احمد بن محمد بن غیلان العبیدی                     |
| "    | ابو عبد الرحمن بن محمد الاداعی                | ۳۴۴  | قاضی ابواسحاق                                     |
| ۳۶۴  | ابو سلیمان داؤد بن علی بن خلف الازہبی         | "    | عبد الملک بن عبد العزیز                           |
| ۳۶۹  | ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری          | ۳۴۶  | امام شافعی  |
| ۳۷۰  | علی بن عبد العزیز بن محمد دولابی              | ۳۵۰  | تلاذہ امام شافعی ورداؤہ منہ شافعی                 |
| "    | ابو بکر محمد بن احمد بن ابی النجاشی الکاتب    | "    | ابو ثور ابراہیم بن خالد بن الیمان الکلبی البغدادی |
| ۳۷۰  | ابو الحسن احمد بن یحییٰ النخعی                | ۳۵۱  | امام احمد بن حنبل                                 |
| "    | ابو الحسن الدیلمی الخلوانی                    | "    | حسن بن محمد بن الصباح الزعفرانی                   |
| "    | ابو الفرج المعافئ بن زکریا النهروانی          | ۳۵۲  | ابو علی الحسین بن علی الکراہی                     |
| ۳۷۱  | تفریع مسائل                                   | "    | احمد بن یحییٰ بن عبد العزیز البغدادی              |
| ۳۷۲  | طلاق بالحساب                                  | ۳۵۳  | داؤد بن علی بن امام اہل الظاہر                    |
| ۳۸۰  | مسائل الخلیل                                  | "    | ابو عثمان بن سعید الانطاکی                        |
| ۳۸۱  | احکام من کتابوں کی تدوین                      | "    | ابو العباس احمد بن عمر بن سرج                     |
| ۳۸۲  | ابو جعفر کے مذہب کے متعلق کتابیں              | ۳۵۴  | ابو العباس احمد بن ابی احمد الطبری                |
| ۳۹۶  | امام مالک کے مذہب کے متعلق کتابیں             | "    | ابو جعفر محمد بن جریر الطبری                      |

| صفحہ | مضمون                                   | صفحہ | مضمون  |
|------|---|------|--|
| ۴۰۳  | امام شافعی کے مذہب کے متعلق کتابیں      | ۴۵۱  | طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری                |
| ۴۱۶  | پانچواں دور                             | "    | ظہیر الدین عبدالرشید بن ابی حنیفہ                |
| "    | سیاسی حالت                              | "    | ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی                 |
| ۴۲۰  | روح تعلید                               | "    | فخر الدین حسن بن منصور الاذہندی                  |
| ۴۲۳  | اسباب تعلید                             | ۴۵۲  | علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی             |
| ۴۲۸  | اس دور کے علماء کے کارنامے              | "    | کبار فقہائے مالکیہ                               |
| ۴۳۳  | مناظرہ و جدل کی اشاعت                   | "    | محمد بن یحییٰ بن لبابہ الاندلسی                  |
| ۴۴۱  | مذہب اسماعیلی                           | "    | یکرم بن العلاء القشیری                           |
| ۴۴۴  | توصیات مذہبی کی اشاعت                   | "    | ابو اسحاق محمد بن القاسم بن شعبان البغسی         |
| ۴۴۷  | اس دور کے فقہاء                         | ۴۵۳  | محمد بن حارث بن اسد الخثعمی                      |
| ۴۴۸  | ابو الحسن عبداللہ بن حسن الکرخی         | "    | ابوبکر محمد بن عبداللہ المصطفیٰ الاندلسی         |
| "    | ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص کرخی   | ۴۵۴  | یوسف بن عیسیٰ بن عبدالبر                         |
| "    | ابوجعفر محمد عبداللہ البغلی             | "    | ابو محمد عبداللہ بن ابی زید                      |
| "    | ابوالیث نصر بن محمد المرقندی            | "    | ابوسعید خلف بن ابی القاسم الاذہدی                |
| "    | ابوعبداللہ یوسف بن محمد الجرجانی        | ۴۵۵  | ابوبکر محمد بن عبداللہ البہری                    |
| ۴۴۹  | ابوالحسن احمد بن محمد القندی            | "    | ابوعبداللہ محمد بن عبدالمعروف بن ابی زینب البری  |
| "    | ابوزید عبداللہ بن عمر الدوسی            | "    | ابوالحسن علی بن محمد بن خلف العافری              |
| "    | ابوعبداللہ الحسن بن علی البصری          | ۴۵۶  | قاضی عبدالوہاب بن نصر البغدادی المالکی           |
| "    | ابوبکر خواہر زادہ محمد بن حسین البخاری  | "    | ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد الحضری               |
| ۴۵۰  | شمس اللامہ عبدالعزیز خان بن احمد اکلونی | "    | ابوبکر محمد بن عبداللہ بن یونس الصقلی            |
| "    | شمس اللامہ محمد بن احمد السرخسی         | "    | ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی                  |
| "    | ابوعبداللہ محمد بن علی الدانقانی        | ۴۵۷  | ابوالحسن علی بن محمد الرضی                       |
| "    | علی بن محمد البزودی                     | "    | ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن القزطبی       |
| ۴۵۱  | شمس اللامہ بکر بن محمد الزنجری          | "    | ابوعبداللہ محمد بن علی بن عمر التیمی المارزی     |
| "    | ابواسحاق ابومیم بن اسماعیل الصفار       | ۴۵۸  | ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بن العربی العافری |



| صفحہ | مضمون   | صفحہ | مضمون  |
|------|---|------|--|
| ۴۵۸  | قاضی الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الحنبلی      | ۴۶۳  | ابو عاصم محمد بن احمد المروزی                |
| "    | اسماعیل بن مکی الوفی                          | "    | ابو القاسم عبد الرحمن بن محمد القوریانی      |
| ۴۵۹  | محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن احمد بن رشد   | "    | ابو عبد اللہ القاضی محمد بن المروزی          |
| "    | ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن شمس الجذامی اسدی | "    | ابو اسحاق ابراہیم بن علی الفیروز آبادی       |
| ۴۶۰  | ابو اسحاق ابراہیم بن احمد المروزی             | ۴۶۴  | ابو نصر عبد البید بن محمد بن محمد بن الصبیح  |
| "    | ابو احمد محمد بن سعد بن ابی القاضی الخوارزمی  | "    | ابو سعد عبد الرحمن بن مومن التولی            |
| "    | ابو بکر احمد بن اسحاق الحنبلی                 | "    | ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجینی     |
| "    | ابو علی حسین بن محمد بن المعروف بن ابی ہرقہ   | ۴۶۵  | ابو المحاسن عبد الواحد بن اسماعیل الرویانی   |
| "    | قاضی ابوالسائب عتبہ بن عبد اللہ بن موسیٰ      | "    | ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی        |
| ۴۶۱  | قاضی ابوحامد احمد بن شہر المروزی              | "    | ابو سعد عبد اللہ بن محمد بن ہبۃ اللہ         |
| "    | محمد بن اسماعیل المعروف بالقفال الکبیر        | ۴۶۶  | ابو القاسم عبد الکرم بن محمد القرویانی       |
| "    | ابو سلیمان محمد بن سلیمان الصعلوکی            | "    | محمد بن الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مرزی |
| "    | ابو القاسم عبد العزیز بن عبد اللہ الدارکی     | ۴۶۷  | چھٹا دور                                     |
| "    | ابو القاسم عبد الواحد بن محمد بن محمد بن مصری | "    | سیاسی صورت حال                               |
| ۴۶۲  | ابو علی الحسن بن شعیب السجی                   | ۴۶۹  | اس دور میں اجتماع                            |
| "    | ابو حامد احمد بن محمد الاسفرائینی             | "    | تعلیم و تہذیب                                |
| "    | ابو الحسن احمد بن محمد بن المعروف بن الجالی   | ۴۷۰  | اسلامی شہروں کے تعلقات کا منقطع ہونا         |
| "    | عبد اللہ بن احمد المعروف بالقفال الصغیر       | ۴۷۲  | انہ کی کتابوں سے بے تعلقی                    |
| "    | ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الاسفرائینی         | ۴۷۳  | مطالب میں خلل انداز اختصار                   |
| ۴۶۳  | ابو الطیب طاہر بن عبد اللہ الطبری             | ۴۸۰  | ہر متفقہ فی الدین سے خطاب                    |
| "    | ابو الحسن علی بن محمد المارودی                |      |  |

# دیباجہ

۱۵۹۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله على سوانح نعمة وجلال كرمه صلى الله على سيدنا محمد رسول ربه

وعلى آله وازواجه وصحبه

اُردو زبان میں جدید طرز پر علوم اسلامیہ کی تاریخ کا خاکہ سب سے پہلے علامہ شبلی نعمانی نے قائم کیا، اور علم کلام کی تاریخ میں علم الکلام کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی اور چار پانچ جلدوں میں فارسی شاعری کی ایک مبسوط تاریخ مدون کی، اُن کے بعد اگرچہ سیرت بنوئی کی تالیف نے اُن کو اس سلسلہ کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہیں دیا تاہم وہ علوم اسلامیہ کی تاریخ کی تکمیل کا بار بار ذکر کرتے رہتے تھے اور اس کو اُردو زبان کے لیے ایک جدید تاریخی موضوع خیال فرماتے تھے، اگر وہ اپنی زندگی میں سیرت بنوئی کی تکمیل سے فارغ ہو سکتے تو بہت ممکن تھا کہ اس دلچسپ موضوع کی طرف دوبارہ متوجہ ہوتے لیکن افسوس ہے کہ موت نے اُن کو سیرت بنوئی ہی کے مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا، پھر اور سلسلوں کی تکمیل تو ایک عالم خیال کی چیز تھی تاہم

اُن کی یادگار میں دارالمصنفین قائم کیا گیا تو اس کا خاص طور پر خیال رکھا گیا کہ یہ انتساب  
 تیمناً و تبرکاً نہ ہو بلکہ اُس کو حقیقی طور پر اُن کے نام کے زندہ رکھنے کا ذریعہ بنایا جائے،  
 اس لیے ابتدا ہی سے یہ لحاظ رکھا گیا کہ سیرت نبویؐ کے علاوہ اُن کے دماغ نے اور جن  
 تاریخی سلسلوں کا خاکہ قائم کیا تھا اُن کی تکمیل کی جائے، چنانچہ آج تک دارالمصنفین سے  
 جو تاریخی اور مذہبی کتابیں شائع ہوئی ہیں اُن میں تقریباً اکثر ائمہ سلسلہ سیدان سے  
 تعلق رکھتی ہیں اور تاریخ فقہ اسلامی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے،

فقہ اسلامی کی اجمالی تاریخ اگرچہ عربی تاریخوں مثلاً مقدمہ ابن خلدون اور مفتاح  
 وغیرہ میں مذکور ہے، لیکن اس زمانے میں جو جدید فقہی ضروریات پیدا ہو گئی ہیں اُن کے لیے  
 یہ اجمالی حالات و اشارات بالکل ناکافی ہیں

موجودہ حالات میں بہت سے معاملات کی نئی نئی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں اور  
 اُن معاملات کی بنیاد پر ایک جدید فقہ کے مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے،  
 اس لیے موجودہ زمانے کا سب سے اہم سوال یہ ہے کہ آیا فقہ اسلامی ایک جاہلِ حقیر جو  
 یا ہر زمانے کی ضروریات و حالات کے مطابق اُس میں تفسیر و تبدل ہوتا رہا ہے؟

اس سوال کے حل کرنے کے لیے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے  
 مختلف دوروں کی مفصل تاریخ مرتب کی جائے اور ہر دور کے تغیرات، انقلابات  
 خصوصیات اور امتیازات نہایت تفصیل کے ساتھ دکھائے جائیں اور اُن کے علل و سبب  
 کی تشریح کی جائے، اور تاریخ فقہ اسلامی سے بہت کچھ یہ ضرورت پوری ہو سکتی ہے  
 خوش قسمت سے ہم کو اس کتاب کی تدوین میں کسی غیر معمولی جدوجہد کی ضرورت  
 پیش نہیں آئی، بلکہ علامہ محمد خضریٰ مرحوم نے جو مصر کے ایک مشہور عالم اور مورخ تھے

اس موضوع پر تقریباً چار سو صفحوں کی ایک مفصل کتاب لکھی تھی اور ہم نے فقہ اسلامی کی تمام شاخوں کے متعلق اس کو ایک اہم تاریخی ذخیرہ سمجھ کر اردو زبان میں منتقل کرنا کافی خیال کیا۔

اس کتاب میں انھوں نے فقہ اسلامی کے چھ دور قلم کئے ہیں اور ہر دور کے خصوصیات و امتیازات اور ان کے علل و اسباب کی تشریح کی ہے جن سے نہایت تفصیل کے ساتھ معلوم ہو سکتا ہے کہ جب تک علوم اسلامیہ کی ترقی کا دور قلم رہا فقہ اسلامی بھی مختلف صورتیں بدلتی رہی، لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے فقہ کی تمام شاخوں کے درمیان باہم موازنہ و مقابلہ نہیں کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا کہ اس زمانے میں کس مذہب کی فقہ جدید حالات و ضروریات کا ساتھ دے سکتی ہے، اگرچہ اس قسم کے موازنہ و مقابلہ میں لازمی طور پر تعصب کی جھلک پیدا ہو جاتی ہو لیکن بہر حال اس زمانے میں وہی مذہب زیادہ حسن قبول حاصل کر سکتا ہے جو موجودہ تمدن و تہذیب کے موافق ہو، اس لیے اگر وہ اس حیثیت سے بھی تمام فقہی مذاہب پر نظر ڈال لیتے تو موجودہ دور کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو جاتی،

جہاں تک نقل و روایت اور استناد و ماخذ کا تعلق ہے مصنف مرحوم ایک نہایت وسیع النظر اور محتاط بزرگ ہیں، انھوں نے موجودہ مذاق کے مطابق صرف معانی و مطالب کو اپنے الفاظ میں نقل نہیں کر دیا ہے، بلکہ اکثر جگہ نہایت طویل عبارتیں بلفظ کسی کسی صفحوں میں نقل کر دی ہیں اور اس طریقہ سے انھوں نے نقل و روایت میں قدام کے دور کی یاد تازہ کر دی ہے، البتہ اس قسم کی عبارتوں کے ترجمے میں ہم کو بہت زیادہ دقتیں پیش آئیں اور باوجود کوشش کے ہم ان میں سلاست و روانی

نہ پیدا کر سکے، بلکہ بعض موقعوں پر غیر ضروری عبارتوں کو حذف بھی کر دیا، اس قسم کی عبارتوں کے علاوہ خود یہ ایک ایسا موضوع تھا جس میں عبارت کی شگفتگی کی تلاش ایک بے سود چیز ہے، اس کا مطالعہ صرف معانی و مطالب کو پیش نظر رکھ کر کرنا چاہیے،

عبد السلام ندوی  
المصنفین اعظم لکھ  
دارالافتاء

۱۲- رجب ۱۳۴۴ھ

موضوع: حوزہ اربعہ ۱۳۴۸  
مطابق ۱۳۴۹  
نومولن "بہار" کتاب - جلد ۱  
دارالافتاء  
بکرات - جلد ۱  
۱۳۴۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله على ما ابع نعمه و صلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه

## مقدمہ ترتیب کتاب

فقہ اسلامی کے ماخذ حسب ذیل ہیں

(۱) قرآن مجید

(۲) حدیث یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال و افعال جو قرآن مجید کے مطالب کی

تشریح و توضیح کرتے ہیں

(۳) فقہاء کی رائیں جن کا ماخذ بھی اگرچہ قرآن و حدیث ہی ہیں تاہم وہ ایسے خیالات

کا نتیجہ ہیں جو تبعاً اپنے زمانہ کے اقتضا اور ہر فقہ کے روحانی قالب میں ڈھل کر مختلف موڑات

سے متاثر ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ جو شخص فقہ اور فقہاء کی تاریخ لکھنا چاہتا ہے وہ اس کشمکش میں

مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ اس تاریخ کو الگ الگ زمانوں کی امتیازی خصوصیات کے موافق لکھے

یا اس کو جہتین کے مختلف روحانی قالب کے مطابق مرتب کرے لیکن ہم نے اس تاریخ کو الگ الگ

زمانوں کی استیاری خصوصیات کے موافق لکھنے کو ترجیح دی ہے، کیونکہ ان زمانوں کا اثر زیادہ قوی اور زیادہ عام ہے، اس کے بخلاف فقہاء کے روحانی خصوصیات میں عیساکہ آگے چل کر معلوم ہو جائیگا حقیقی اختلاف نہ تھا، بالخصوص جو فقہاء باہم معاصر تھے ان کی ان خصوصیات میں تو اور بھی اختلاف نہ تھا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آج تک فقہ اسلامی پرچھ دور گذر چکے ہیں اور ہر دور میں اجتہادات اور فتاویٰ پر زمانوں کے مخصوص اجتماعی حالات کا عظیم الشان اثر پڑا، چنانچہ ان دوروں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) فقہ بعد حیات پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہر فقہ تصریح کرتا ہے کہ وہ اس کا ماخذ ہے، یہی ہے (۲) فقہ بعد کبار صحابہؓ یہ زمانہ خلفائے راشدین کے زمانہ کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتا ہے،

(۳) فقہ بعد اصحابہؓ و تابعینؓ یہ زمانہ پہلی صدی ہجری یا اس کے کچھ دنوں بعد تک ختم ہو جاتا ہے، (۴) فقہ کا وہ زمانہ جب اُس نے ایک مستقل علم کی شکل اختیار کر لی اور بڑے بڑے فقہاء جو

مسلم طور پر مذہبی مشیو تسلیم کیے گئے، اور ان کے تلامذہ جو بجائے خود مستقل طور پر بانی فقہ نہ تھے، بلکہ اپنے اساتذہ کی رایوں کی تشریح کرتے تھے پیدا ہوئے، یہ دوسری صدی ہجری کے اخیر تک ختم ہو جاتا ہے (۵) فقہ کا وہ دور جس میں ائمہ کے مسائل کی تحقیق کے لیے جہل کی گرم بازاری ہوئی،

بڑی بڑی کتابیں تصنیف ہوئیں اور نہایت کثرت سے فقہی مسائل پیدا ہوئے، یہ دور بغداد میں خلافت عباسیہ کے زوال، اتاتاری غارتگری کے آغاز اور اس کے کچھ دنوں بعد تک مصر میں قائم رہا اس کے بعد اس کا خاتمہ ہو گیا،

(۶) فقہ بزمانہ تقلید محض پانچویں دور کے بعد یہ دور شروع ہوا اور آج تک قائم ہے، یہ کتاب میں نے انہی مختلف دوروں کی ترتیب کے مطابق لکھی ہے، اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کی تکمیل کے سامان ہم پہنچائے

# پہلا دور

## فقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں

### قرآن و حدیث

قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے اکتالیسویں سال سے آپ پر بتدریج نازل ہونا شروع ہوا، اس نزول کی ابتدا رمضان شریف کی سترھویں رات سے ہوئی اور سب سے پہلے غار حرا میں جس میں آپ متکلف تھے یہ آیت نازل ہوئی "بسم اللہ الرحمن الرحیم قرا باسم ربک الذی خلق الإنسان من علق اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم" اس کے بعد وہ بتدریج آپ پر نازل ہوتا رہا، یہاں تک کہ سترہ مہینہ تک آپ کی عمر کا ترسٹھواں سال تھا، ۹ ذی الحجہ کو حج اکبر کے دن سب سے آخری آیت یہ نازل ہوئی "الیوم اکملت لکم دینکم" واقامت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً" اس بنا پر نزول قرآن کے ابتداء و انتہا کی کل مدت ۲۲ سال دو مہینے اور ۲۲ دن ہے، نزول قرآن کی ابتداء جس رات سے ہوئی اُس کا نام لیلة القدر ہے، چنانچہ اُس کے متعلق خود خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

انما انزلنہ فی لیلة القدر (الایہ) ہم نے اس قرآن کو لیلة القدر میں نازل کیا،  
انما انزلنہ فی لیلة مبارکة (الایہ) ہم نے قرآن کو ایک مبارک رات میں نازل کیا،  
یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ یہ رات رمضان کی تھی چنانچہ خدا خود کہتا ہے:



شَهِرُ مَضَانِ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

رمضان کا وہ مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا،

اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں اعتکاف کرتے تھے اور روزہ رکھتے تھے۔  
 چنانچہ ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ آپ سال کے ایک مہینے میں غار حرا میں اعتکاف کرتے تھے، یہاں تک کہ جب آپ کی بعثت کا سال آیا تو آپ صحن ثلثین میں جب سہول غار حرا کی طرف بغرض اعتکاف گئے، البتہ جس رات میں وحی کی ابتدا ہوئی ہے اُس کی تعیین میں سخت اختلاف ہے ابن اسحاق کا میلان یہ ہے کہ یہ رمضان کی سترھویں رات تھی اور قرآن نے بھی اس آیت میں اسی طرف اشارہ کیا ہے

ان كنتهم آمنتم بما لله وسما  
 اگر تم خدا پر اور اُس کتاب پر حکوم نے اپنے بندے پر  
 انزلنا على عبدنا يوم الفرقان  
 حق و باطل کے جدا ہونے کے دن یعنی اس دن حسین و بنو  
 يوم التقي الجمعان  
 فریق نے جنگ کی نازل کی ایمان لائے

”یوم التقاء الجحین“ سے مراد وہ دن ہے جس میں یہ مقام بدر مسلمانوں اور مشرکوں میں جنگ ہوئی، اور یہ جمعہ کا دن تھا جو ۱۷ رمضان المبارک ۱۲ھ میں واقع ہوا اور ”یوم الفرقان“ سے وہ دن مراد ہے جس میں نزول قرآن کی ابتدا ہوئی ہے اس بنا پر ان دونوں کا سن اگرچہ مختلف ہے تاہم دونوں وصف تاریخ اور مہینے میں باہم متحد ہیں طبری نے بھی اپنی تفسیر میں حسن بن علی کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ حق و باطل کے جدا ہونے کی یہ رات جس کے دن میں مسلمانوں اور مشرکوں میں جنگ ہوئی رمضان کی سترھویں تاریخ میں واقع تھی

قطانی نے شرح بخاری میں اس رات کی تعیین کے متعلق علماء کے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں جس میں ایک قول وہ ہے جس کی طرف ابن اسحاق کا میلان ہے اور اُس کے متعلق خود اُن کا بیان ہے کہ ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے زید بن ارقم سے اس کی روایت

کی ہے اور میں اس اعتماد کی بنا پر اس کی طرف اپنا میلان ظاہر کرتا ہوں کہ ایسی عظیم الشان بات کی تعیین کو قرآن مجید نظر انداز نہیں کر سکتا، اگر تشریحاً نہیں تو کم از کم اشارہ اس کی تعیین کرنا لازمی ہے اور قرآن مجید نے نہایت عمدہ موقع پر اس کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ بدر کا دن ایک ایسا دن تھا جب میں خدا نے مسلمانوں کو غالب کیا اور ان کو سر بلند ہی عطا فرمائی اور اسی دن میں خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلیم کو اپنی رسالت کا شرف بخشا اس بنا پر اس آیت میں قرآن مجید کا یہ اشارہ ”وَمَا أُنْزِلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْبَلَاءِ“ نہایت موزون اور موقع کے مناسب ہے، لیکن نزول قرآن کی انتہا جس دن ہوئی، اس کے متعلق طبری نے ”الیوم اکملت لکھدیکہ“ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جس سال رسول اللہ صلیم نے حجۃ الوداع کیا ہے اس میں عرفہ کے دن یہ آیت نازل ہوئی اور مفسرین کا بیان ہے کہ اس کے بعد امر وہی کے متعلق آپ پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور آپ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صرف ایک اسی دن زندہ رہے چنانچہ روایات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک بار یہ آیت پڑھی تو ایک یہودی نے جو ان کے ساتھ تھا کہا کہ ”اگر ہم پر یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو اس کے نزول کے دن ہم عید مناتے“ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ خود یہ آیت اجتماع العیدین کے موقع پر جو ایک ساتھ عرفہ کے موقع پر جمعہ کے دن جمع ہو گئی تھیں نازل ہوئی ہے“

قرآن مجید کے بتدریج نازل ہونے پر مشرکین کو اعتراض تھا چنانچہ قرآن مجید نے خود اس اعتراض کا ذکر کیا ہے اور اس کا جواب دیا ہے سورہ فرقان میں ہے

وَمَا كُنَّا لِنُؤْتِيَهُمْ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَ إِلَّا بِإِذْنِ رَبِّكَ  
لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَ بِالْمُرْسَلِ  
وَمَا كُنَّا لِنُؤْتِيَهُمْ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَ إِلَّا بِإِذْنِ رَبِّكَ  
لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَ بِالْمُرْسَلِ

فوادک ورتلنا ترمیلا

تیرے ل کو فیو کرین اور ہم نے اسکو ٹھہر کر پڑھا ہے

سورہ اسراء میں ہے

وَمَرَّامَنَا فَعَثَاةٌ لَقِطْرَةٌ ۝ ۶

حلی الماس علی مکث و تزلزلنا

متنزیلا

نزل قرآن کا زمانہ دو الگ الگ حصوں میں منقسم ہے جو باہم ایک دوسرے سے

ممتاز ہیں، پہلا حصہ اُس زمانہ سے تعلق رکھتا ہے جس میں آپ کا قیام مکہ معظمہ میں تھا، یہ کل

۱۲ سال پانچ مہینے اور ۳ دن کا زمانہ ہے جس کی ابتداء ۱۱ رمضان ۱۱ سنہ ولادت نبوی

سے ہوتی ہے اور یکم ربیع الاول ۱۲ سنہ ولادت تک وہ ختم ہو جاتا ہے اس مدت میں قرآن مجید

کا جو حصہ نازل ہوا ہے اُس کو کئی کتے ہیں

دوسرا حصہ ہجرت کے بعد سے شروع ہوا، یہ کل نو سال نو مہینے اور نو دن کا زمانہ ہے

جس کی ابتداء یکم ربیع الاول ۱۲ سنہ ولادت نبوی سے ہوئی اور وہ ۹ ذی الحجہ ۱۳ سنہ ولادت نبوی

اور ۱۳ ہجری پر ختم ہو گیا، اس زمانے میں جو آیتیں اور سورتیں نازل ہوئیں اُن کو مدنی کہتے ہیں

قرآن مجید کا کئی حصہ قرآن کا ۱۹ اور مدنی حصہ اس کا ۱۱ ہے

مدنی سورتیں حسب ذیل ہیں

(۱) بقرہ (۲) آل عمران (۳) النساء (۴) المائدہ (۵) انفال (۶) توبہ (۷) حج (۸) نساء

(۹) احزاب (۱۰) القتال (۱۱) الفتح (۱۲) حجرات (۱۳) حدید (۱۴) مجادلہ (۱۵) حشر (۱۶) متعمدہ

(۱۷) صافات (۱۸) جمعہ (۱۹) منافقون (۲۰) تغابن (۲۱) طلاق (۲۲) تحریم (۲۳) اذاجا نصر اللہ

ان کے علاوہ جو سورتیں ہیں وہ کی ہیں قرآن مجید کی سورتوں کی مجموعی تعداد ۱۱۴ ہے جن میں

سب سے پہلی سورہ فاتحہ اور سب سے آخری سورہ الناس ہے

مراتب بلندین سے ایک مرتبہ کو سورہ کہتے ہیں چنانچہ نابینہ کہتا ہے

الہدیٰ عن اللہ اعطاک سورۃ شری کل ملک دو تھا بیتا مذہب

کیا تو نہیں دیکھتا کہ خدا نے مجھ کو ایک ایسا مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ تو ہر بادشاہ کو اس کے سامنے

مذہب کرتے ہوئے دیکھتا ہے

اس شعر سے اُس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے مجھ کو مراتب شرف میں سے ایک ایسا مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ اور بادشاہوں کے مرتبے اس سے کم ہیں لیکن بعض لوگوں نے قرآن کی سورہ کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ان لوگوں کے لغت میں اس کے معنی قرآن کے اس ٹکڑے کے ہیں جو اُس کے دوسرے ٹکڑوں سے الگ کر لیا گیا ہے، کیونکہ ہر چیز کا سورہ بچا کچھ حصہ ہے جو اُس حصے کے بعد رہ جاتا ہے جو اس سے لے لیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ آدمی پینے کے بعد برتن میں جو فضلیہ چھوڑ دیتا ہے اُس کو سورہ کہتے ہیں اسی بنا پر عشی ثعلبہ ایک عورت کے متعلق جو اس سے جدا ہو گئی اور اُس کے دل میں اپنے غم کا بقیہ حصہ چھوڑ گئی کہتا ہے

ہبانت وقد اسأرت فی القوا ید صد عا علیٰ نایہا مسلطیرا

وہ جدا ہو کر دل میں اپنی جدائی کی وجہ سے ایک بڑا شکاف چھوڑ گئی

اور اسی کے مثل دوسری حالت میں کہتا ہے

ہبانت وقد اسأرت فی انفس حنیہا بعد اختلاف وخیس الوجه بالانفا

وہ جدا ہو گئی اور میں جوں کے بعد دل میں اپنی خواہش کا بقیہ حصہ چھوڑ گئی، حالانکہ بہترین حالت وہ جو مفید ہو

ان میں ہر سورہ کا ایک خاص نام ہے اگر سورہ تون کا نام اُن کی ابتدائی آیتوں سے

ماخوذ ہے مثلاً سورہ الفأل، سورہ اسراء سورہ طہ، سورہ یونس، سورہ فرقان، سورہ روم اور سورہ فاطر

وغیرہ کی ابتدائی آیتیں یہ ہیں، "تیسعوا لک عن الانفال" "سبحان الذی اسری بعبدہ لیلۃ" "قد افلم المؤمنون" "فبارک الذی منزل الفرقان علی عبدہ" "الم غلبت الروم" فی ادنی الارض" "الحمد للہم فاطر السموات والارض" اور انھیں سے ان کا نام ماخوذ ہے۔ قرآن مجید میں ۲۵ سورتیں ایسی ہیں جنکے نام ان چیزوں کے نام پر رکھے گئے ہیں جن کی ابتدا زمین مذکور نہیں ہیں مثلاً سورہ بقرہ کا ذکر کی ۶ آیتوں کے بعد اور سورہ آل عمران میں آل عمران کا ذکر اس کی ۳۲ آیتوں کے بعد کیا گیا ہے اور سورہ نساء میں نساء کا ذکر کئی بار آیا ہے لیکن سب سے پہلے اس کا ذکر اس کی ابتدا کی آیتوں کی چند آیتوں کے بعد ہوا ہے سورہ ائمہ میں مادہ کا ذکر اس کی ۱۱ آیتوں کے بعد یعنی اُس کے آخر میں آیا ہے میں نے ان ناموں کے اختیار کرنے کے متعلق بار بار تحقیقات کی تو مجھے مرعہ سے یہ معلوم ہوئی کہ ان ناموں سے اگرچہ تلاوت کی ابتدا نہیں کی جاتی تاہم یہ نسبت سورہ کے اکثر حصوں کے یہ پہلے نازل ہوئے ہیں کیونکہ جیسا کہ آگے آئے گا، سورہ اور آیت دونوں کے لحاظ سے قرآن مجید ترتیب نزول کے موافق مرتب نہیں کیا گیا ہے۔

آیتوں کی تعداد کے لحاظ سے قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف حیثیتوں سے نازل ہوا ہے کبھی پانچ، کبھی دس، اور کبھی اس سے زیادہ یا اس سے کم آیتیں آپ پر نازل ہوئی ہیں روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ قصہ اُنک کے متعلق دس آیتیں ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں سورہ المؤمنون کی ابتدا فی دس آیتیں بھی کیا گئی تری میں ایک برعکس "لا یتقوی المؤمنون غیرا ولی الضر والجماعۃ فی سبیل اللہ بما موالہم وانفسہم" میں "غیرا ولی الضر" کا جملہ تھا نازل ہوا ہے اسی طرح انما المشرکون نجس فلا تقربوا المسجدا الحرام بعد عامہم ہذا کے بعد یہ آیت "وان خفقم عیلة فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ ان شاء اللہ علیم حکیم" تھا نازل ہوئی ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی تھے یعنی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، چنانچہ خود قرآن مجید اس کی شہادت دیتا ہے

وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ  
بِمِيمِنَا إِذَا كُنَّا بِالْمَبْطُورِ

تم اس کے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے نہ اس کو اپنے ہاتھ لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو جھٹلانے والے شہر کر سکتے،  
اس بنا پر آپ فرشتہ سے قرآن مجید کو ربانی یاد کر لیتے تھے، چنانچہ خدا نے ان آیات میں اسی طرف اشارہ کیا ہے

لَا تَحْرُكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُجِزَلَ  
بِهِ إِنْ عَلَيْنَا جُمُوعُ فَتْرَانِہ  
فَإِذَا قَرَأْتَ نَافَا تَبِيعَ فَتْرَانِہ ثُمَّ إِنْ  
عَلَيْنَا مِیَآنِہ

قرآن مجید کے پڑھنے میں عجلت کرنے کے لیے زبان کو حرکت نہ دے  
اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارا فرض ہو رہا ہے جب ہم اُس کو  
پڑھیں تو تم بھی اُس کی قرات کا اتباع کرو، اس کے بعد  
ہمارا کام اس کا بیان کرنا ہے

وَلَا تُجِزَلْ بِالْأَقْرَانِ مِنْ قَبْلِ الْبَقِیِّ  
الْمِیْکَ وَحِیَہِ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا  
سَنَقْرَأْکَ فَلَا تَنْسِی الْآلَامَا شَاءَ اللّٰہُ  
اِنَّہْ یَعْلَمُ الْجَہْرَ وَمَا یَخْفِی

وہی کے پورے کر لینے سے پہلے قرآن مجید کے ساتھ جلدی نہ کرو اور  
کو خداوند! میرے علم کو بڑھا،  
ہم تم کو پڑھا دیں گے تو تم نہ بھولو گے، مجزاس کے کہ جبکہ خدا  
چاہے وہ کھلی ہوئی اور چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے

اِنَّا نَحْنُ مُنْزِلُو الذِّکْرِ وَاِنَّا لَعَالِمَا فُطُوْن  
اس طریقہ سے جب آپ آیات قرآنہ کو سمجھ کر یاد کر لیتے تھے، تو ان کی تبلیغ فرماتے تھے اور  
اپنے کاتبوں میں سے کسی کاتب کو حکم دیتے تھے کہ وہ اُن کو آپ کے سامنے کھجور کی شاخ یا نرم پتھر  
یا کاغذ پر لکھے اس غرض سے آپ نے بہت سے کاتب مقرر فرمائے تھے جسکے نام عام طور پر علوم  
ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی تعداد ۲۶ تھی اور حبشی نے سیرۃ العراقی کے حوالہ سے اُن کی

تعداد ۲۲ لکھی ہے، ان میں بعض تو تمام فقہی اور شرعی دور میں آپ کے ساتھ رہے ہیں اور بعض نے بھٹوڑے بہت دنوں تک کتابت قرآن کی خدمت انجام دی ہے،  
ان کا تباہی و جی میں جو لوگ زیادہ مشہور ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں:

خلفائے اربعہ

آپ سلاطین وغیرہ کے نام جو خطوط ردائے فرماتے تھے  
ان کو یہی لکھتے تھے،

حامد بن فیرہ

انصار میں سب سے پہلے انھیں نے کتابت و جی کی خدمت انجام  
دی ہے، ان کے اوقات کا اکثر حصہ کتابت و جی میں صرف  
ہوتا تھا، اور ان کا شمار ان فقہاء میں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے عہد مبارک میں لکھتے تھے،

ابی بن کعب

یہ دونوں بزرگ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جی وغیرہ  
کی کتابت کیا کرتے تھے، اس کے سوا ان کا کوئی کام نہ تھا،

زیر بن ثابت  
سعدیہ بن ابی سفیان

ثابت بن قیس بن شماس

یہ ہیں،

مغیرہ بن شعبہ

زبیر بن العوام

سے امیر معاویہ کے حالات میں یہ تصریح نہیں ہو کہ وہ صرف کتابت ہی کا کام ہیٹھ کرتے رہے وہ قریب کہ میں یا زیادہ سے زیادہ  
حدیبیہ کے زمانہ میں اسلام لائے ہیں اس کے ہر وہ کتابت جی ضرور رہے لیکن اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت کم  
زمانہ تک زندہ رہے اور اس زمانہ کے متعلق بھی تصریح نہیں ملی کہ وہ صرف کتابت و جی کا کام کرتے رہے بعض کتابتوں میں  
ہے کہ وہ معارفات وغیرہ لکھتے تھے، (مترجم)

خالد بن ولیدؓ

علاء بن محضری

عمر بن العاصؓ

عبداللہ بن محضری

محمد بن مسلمہ

عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن طول

لکھنے کے بعد جو مجموعہ تیار ہوتا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں رکھا جاتا تھا، اور کاتبان وحی خود اپنے لیے اس کی نقل لے لیتے تھے اور سورتوں میں جس آیت کا جو موقع ہوتا تھا اس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بناتے جاتے تھے، اس بنا پر ناخواندہ اشخاص کے حافظے، کاتبان وحی کے صحیفے، اور وہ تمام مجموعے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں محفوظ تھے، قرآن مجید کے تحفظ میں باہم مساعد و معین تھے، علماء کے درمیان یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ آیتوں کی ترتیب تو فیقی ہے یعنی ان کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مرتب کیا گیا، لیکن اس میں ایک کتاب قرآن مجید کسی مصحف بن نہیں جمع کیا گیا، البتہ اس عہد میں بہت سے حفاظ مثلاً حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سالم بن مقل، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو زید، اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم وغیرہ موجود تھے جن کو قرآن مجید پورا یاد تھا، ان حفاظ میں دو بزرگ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت سالم بن مقل سابقین اولین میں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے دور نبوت میں آپ کے ساتھ رہے ہیں، ان کے علاوہ ایسے صحابہ تو بہ کثرت تھے جن کو قرآن مجید کے بعض حصے یاد تھے،





ولعبد مومن حایرین مشک و لولوا عجیبکم  
اولئک یدعون الی النار والله  
یدعوا الی الجنة والمغفرة  
بآذنه و بین آیاتہ للناس  
لعلہم یتذکرون  
تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

(۲) لیکن قرآن مجید میں بہت سے احکام مسلمانوں یا غیر مسلمانوں کے سوال کے بعد  
نازل ہوئے ہیں مثلاً

یسأ لوندك عن الخمر والمیسر  
قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس  
واثمہا اکبر من نفعہما  
یسأ لوندك ما ذا ینفقون قل العفو  
کذلک یدین الله لکم الایات  
لعلکم تتفکرون  
لو تہتہ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں  
کہہ دے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے فائدے  
بھی ہیں لیکن ان دونوں گناہ ان لوگوں کے فائدے سے بڑا ہے  
لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا حرکت کریں ایہا الذین آمنوا  
از ضرورت مال خدا اسی طرح تمہارے لیے آیات بیان  
کرتا ہے شاید تم سوچو

یسأ لوندك عن الیتامی قل اصلاح  
لہم خیر وان تمخالطوہم فاحوا نکم  
والله یعلم المفسد من المصلح  
ولو شاء الله لا عبثکم ان الله  
عزیز حکیم  
لوگ تجھ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں کہہ دے کہ انکے  
لیے اصلاح کرنا بہتر ہے اور اگر تم ان کو اپنے ساتھ ملاؤ تو وہ تمہارے  
بھائی ہیں خدا مفسد کو مصلح سے الگ کر کے جانتا ہے  
اور اگر خدا چاہتا تو تم کو سخت تکلیف دیتا بیشک اللہ غائب  
اور حکمت والا ہے

یسأ لوندك عن المحیضی قل ہواذی  
لوگ تجھ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دے کہ

فَاَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا  
تَقْرَبُوا مَنَ حَتَّى يَطْهَرُوا فَإِذَا  
ظَهَرَ فَاَتَوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَهْلَ كَمَا رَدَّ اللَّهُ  
يُحِبُّ الْمُتَوَاتِبِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ  
يَسَاءُ لِمَن كَانَ عَنْ الشَّهْرِ الْحِمْدُ قَتَالَ فِيهِ  
قَتْلَ قَتَالَ فِيهِ كَسْبِيرُ الْمَوْتِ  
يَسْتَفْتُونَكَ قُلْ رَدَّهَ لِيَفْتِيكُمْ  
فِي الْكَلَالَةِ

وہ نجاست سے اس لیے جن میں عورتوں سے الگ ہو اور ان سے  
جماعت نہ کر دیا جائے کہ وہ پاک ہو جائیں پس جب پاک  
ہو جائیں تو خدا تعالیٰ ان کو حکم دیتا ہے وہ ان کے ساتھ مباشرت  
کرو خدا تو بہ کرنے والوں کو اپنا کہہ دے والوں کو دوسرا کہہ دے  
لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا شہر حرام میں جنگ ہے ؟  
کہہ دے کہ اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے ۔  
لوگ مجھ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں کہ کہہ دے کہ خدا تم کو کلام  
کے بارہ میں فتویٰ دیتا ہے

اس قسم کی اور بھی بہت سی فقہی آیتیں ہیں جو سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہیں  
لیکن وہ ابچام جو بغیر کسی واقعہ سوال کے نازل ہوئے ان کی تعداد بہت کم ہے بلکہ ہم کو کوئی  
دوسرا باب سے ملے مفسرین نے کوئی ایسا واقعہ نہ پایا کہ یہ جواب کے بعد نازل ہوا ہے

## مکی اور مدنی آیتوں کی امتیازی خصوصیات

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نزول قرآن کے دو زمانے ہیں ایک ہجرت سے پہلے اور دوسرا  
ہجرت کے بعد ان میں مکی اور مدنی آیتوں کی الگ الگ خصوصیات ہیں جن کے معلوم ہو جانے  
کے بعد ان میں باہم امتیاز ہو سکتی ہے

(۱) آیات مکی کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً نہایت چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں اسکے  
بخلاف مدنی آیتیں عموماً طویل ہوتی ہیں مثلاً مدنی سورتیں قرآن مجید کے اہم حصے سے کچھ بڑھتی ہیں

لیکن ان کی آیات کی تعداد ۱۲۵۴ ہے یعنی وہ اس کی مجموعی آیتوں کو چھٹی حصے کے کچھ ہی  
 زیادہ ہیں اس کی سب سے قریبی مثال "قد سمع اللہ" کا سپارہ ہے جو کل کا کل مدنی ہے اور  
 اُس کی آیتوں کی تعداد ۱۳۷ ہے اس کے بخلاف "تبارک الذی اور" عمرہ کا سپارہ کی ہے  
 اور ان میں پہلے کی آیتوں کی تعداد ۲۳۱ اور دوسرے کی ۷۰ ہے

سورہ انفال اور سورہ شعراء کا بھی یہی حال ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن مجید کے  
 ایک سپارہ کا نصف حصہ ہیں لیکن انفال جو کہ مدنی سورہ ہے اس کی آیتوں کی تعداد ۷۵ اور  
 شعراء جو کہ مدنی سورہ ہے اُس کی آیتوں کی تعداد ۲۲ ہے

لیکن یہ خصوصیت اگرچہ ایک غالب خصوصیت ہے تاہم اس کو عام نہیں کہا جاسکتا کیونکہ  
 بعض مدنی آیتوں میں بھی طول پایا جاتا ہے اور اس قسم کی آیتیں زیادہ تر بڑی بڑی سورتوں  
 میں پائی جاتی ہیں

(۲۱) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مدنی آیتوں میں عام طور پر لوگوں کو "یا ایہا الذین آمنوا"  
 کے لفظ سے خطاب کیا جاتا ہے اور ان میں "یا ایہا الناس" کا لفظ بہت کم آتا ہے اس کے برعکس  
 مدنی آیتوں میں "یا ایہا الناس" کے لفظ سے خطاب کیا جاتا ہے اور ہم کو کی سورتوں میں "یا ایہا الذین  
 آمنوا" کا لفظ کمین نہیں نظر آتا البتہ مدنی سورتوں میں "یا ایہا الناس" کا لفظ سات بار آیا ہے  
 چنانچہ وہ آیتیں یہ ہیں

- |                                       |  |
|---------------------------------------|--|
| (۱) یا ایہا الناس اعبدوا دیکھو (بقیہ) | لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو،                   |
| (۲) یا ایہا الناس کلو مما فی الارض    | لوگو زمین کی حلال چیزوں کو کھاؤ، دراصل ایک وہ حلال |
| حلالاً طیباً                          | و طیب ہون  |
| (۳) یا ایہا الناس اتقوا ربکم          | لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو،                         |

ان یشاع یذہبکم ایھا الناس  
 اگر وہ چاہے تو کھولے جائے اسے لوگو  
 یا ایھا الناس فتدجاءکم الی رسول  
 لوگو تمہارے پاس پیغمبر تمہارے پروردگار کے پاس سے  
 بالحق من ربکم (نساء)  
 حق لیکر آیا،  
 یا ایھا الناس فتدجاءکم  
 لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے پاس سے  
 ببرھان من ربکم (نساء)  
 دلیل آئی،  
 یا ایھا الناس انما خلقناکم من خشع و نسی  
 لوگو ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا،

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ کی آیاتوں میں تفصیلی احکام فقہیہ بالکل نہیں پائے جاتے، بلکہ ان کا بیشتر حصہ مذہب کے مقصد اولین یعنی خداوند تعالیٰ کی وحدانیت اس کے ثبوت کے دلائل اس کے عذاب کے درجے، قیامت اور قیامت کے عذاب و ثواب اور ان کے مکاربم اخلاق کی ترغیب سے تعلق رکھتا ہے جن کی تکمیل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے، ان کے علاوہ گذشتہ قیامتوں کی ان تاریخی آزمائشوں کا تذکرہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی مخالفت کا نتیجہ تھیں، فقہی احکام کی تفصیل زیادہ تر مدنی آیاتوں میں موجود ہے،  
 قرآن مجید تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے،

(۱) وہ آیتیں جو خدا، خدا کے فرشتوں خدا کی کتابوں خدا کے پیغمبروں اور روز قیامت پر ایمان لانے سے تعلق رکھتی ہیں اور علم کلام اور علم اصول الدین میں انہی سے بحث ہوتی ہے،  
 (۲) وہ آیتیں جو اعمال و ملکات قلبیہ سے تعلق رکھتی ہیں یعنی ان کو مکاربم اخلاق کی ترغیب سے تعلق ہے اور علم اخلاق میں انہی سے بحث کی جاتی ہے،  
 (۳) وہ آیتیں جو ظاہری اعضاء کے افعال یعنی ادا و نواہی اور تحذیرات سے تعلق رکھتی ہیں اور فقہاء انہی سے بحث کرتے ہیں

## قرآن مجید میں فقہ اسلامی کا بنیادی مہول

قرآن مجید کا علانیہ دعویٰ ہے کہ وہ انسانی حالات کی اصلاح کے لیے نازل کیا گیا ہے اور اسی غرض سے اور مرد و نواہی نازل کیے گئے ہیں چنانچہ وہ خود کہتا ہے:

مِا مَرْمَرِا الْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لِهَمَّ الطَّيِّبَاتِ  
وَيُحْرِمُ عَلَيِهِنَّ الْمُنْكَرَاتِ

وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے بری باتوں سے منع کرتا ہے،  
ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ان کیلئے  
ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے

قرآن مجید نے فقہی احکام میں تین چیزوں کو اپنا بنیادی اصول قرار دیا ہے:

(۱) عدم حرج،

(۲) قلت تکلیف،

(۳) تدریج،

### عدم حرج

عربی زبان میں حرج کے معنی تنگی کے ہیں اور اس قسم کے دلائل جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس شریعت کا بنیادی اصول تنگی کو دور کرنا ہے، بکثرت ہیں مثلاً خداوند تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک وصف یہ بیان کرتا ہے:

وَضَعْنَاهُمْ اَصْرَهُمْ وَاَخْلَلْنَا  
اَبْصَارَهُمْ

اور وہ ان لوگوں سے اس بوجھ کو اور ان پر بوجھ کو جو ان کے  
اوپر تھینا ہوا تھا ہٹا دیا ہے

خدا نے ہم کو خود اس عالم کی تعلیم دی ہے

ربنا ولا تجعل صلاتنا صراخا محتجا

خدا و نماز ہم پر بوجھ نہ لاؤ، جیسا کہ تو نے اُن لوگوں پر لا دیا

علی الذین من قبلنا ربنا ولا تجعلنا

تھا جو ہم سے پہلے تھے، خدا و نماز ہم پر بوجھ نہ لا دھکے

ملاطلاقة لنا به

اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو،

حدیث شریف میں آیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں منبر پایا کہ

میں نے ایسا کر دیا

ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیتیں ہیں مثلاً

لا يكلف الله فئسا الا وسعها

خدا کسی شخص کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جتنی کہ اس کی دستبرد میں آئے

يريد الله بكم اليسا ولا يريد

خدا تمھارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا

بكم العس

نہیں چاہتا،

ما يجعل عليكم في الدين من حرج

خدا نے تم پر دین کے بارہ میں کوئی دشواری نہیں کی ہے

يريد الله ان يخفف عنكم وخلق الانسان

خدا تم سے تخفیف کرنا چاہتا ہے، اور خود انسان

ضعيفا

ضعیف پیدا کیا گیا ہے

وما يريد الله ليجعل عليكم من حرج

خدا تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا،

حدیث شریف میں آیا ہے

بعثت بالحنيفية السمحة

میں آسمان اور زمین سے مذہب کو لیکر مبعوث ہوا ہوں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کی نسبت حدیث میں آیا ہے

ما خير دين امرين الاختار

اچکے جب کبھی چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا تو اپنے اُن دونوں

ایسے ہمارے لئے ہیں انما

میں آسان تر چیز کو اختیار کر لیا بشرطیکہ وہ گناہ کی چیز نہ ہو

اس قسم کی اور بھی متعدد دیتیں اور حدیثیں ہیں اور فقہاء نے بھی اس کو ایک شرعی اصل قرار دیا ہے اور اس کے ذریعہ سے بہت سے احکام مستنبط کیے ہیں

یہ ایک قطعی اصل ہے اور اسی اصل کی بنا پر شریعت میں خستین مثلاً مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنا، بوقت ضرورت حرام چیز کو مباح کر دینا اور تمم کرنا مشروع ہیں

**قلت تکلیف** کی کثرت میں غلٹ قسم کی تنگیوں ہیں جو شخص ادا کرنا نہ ہی کی تحقیقات کے لیے قرآن مجید کا مطالعہ کریگا اس کو اس اصل کی صحت کا یقین نہایت آسانی کے ساتھ ہو جائیگا، کیونکہ

(۱) اولاً قرآن کی تعداد نہایت کم ہے

(۲) ثانیاً ہر طریقی سے امت میں ان کا علم حاصل ہو سکتا ہے

(۳) ثالثاً ان پر نہایت آسانی سے عمل کیا جاسکتا ہے

(۴) ان میں اس کثرت سے تفصیل نہیں پائی جاتی کہ جو لوگ صرف قرآن مجید پر عمل کرنا

چاہتے ہیں ان کے لیے تنگیوں پیدا ہوں

قرآن مجید کی یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے

|  |   |
|--|---|
| یا ایہا الذین آمنوا لا تسألوا عن اشیاء | مسلمانو! چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو اگر وہ تم پر ظاہر       |
| ان تبدلکم شعورکم وان تسألوا            | ہو گئیں تو تم کو ضرر ہو چکا ہوگی اگر تم نے ان کے متعلق سوال |
| عنہا حین ینزل العثران تبدلکم           | قرآن کے وقت ال کیا تو وہ تم پر ظاہر ہو جائیگی خدا نے ان کو  |
| عفا اللہ عنہما واللہ غفور رحیم         | معاف کر دیا اور خدا بخشنے والا بڑا رحیم ہے تم سے پہلے ایک   |



حتد سألها قوم من قبلکم ثم اصبحوا قوم نے اُن چیزوں کا سوال کیا پھر اُن کی

ملکہ ہو گئی

بھا کا ضربین

یہ سوالات جن سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے اُن چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں جنکو خدا نے معاف کر دیا ہے یعنی اُن کی حرمت سے خاموشی اختیار کی ہے اس بنا پر اُن کے متعلق اُن کا سوال اُن کی حرمت کا سبب ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ اُن کے متعلق پوچھ گچھ نہ کرتے تو وہ اسی طرح معاف رہتے اور اُن کو اُن کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کے متعلق جب یہ سوال کیا گیا،

کیا وہ ہر سال فرض ہے،

افی کل عام

تو اس کے جواب میں آپ کا یہ ارشاد

لو قلت نعم لوجبت ذرونی

ما تترككم فما مهلك من كان

قبلکم بكثرۃ مسائلهم وختلافهم

علی انبیاء ثم

کرنے سے ہلاک ہوئے

بھی اسی سے تعلق رکھتا ہے، چنانچہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول دلالت کرتا ہے

اعظم المسلمین جرما من سال

عن شئی لم یحرم علی المسلمین

فحرم علیہم من اجل مسائلہ

مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے

ایک ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں گئی

تھی لیکن اس کے سوال کی وجہ سے وہ ان پر حرام کر دی گئی

خدا نے چند فرائض مقرر کر دیے ہیں اُن کو ضائع نہ کر دے چند

حدود مقرر کر دیے اُن کے آگے نہ بڑھو، چند چیزیں حرام

ان الله فرض فرائض فلا تقصدوها

وحد حدودا فلا تعتدوها وحرم امشیاء

فلا تلتحقوا کومها و مکنت عن  
 کر دین اُن کی پردہ دری نہ کرو چند چریوں سے خاموش  
 امشیاء رحمة لکم من عنید مسیان  
 رہا، تمہرے رہائی کرنے کے لیے نہ اس لیے کہ وہ اُن کو  
 فلا تلتحقوا عنہما،  
 بھول گیا تھا اُس لیے اُن کے متعلق کر یہ نہ کرو  
 فصل در حدیث اور حدیث کی نسبت قرآن کے ساتھیوں جو باتیں عنقریب مذکور ہوں گی اُن سے  
 اس مضمون کی زیادہ توضیح ہو جائیگی

### تہذیب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 بعض قائم رکھنے کے قابل تھیں اور اُن سے ایک قوم کی تولید میں کوئی ضرر نہیں پہنچتا تھا،  
 لیکن بعض عادتیں مضرت تھیں اس لیے شارع اُن سے اُن کو الگ رکھنا چاہتا تھا اُس لیے اُس نے  
 اپنی حکمت کے اقتضا سے آہستہ آہستہ ان کے لیے اپنے حکم کو ظاہر کیا اور رفتہ رفتہ اپنے دین کو کمال  
 کے درجہ تک پہنچایا، اس اصول کو پیش نظر رکھ کر جو شخص غور کرے گا اس کو معلوم ہو گا کہ دوسرے  
 حکم نے پہلے حکم کو باطل نہیں کیا بلکہ اس کی تکمیل کی بجائے یہ حقیقت ذیل کی مثال سے  
 واضح ہو جائے گی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب اور جوئے کے متعلق جن کے اہل عرب شدت سے  
 غور تھے سوال کیا گیا تو آپ نے قرآن مجید کی زبان سے اس کا جواب دیا،

فیہما اہم کبیر و منا ذلک لنا س  
 ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے  
 و انہما اکبر من نفعہما،  
 ہیں لیکن اُن دونوں کا نفعہ نہ نفعہ سے بڑا ہے

اگرچہ ایک فتنہ نفس اور فلسفہ تشریح کا عالم اس آیت سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس سے ان

چیزوں کی حرمت مقصود ہے، کیونکہ جس چیز میں گناہ کا جزو غالب ہوتا ہے وہ عملاً حرام کر دی جاتی ہے اس لیے کہ افعال میں کوئی فعل ایسا نہیں ہے جس میں صرف برائی ہی برائی ہو بلکہ تحریم و تحلیل کا دار و مدار خیر و شر کے غلبہ پر موقوف ہے تاہم خداوند تعالیٰ نے اول اول پر تصریح کی ممانعت نہیں کی اس کے بعد نشہ کی حالت میں یہ تصریح اُن کو نماز پڑھنے سے روکا تاکہ وہ جو کچھ اس حالت میں پڑھتے ہیں اُس کو جان سکیں،

یا ایہا الذین آمنوا لا تقربوا الصلا  
 و انتم مسکاسی حتی تعلموا ما تقولون  
 مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو تاکہ جو کچھ  
 کہتے ہو اس کو جان سکو  
 لیکن اس ممانعت نے پہلی آیت کو باطل نہیں کیا بلکہ اس کو اور موکد کر دیا،  
 اس کے بعد تصریح کے ساتھ ممانعت کا قطعی حکم دیا،

یا ایہا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر  
 والکھاب واکلام رجس من عمل الشیطان  
 فاجتنبوا لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان  
 ان یوقع بینکم العداۃ والبغضاء فی الخمر  
 والمیسر ولید کہ عن ذکر اللہ وعن الصلا  
 فاعلم انکم منکھون  
 مسلمانو! شراب و جوا، بت اور جوئے کے تیر و حاتی پانی  
 اور شیطان کے کام ہیں اس لیے اُن سے بچنا بد تم  
 فلاں پاؤں شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے  
 میں تمہارے درمیان عداوت ڈال دے تاکہ تم کو خدا  
 کے ذکر اور نماز سے روک دے تو کیا تم ان سے با  
 آؤ گے؟

احکام فقہیہ کے اس تذریجی ہول سے ایک دوسرا اصول بھی پیدا ہوا ہے یعنی پہلے یہ  
 احکام اجمالاً مذکور ہوتے ہیں پھر ان کی تفصیل کی جاتی ہے چنانچہ کی اور مدنی احکام کے موازنہ  
 و مقابلہ سے حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ احکام بالکل حمل ہوتے ہیں اور قرآن مجید بہت  
 کم ان کی تفصیل کرتا ہے اس کے خلاف مدنی احکام بالخصوص تمدنی معاملات میں نسبت کی احکام

قرآن مجید نے بہت زیادہ تفصیلات کی ہیں، اسی بنا پر ہماری رائے میں جن آیتوں سے احکام مستنبط کیے جاتے ہیں وہ زیادہ تر مدنی ہیں، مگر آیتوں میں صرف وہ احکام مذکور ہیں جن سے عقیدہ کی حفاظت مقصود ہے، مثلاً چاندی جو خدا کے نام پر فروغ نہ کئے گئے ہوں ان کی حرمت کا حکم مکہ میں نازل ہوا ہے اور اس سے صرف عقیدہ توحید کی حفاظت ہوتی ہے

## نسخ

قرآن مجید ہر اسلام کی بنیاد اور خدا کی مہبوط رسی ہے جس کے پکڑنے کا حکم اُس نے تمام مسلمانوں کو دیا ہے

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ذلک تفہتوا  
تم سب خدا کی مضبوط رسی پکڑو اور اختلاف نہ کرو  
اور تقریباً یہ مقصد بدیہیات دین میں سے ہے جس پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں البتہ اس موقع پر ایک مسئلہ نہایت تفصیل و توضیح کا مستحق ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید میں کیا کوئی ایسی بھی آیت ہے جو نسخ ہو گئی ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے؟

یہ ایک عظیم الشان مسئلہ ہے اور جبکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن مجید قطعی الحجت ہے اور واجب العمل ہے، تو جو شخص اس مسئلہ پر بحث کرنا چاہتا ہے اس کا فرض یہ ہے کہ اپنے پیش نظر مقتضی قطعی دلیل لائے اور میں اس موقع پر اس مسئلہ کی مزید توضیح کرنا چاہتا ہوں  
فقہاء کی اصطلاح میں نسخ کا اطلاق دو معنی پر کیا جاتا ہے

(۱) اول یہ کہ پہلی عبارت سے جو حکم سمجھا جاتا ہے وہ اس کے متصل دوسری عبارت سے باطل کر دیا جائے مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ

كنت امة يترككم في هذه القبور الا من دودها  
میں تم کو دیارت قبور میں چھوڑ گیا لیکن ان کی تبارک

اس حدیث کا پہلا فقرہ زیارت قبور کی ممانعت کرتا ہے لیکن دوسرا فقرہ اس ممانعت کو منسوخ کر کے اس کی اباحت یا اس کے حکم کو اس کا قائم مقام کر دیتا ہے  
(۲) دوم یہ کہ پہلی عبارت کے عموم کو منسوخ کر دیا جائے یا اس کے اطلاق کو مقید کر دیا جائے مثلاً خداوند تعالیٰ نے فرمایا

والمطلقات منیر یصن یا لفصھن ذلالتہ قروہ  
مطلقة عورتین تین حصین کا انتظار کریں ،  
اس کے بعد ارشاد ہوا ،

اذ انکحتم المومنات فم طلقتموهن من  
جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو اتھ لگائے  
قبل ان تمس هن فم لا کمر علیھن من  
سے پہلے طلاق دیدو تو تمھارے لیے ان کے ادھر  
عدۃ تعتدو غنا کوئی مدت نہیں ہے جس کا تم شمار کرو

ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت عام ہے جو مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں قسم کی عورتوں کو شامل ہے لیکن دوسری آیت غیر مدخولہ عورتوں کو ایک مخصوص حکم دیتی ہے ،

اسی طرح خلائے دوسرے موقع پر فرمایا ،

والذین یرمسون المحصنات ثم یاتوا بادیعہ  
جو لوگ پاکباز عورتوں پر تھمت لگاتے ہیں پھر اس پر چال  
شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ (الایہ) گواہ نہیں لاتے ان کو اسی کوڑے لگاؤ ،

اس کے بعد فرمایا

والذین یرمسون اذوا جھرو لم یکن  
جو لوگ اپنی بی بیوں پر تھمت لگاتے ہیں اور انکی  
لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ  
ذات کے سوا ان کے اور گواہ نہیں ہیں تو ان کی  
احدھما ربع شھادات بالشدائد  
شہادت یہ ہے کہ چار بار خدا کی قسم کھائیں کہ وہ  
لمن الصادقین (الایہ) سچے ہیں

ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت عام ہے جو تمام قسمت لگانے والوں کو چاہیے  
 وہ شوہر ہوں یا شوہر نہ ہوں شامل ہے، لیکن دوسری آیت نے شوہر ہون کو ایک مخصوص حکم دیا،  
 کیونکہ اس نے ان کی پانچوں قسموں کو چار گواہوں کا قائم مقام کر دیا ہے اور عورت کو حد زنا سے بری  
 ہونے کا حق بھی اس کی پانچ قسموں کی بنا پر دیا ہے

مطلق کے مقید کرنے کی مثال خداوند تعالیٰ کا یہ قول ہے،

حَرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اٰلِهَيْتُمْ مَا كَفَرْتُمْ  
 تم پر مردار اور خون حرام کیا گیا،

پھر دوسری آیت میں فرمایا،

قُلْ لَا اَجِدُ فِيمَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مَحْضًا مَّا عَلَا  
 کہ جو کچھ میری طرف دی گیا ہے اس میں کوئی حرام چیز

طاعہ و طبعہ الا ان لیکن مہیت  
 جسکو کوئی کھانے والا کھائے بجز مردار اور ہنسنے والے

ادما مسفو حا خون کے نہیں پایا،

ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت حرام خون کے لیے مطلق ہے، لیکن دوسری

آیت میں سفوح یعنی بہنے کی قید لگائی ہے،

نسخ کی یہ دوسری قسم بلا اختلاف قرآن مجید میں موجود ہے، البتہ اس میں متحدہ اختلافات

نکل سکتے ہیں مثلاً

(۱) تاریخ نزول کے لحاظ سے ہم کو یہ معلوم ہے کہ عام اور مطلق خاص اور مقید سے مقدم

یا متاخر ہیں یا یہ معلوم نہیں

(۲) کچھلی آیت پہلی آیت سے ملی ہوئی نازل ہوئی ہے یا وہ بعد کو اتری ہے

(۳) بعد کو اترنے والے خاص اور مقید کو ہم بعض فقہاء کی اصطلاح کے موافق عام اور

مطلق کا نسخ قرار دیتے ہیں،

(۴) یا دوسرے فقہاء کی رائے کے موافق اس کو تخصیص و تقييد کيمن  
ليکن بہر حال اصل مسئلہ کے وجود پر اتفاق کر لینے کے بعد اُس کے مختلف نام کوئی اہمیت  
نہیں رکھتے، بلکہ ہمارے لیے صرف یہ کہنا کافی ہے کہ عام اور مطلق باطل نہیں ہوئے، کیونکہ  
خاص نے جس چیز کو پہلے حکم کے دائرے سے نکال دیا ہے اُس کے علاوہ عام ہر چیز پر ہمیشہ  
دلائل کرتا رہیگا، اور یہ اُس اصل کی طرف رجوع کر جائیگا، جبکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ احکام فقہیہ  
میں تدریج ملحوظ ہے یعنی وہ آہستہ آہستہ نازل ہوئے ہیں اس بنا پر جب تک کہ اصل ہو جائیگا تو عام  
و خاص دونوں بمنزلہ ایک آیت کے قرار دیے جائیں گے، اور عام کو مستثنیٰ منہ اور خاص کو مستثنیٰ  
کہا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے دونوں میں سے اگلی اور پچھلی آیت پر اہتمام کے  
ساتھ دلائل نہیں کی ہے اور ان کے امتیازی حکم کو فقہاء نے بھی اہمیت نہیں دی ہے،  
کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کل قرآن شے واحد ہے

البتہ نسخ کی پہلی قسم یعنی قرآن مجید میں ایسی آیت کا ہونا جس کا حکم بالکل باطل کر دیا گیا  
ہو یا اس سے زیادہ موزون عبارت میں اُس کے حکم کی مدت ختم ہو گئی ہو، اور وہ صرف بغرض  
تلاوت قائم رکھی گئی ہو، بحث و نظر ہے پچھلی آیت کا پہلی آیت کو باطل کرنا اور باقون پر موقوف ہے  
(۱) ایک تو یہ کہ پچھلی آیت پر تصریح ظاہر کر دے کہ اس نے پہلی آیت کو نسخ کر دیا،  
(۲) دوسرے یہ کہ دونوں آیتوں میں ایسا تناقض موجود ہو کہ دونوں میں تطبیق نہ ہو جائے  
تو اب سوال یہ ہے کہ کیا قرآن مجید کی آیتوں میں کوئی ایسی آیت موجود ہے؟

پہلی صورت قرآن مجید کی کسی آیت میں نہیں پائی جاتی صرف دو آیتیں ہیں جو بحث و  
تحقیق کے پہلے ان لوگوں کی رائے کی تائید کرتی ہیں جو قرآن مجید میں نسخ کے قائل ہیں  
چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

یا ایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال  
ان یکون منکم عشرون صابرون  
یغلبوا ما نکثین وان یکون منکم مئة یغلبوا الفا  
من الذین کفروا باھم قوم لا یتقون

اسے پیغمبر سنانوں کو لڑائی کے لیے آمادہ کرو، اگر تم میں سے  
صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دس سو پر غالب آئیں گے  
اور اگر تم میں سو ہوں گے تو وہ ہزار کا فرد پر غالب آئیں گے  
کیونکہ وہ ایک ایسی قوم ہیں جو نہیں سمجھتی

اس کے بعد اس کے متصل آیت میں فرمایا:

ان خفف اللہ عنکم دعوکم فیکم  
ضعفا فان یکون منکم مائة صابرة  
یغلبوا ما نکثین وان یکون منکم الف  
یغلبوا الغن مبادن الله والله  
مع الصابرين

اب خدا نے تمھارے بوجھ کو ہلکا کر دیا اور جان لیوا تمہیں  
ضعف ہے تو اب اگر تم میں سو صابر ہوں گے تو دس سو پر  
آئیں گے اور اگر تم میں ایک ہزار ہوں گے تو خدا کے  
حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور خدا صابر کرنے  
والوں کے ساتھ ہے

لفظی حیثیت سے یہ دونوں آیتیں خبر کی صورت میں ہیں لیکن ان سے افشاء مقصود ہے  
کیونکہ خداوند تعالیٰ اس سورہ میں فرماتا ہے  
یا ایھا الذین آمنوا اذالتم یتم  
فخمة فانتبھوا

مسلمانو! جب تم کسی جماعت سے مقابلہ کرو تو  
ثابت قدم رہو

لیکن خدا نے ثابت کے اس مطلق حکم کی تجدید کرنی چاہی کیونکہ اس مطلق حکم سے تمام حالات  
میں مسلمانوں اور ان کے ساتھ لڑنے والوں کی تعداد کتنی ہی ہو ثبات واجب ہو جاتا ہے اس بنا پر  
پہلی آیت نے ان لوگوں کی تعداد جن کے مقابل میں ثبات واجب ہے وہاں گناہتوں کی،  
لیکن اس موقع پر صریحاً امر کا صیغہ جیسا کہ اس کے پہلے «انتم» کا لفظ آچکا ہے، استعمال نہیں کیا  
کیونکہ اس موقع پر ان کے قلوب میں حمت کا پیدا کرنا اور ان کے سینوں میں غیرت کی آگ بھڑکانا



مقصود تھا، اس لیے اس امر کو خبر کی صورت میں پیش کیا، لیکن جب خدا نے اُن کے ضعف کو جان لیا تو دوسری آیت میں تخفیف کر دی اس موقع پر علم سے ظہور مراد ہے یعنی اُن میں ایک ایسا ضعف ظاہر ہوا جو پہلے سے موجود نہ تھا، کیونکہ اگر وہ پہلے سے موجود ہوتا تو خدا اُس کو جاننا اور پہلے حکم کا موقع پیش نہ آتا، اس لیے یہ نوپیدا ضعف تخفیف کا مقتضی ہوا اب اگر ہم یہ کہیں کہ دوسری آیت کو پہلی آیت سے وہی نسبت ہے جو اُس آیت کی ہو سکتی ہے جو کسی امر عارض کی وجہ سے تخفیف تو کر دیتی ہے، لیکن اس امر عارض کے زوال کے بعد پہلی آیت کا حکم باقی رہتا ہے، تو ان دونوں آیتوں کا حکم وہی ہوگا جو عزیمت کے حکم کا رخصت کے حکم کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے اگر کسی جماعت میں یہ ضعف جسکو خدا نے تخفیف کا سبب بیان کیا ہے نہ ہو تو اس کا فرض ہے کہ اپنی دین گناہ کے مقابل میں ثابت قدم رہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ پہلی آیت میں ۲۰ اشخاص کی جو تعداد مذکور ہے اس کی صفت میں ”صابرین“ کا لفظ آیا ہے اس طرح سو اشخاص کی تعداد ”صابرۃ“ کے لفظ سے موصوف ہے اس بنا پر جان کہیں صبر کا وصف موجود ہوگا وہاں پہلا حکم ثابت و برقرار رہیگا، صبر کے لیے یہ لازمی ہے کہ اس سے پہلے مادی اور قلب کی روحانی قوت دونوں موجود ہوں، لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ دوسری آیت یعنی یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم فئة فاثبتوا، تمام حالات میں عام ہے تو پہلی آیت کا حکم منسوخ ہوگا، لیکن یہ مستبعد ہے اخصیون دونوں آیتوں کے قریب قریب خداوند تعالیٰ کا یہ قول ہے:

|  |                                     |
|--|-------------------------------------|
| ایکے کھلی اوڑھنے والے ارات میں نماز کیلئے کھڑے رہا کرو،  | ہیٰ ایہا المزمحل قمر اللیل الا قلیل |
| لیکن ساری رات نہیں بلکہ ساری رات کے کم یا آدھی رات       | نصفہ او نقص منه قلیل او ذ           |
| اس میں سے بھی ٹھوڑا کم کر لیا کر آدھی رات سے بڑھا دیا کر | علیہ وقل العتران نزلت میلا          |

لے صفت نے یہ کوشش اس لیے کی ہے کہ فقہار کے نزدیک خبر میں نسخ نہیں ہوتا بلکہ نشانہ میں ہوتا ہے

ان سنلتی علیک قولاً لفتیلاً  
ان ما شئت اللیل طیاً مشدوطاً  
واقتر مقیلاً ان لاک فی النہام  
سبحاً طویلاً

اس کے بعد آخر سورہ میں فرمایا،

ان ربکم یعلم انک تقوم ادنی  
من مثنتی اللیل ونصفہ ومثلثہ  
وطائفتہ من الذین معک واللہ  
بیتہ واللیل والنہام معلومان  
لن یخصوہ فتاب علیکم  
فا تروا مع متیس من القتران  
علم ان سسکون منکم ہر ضلی  
والخسرون یضربون فی الارض  
میتغون من فضل اللہ والآخرون  
بیت متلون فی سبیل اللہ فافترکوا  
ما متیس منہ واقیموا الصلۃ  
وآتوا الزکاة

اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کر ہم تجھ پر عنقریب ایک  
بھاری قول کا بوجھ ڈالیں گے بیشک رات کا اٹھنا خوب  
کچلنے والا، اور اس وقت بھی بیشک دل سے نکلتی ہے اور دن کے  
وقت تو تم کو (دعوت و نصیحت میں) برا شغل رہا کرے گا،

اسے پیغمبر تھا پھر روگا رہا تپا ہے کہ تم اور چھ بزرگ جو تھا  
ساتھ ہیں کہیں (دونہا کی رات کے قریب اور کبھی آدھی  
رات اور کبھی) تنہا کی رات میں نماز کے لیے کھڑے رہتے  
ہو اور رات اور دن کا دھیک، اندازہ اندہ ہی کر سکتا ہے  
اسکو معلوم ہے کہ تم وقت کا تحفظ نہیں کر سکتے کیس نے  
تھارے حال پر رحم کیا اور وقت کی قید اٹھا دی، تو اب  
رہجہ میں (جتنا قرآن آسانی سے پڑھایا جائے پڑھ لیا  
کر، اس کو معلوم ہے کہ تم میں سے بعض (آدمی) بیمار  
پڑیں گے اور بعض خدا کے فضل (وسعت) کی تلاش میں  
مک بن سفر کر نیکی، اور بعض خدا کی راہ میں لڑیں گے تو  
جتنا قرآن (تجدید میں) آسانی سے پڑھ جائے پڑھ لیا کرو  
اور نماز چھگنا نہ پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو،

ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے  
اور وہ صراحتہ رات کے ایک حصہ میں جو اس کے نصف کے قریب ہو قیام نماز کا مطالبہ کرتی ہے

اور اس نماز (تہجد) کے وجوب کا اس نے سبب بھی بیان کر دیا ہے، دوسری آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور اسی طرح چند صحابہ بھی اس پر عمل کرتے تھے، اُس کے بعد خداوند تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ اس موقع پر ایک ایسا سبب موجود ہے جو اس معاملہ میں صحابہ کے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کو معلوم ہے کہ عنقریب اُن کی تین قسمیں جن کو خدا نے بیان کر دیا ہے ہو جائیں گی یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں قرآن مجید کے صرف اس حصے کے تلاوت کی تکلیف دی گئی جسکا پڑھنا آسان ہو، اب اگر پہلی آیت صرف رسول اللہ کی ذات تک محدود ہو، اور صحابہ کرام نے صرف رسول اللہ ﷺ کے اقتدار کے خیال سے اس کی قیام کیا، اور اسباب متذکرہ بالا کی بنا پر جو آسانی کی گئی وہ صرف صحابہ کی ذات تک محدود ہے، تو پہلی آیت منسوخ نہ ہوگی بلکہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اُس کا حکم باقی رہیگا، حضرت ابن عباسؓ کی رائے یہی ہے، لیکن اگر پہلی آیت کو عام قرار دیا جائے اور آسانی کو بھی عام تسلیم کیا جائے تو پہلی آیت منسوخ قرار پائے گی لیکن یعنی بیدار عقل و قیاس ہے پہلے معنی کے روسے دوسری آیت کی تطبیق پہلی آیت سے ہو جاتی ہے اور اس دوسرے معنی کے لحاظ سے بعد کی آیت پہلی آیت کے حکم کے باطل ہونے کا اعلان کرتی ہے، حالانکہ یہ تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ دونوں آیتیں جن کے سوا ہمارے خیال میں کوئی تیسری آیت موجود نہیں متعین طور پر غیر مفید نسخ ہیں، ”سورہ قدس“ میں صدقۃ النجومی کی جو آیت ہے وہ بھی انہی دونوں کے قریب قریب ہے،

دوسرا طریقہ یعنی یہ کہ دو صریح متناقض آیتوں کی بنا پر جن میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو نسخ کی مجبوری نہ ضرورت پیش آئے تو ہمارے نزدیک قرآن مجید میں یہ شکل ایسی کوئی آیت ایسی ہی تھی جن آیتوں کی نسبت نسخ کا دعویٰ کیا جاتا ہے، ہم نے اُن کو اُن علما کے جوابات کے ساتھ جو اُن کے نسخ کے منکر ہیں اپنی کتاب ”اصول فقہ“ میں بیان کیا ہے اس لیے اگر

تم چاہو تو اس کی طرف رجوع کر سکتے ہو

علمائے سلف میں جن لوگوں نے قرآن مجید میں کسی آیت کے منسوخ ہونے کا انکار کیا ہے اُن میں مفسر اعظم ابوسعلمہ احمد بن حنبلؒ نے اُن کے اقوال کو امام رازیؒ کی تفسیر میں لکھا ہے اور خود امام رازیؒ کی ضمنی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابوسعلمہ کی اس رائے کی طرف مائل ہیں

## قرآن مجید کا طرز بیان طلب اور تخییر کے متعلق

قرآن مجید نے طلب و تخییر کے متعلق ایک طرز بیان کا التزام نہیں کیا ہے بلکہ مستقرات معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے افعال کا مطالبہ کرتا ہے مثلاً (۱) کبھی وہ صریح امر کا لفظ استعمال کرتا ہے مثلاً

وَايْتَا عِزِّي الْعَتَرِي، خدا اعدل احسان اور قرابتہ الدون کے دینے کا حکم دیتا ہے

ان الله يا سر كھات توح والا مافات، خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت داروں کی امانت ان کو الی اھلھا واذا حکمتھم بین المائس، ان تتكلموا بالعدل کے ساتھ کرو

(۲) کبھی یہ خبر دیتا ہے کہ یہ فعل غائبین پر فرض کیا گیا ہے

کتب علیکم القصص فی اتقی، مقتولین کے بارہ میں تم پر قصص فرض کیا گیا ہے

|  |   |
|--|---|
| کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت  | جب تم میں کسی کی موت آئے تو اگر وہ کوئی مال چھوڑے                         |
| ان ترک خیر الوصیۃ  | تو اس پر وصیت فرض کی گئی ہو،  |
| کتب علیکم الصیام   | تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں  |
| ورہباً نیتۃ ابتداء علیہا مالکینا علیہم   | پرہیز نیت کو ان لوگوں پر جو یاد کر لیا ہو، ہم نے ان کو ان پر فرض نہیں کیا |
| ہرکنا ب اللہ علیکم   | یہ خدا کی فرض کردہ چیز ہو،  |
| ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتباً بامس قوماً   | نماز مسلمانوں پر ایک سوخت فرض ہو،   |
| ۳۱) کبھی یہ خبر دیتا ہے کہ اس فعل کی ذمہ داری تمام لوگوں پر یا کسی خاص گروہ پر ہو، مثلاً |   |
| وللہ علی الناس حج البیت من استطاع  | خدا کیلئے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہو یعنی ان لوگوں پر جو             |
| الیہ مسیلاً  | اُس کی طرف سفر کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں                                  |
| وعلی الملوف دلہ رزقہن وکسبہن   | اور جس شخص کے لڑکا پیدا ہوا ہو اس پر ان عورتوں کا کھانا                   |
| بالعروف  | کپڑا فرض ہے،  |
| وعلی الوارث مثل ذلک  | اور وارث پر بھی ایسا ہی ہے،   |
| وللمطلقات متاعٌ بالمعروف   | اور جن کو طلاق دی جائے ان کے ساتھ دستور کے موافق سلوک                     |
| حقاً علی المتقین،  | کرنا مناسب ہے، کہ پرہیزگاروں پر یہ ایک طرح کا حق ہے،                      |
| ۳۲) کبھی وہ فعل مطالب کی ذمہ داری ان لوگوں پر ڈال دیتا ہے جن سے اس فعل کا                |   |
| مطالبہ کیا گیا ہے، مثلاً   |   |
| والمطلقات یتربصن بالفہمن ثلاثۃ قرواً   | مطلقہ عورتیں تین حصے کے لئے تاکہ اپنے آپ کو رکھیں                         |
| والذین یتبنون منکم ویذرون اذواجاً  | جو لوگ تم میں ہر جائیں اور بیویوں کو چھوڑ جائیں وہ بی بی                  |
| تربصن بالفہمن اربعۃ اشھر وحشراً  | اپنے آپ کو چار مہینے و سزا تک رکھیں                                       |

اس طرز بیان کے بعد کبھی ایسے الفاظ آتے ہیں جن سے مطالبہ فعل کی تاکید ہوتی ہو  
اور کبھی ایسے الفاظ آتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فعل فرض نہیں ہے مثلاً

والوالادات میرضعن اولادہن اور جو شخص (طلاق دینے کے بعد) اپنی اولاد کو پوری  
حوالین کاملین لمن اراد ان یتما الیہن یتما ۱۰  
مرتب تک دودھ پلوانا چاہے تو یائین اپنی اولاد کو  
پورے دوبرس دودھ پلائیں

(۵) کبھی وہ صیغہ طلب یعنی صیغہ امر اور مضارع مقرون باللام کے ساتھ افعال کا مطالبہ  
کرتا ہے مثلاً

حافظ علی الصلوات والصلوة نمازون کی حفاظت کرو بالخصوص بیچ کی نماز کی اور خدا  
الوسطی وفق موالتقائتین کے لیے نمازون میں عجز و ہنکار کے ساتھ کھڑے ہو،  
ثم لیقضوا الفترہ ویوفوا فی امن و درہم پھر چاہیے کہ وہ اپنے میل کیل کو دور کریں اپنی نذرانہ  
ویطوفوا اباب بیت العتیق پورا کریں اور پرانے گھر کا طواف کریں

(۶) کبھی وہ اس کی تفسیر فرض کے لفظ سے کرتا ہے مثلاً  
قد علمنا ما فرضنا علیہم فی ازواجہم ہم نے جو کچھ ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں  
وَمَا مَلَکَتْ اِیمانہم اُن پر فرض کیا ہے اس کو ہم نے جان لیا،

رہے کبھی وہ فعل مطلوب کا ذکر کسی شرط کی جزاء کے طور پر کرتا ہے، لیکن یہ طرز بیان  
عام نہیں ہے مثلاً

فان احصرتم فی استیمی تو اگر تم (جسے) روک دے جاؤ تو جو قرمانی آسان ہو اس کو  
من الہدی روانہ کر دو

فان کان منکم مریضاً او عبداً ذی قہر لوگ تم میں سے بیمار ہوں یا ان کے سر میں کوئی

- من راسہ ففدایۃ من صیارہ  
تکلیف ہو تو بال اثر دانے کے بدلے میں ردوہ یا  
اوصداقۃ اوفسک  
خیرات یا قربانی ہے،  
وان کان ذوعسرة فظرة  
اگر مفروض تنگ دست ہو تو اس کو فراخ دستی کے راسخ  
الی مہیۃ  
تک اہلت دینی چاہیے،  
(۸) کبھی وہ فعل مطلوب کا ذکر لفظ غیر کے ساتھ ملا کر کتابے مثلاً  
وسیاً لوفسک عن الیتا ہی قتل  
اور وہ لوگ تجھ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں  
اصلاح لہم خیر  
کہدے کہ ان کی اصلاح بہتر ہے،  
(۹) کبھی وہ فعل مطلوب کا ذکر کسی وعدے کے ساتھ کرتا ہے مثلاً  
من الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً  
وہ کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دیکھا، تو خدا اس کے لیے  
فیضاً عفا لہ اضعاۃ کثیرۃ  
کئی گنا زیادہ دیکھا،  
(۱۰) کبھی وہ فعل مطلوب کی نسبت کتابے کہ وہ خود نیکی ہے یا نیکی کی طرف پہنچانے  
والا ہے مثلاً  
ولکن السبر من آمن باللہ  
لیکن نیکی اس شخص کی ہے جو خدا پر ایمان لایا،  
ولکن السبر من اتقی  
لیکن نیکی اُس شخص کی ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا،  
لن ننا لوال السبر حتی تنفقوا مما تحبون  
تم لوگ ہرگز نیکی کو نہ پاؤ گے یہاں تک کہ جن چیزوں کو  
تم محبوب رکھتے ہو ان میں سے کچھ خرچ نہ کرو،  
اسی طرح کسی فعل کی ممانعت کے متعلق بھی قرآن مجید نے مختلف طرز بیان اختیار کیے  
ہیں، مثلاً،  
(۱) صریح نہی، مثلاً

وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ

اور خدا بھیا لی کے کاموں اور بری باتوں اور ایک دوسرے پر

زیادتی کرنے سے منع کرتا ہے

أَمَّا بَيْنَكُمْ أَن لَّهِ عَن الدِّينِ قَاتِلُو كُفْرًا فِي الدِّينِ

جن لوگوں نے تم سے مذہب کے بارے میں جنگ کی اور تم کو کھٹا

وَأَخْرَجُوا كُفْرًا مِن دِينِكُمْ وَظَاهَرُوا عَصَا

مگروں سے نکالا اور تمہارے نکالے جانے پر مدد دی خدا تم کو

اخراج کرنا تو لو ہم

یقین کی دوستی کرنے سے منع کرتا ہے

(۲) شے ممنوع کو حرام کرنا مثلاً

أَمَّا حَرَمَ رِبَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا

میرے پروردگار نے فحش و عریضہ بھیا لی کے کاموں کو حرام کیا

بَطْنٌ وَأَلْبَانٌ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن

وہ ظاہریوں تو اور پوشیدہ ہوں اور گناہ کو اور ناحق زیادتی

تَشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ

کرنے کو اور اس بات کو کہ تم کسی کو خدا شریک قرار دے جسکی

سُلْطَانٌ وَأَن تَقْتُلُوا عِصْمَةَ اللَّهِ

اس نے کوئی سزا نہیں اتاری اور یہ کہ بے سوچے کچھ

مَلَا تَقَامُونَ

خدا پر ہتھان بانٹو

فَتَلْتَقُوا لَوْ أَمْتَلُ مَا حَرَّمَ رِبْكَ

کہہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں چڑھ کرنا توں جو تمہارے پروردگار

عَلَيْكُمْ

نے تم پر حرام کی ہیں

وَحَرَّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے

(۳) فعل ممنوع کو حلال نہیں کہنا مثلاً

لَا يَحِلُّ لَكُمُ أَنْ تَسْرِقُوا نِسَاءَ

تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث

اِکْرَهًا

بن جاؤ

وَلَا يَحِلُّ لَكُمُ أَنْ تَأْخُذُوا بِهَا

تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ جو کچھ تم نے عورتوں کو دیا ہے

أَتَتِيهِمْ مِّثْلَ مَا آتَا انْ يَحْمِلُوا

اُس سے کچھ لے لو پھر اس صورت کے کہ میان بی بی و بچہ



بقیہ حد و دالہ

کو یہ خوف ہو کہ وہ حدود خداوندی کو قائم نہ رکھیں گے،

ولا یجیل لمن ان یکتمن ما خلق الله فی

اور ان عورتوں کے لئے یہ حلال

ارحامہن

نہیں کہ خدا نے اُن کے رحمون میں جو پیدا

کیا ہے، اس کو چھپائیں،

(۴) صیغہ منفی یعنی فعل مضارع کا جسکے پہلے ”لا“ لای نہی“ ہو یا ایسے فعل امر کا جس سے مانعیت

مقصودہ مثلاً ”دع“ اور ”ذر“ کا استعمال کرنا مثلاً

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ بجز اس طریقہ کے جو عمرہ

ولا تقربوا مال الیتیم الا بالی حق

کھلے اور پوشیدہ گناہ کو چھوڑ دو

وذنواطاهسا لاثم و باطنہ

اور اُن کی ایذا رسانی کو چھوڑ،

ودع اذا هم

(۵) فعل ممنوع سے نیکی کی نفی کرنا مثلاً

یہ نیکی کا کام نہیں ہے کہ اپنے چہرہ کو مشرق اور مغرب

لیس البران تق لدا وجہ حکم قبل المشرق

کی طرف پھیرو،

والمغرب

یہ نیکی کا کام نہیں ہے کہ گروں میں اُن کی پشت کی

ولیس البربان تق البیوت

جانب سے آؤ،

من ظہورھا

(۶) فعل ممنوع کی نفی کرنا، مثلاً

پس اگر وہ فساد سے رک جائیں تو اُن پر زیادتی نہیں ہے

فان افسدوا فلا عدوان

زیادتی صرف ظالموں پر ہے،

الا علی الظالمین،

تو جو شخص ان مہینوں میں حج کا عزم کرے تو حج میں نہ کوئی

فمن فرض فیہم الحج فلا دفن ولا

شہوت کی بات ہے، نگاہ کی نہ لڑائی کی

فمنعوا ولا جہال فی الحج

لا تضار والدة بولدها ولا مولود له  
مان کو اس کے بچہ کی وجہ سے نقصان نہ پہنچایا جائے اور

بولده  
نہ اس کو جس کا بچہ ہے اس بچے کی وجہ سے نقصان نہ پہنچایا جائے

(۷) گناہ کے استحقاق کے ساتھ ملا کر فعل ممنوع کا ذکر کرنا مثلاً

من بدلہ بعد ما سمعہ فاعاۃ  
جو وصیت سنا کہ اس کو بدل دے تو اس کا گناہ ان ہی گون

علی الذین یبذلونہ  
پر جو وصیت کو بدل دینا

(۸) فعل ممنوع کو عذاب کی دھمکی کے ساتھ ملا کر ذکر کرنا، مثلاً

والذین یکنزون الذہب والفضة  
اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور ان کو

ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فنبشہم  
خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے تو ان کو درد انگیز عذاب

بعذاب الیم  
کی دھمکی دے

الذین میا کلون الربا لا یقی مومن  
جو لوگ سود کھاتے ہیں (قیامت کے دن) کھڑے ہو سکیں

الاکما یقی م الذی یتخبطہ الشیطان  
مگر اس شخص کا ساکھڑا ہونا جس کو شیطان نے مہموہ الخوس

من المس  
کر دیا ہو

(۹) فعل ممنوع کے وصف میں "شر" کا لفظ استعمال کرنا مثلاً

ولا تحسبن الذین یبخلون ہما  
جو لوگ اس فضل کے ساتھ جھکو خدانے ان کو دیا ہے بخل

آنا ہما اللہ من فضلہ ہما خیر الہم  
کرتے ہیں یہ نہ لگان کر کہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ وہ

بل ہوا شر الہم  
ان کے لیے بدتر ہے

قرآن مجید نے ان ادا مر کا بیان جن کے کرنے یا نہ کرنے کا مکلف کو اختیار ہے مختلف

طریقوں سے کیا ہے مثلاً،

(۱) حلت کی اسناد اس فعل کی طرف کرنا یا اس کو اس کے ساتھ متعلق کرنا مثلاً

احلت لكم بهيمة الانعام،

چار پائے جانور تمھارے لیے حلال کر دیے گئے ہیں

يسأ لوتك ما ذاحل لهم

لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیز ان کے لیے

قتل احل لكم الطيبات

حلال کی گئی ہے تو ان سے کہد وہ کھانے کی پاک چیزیں

وما علمتم من الجوارح

سب بھائے لیے حلال کر دی گئی ہیں اور شکاری جانور جو تھے

مكبلين

شکار کے لیے سدھار کے ہوں

اليوم احل لكم الطيبات وطعام

آج کے دن تمھارے لیے کھانے کی پاک چیزیں حلال

الذين اوتوا الكتاب بحل لكم وطعام

کر دی گئیں اور ان لوگوں کا مذہب جو کتاب دی گئی ہے،

حل لكم

تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا مذہب ان کے لیے حلال ہے

(۲) فعل کے کرنے پر گناہ کی نفی کرنا، مثلاً

من اضطر عن يوباغ ولا عاد

جو بھوک سے بے قرار ہو جائے اور عدول کی کرنے والا اور عدا

فلا اثم عليه

بڑھ جانے والا نہ ہو اس پر کوئی گناہ نہیں (یعنی حرام چیز کے

کھانے میں)

من تعجل في يومين فلا اثم عليه

پھر جو شخص جلدی کرے اور دو ہی دن میں چل کر طہا ہو،

ومن تخر فلا اثم عليه

اس پر (بھی) کچھ گناہ نہیں اور جو تریک ٹھہرا رہے اس پر

لمن اتقى،

(بھی) کچھ گناہ نہیں (دیہ رعایت) ان کے لیے (ہے)

جو پرہیزگاری کریں

لمن خاف من مرض جنفا

اور اگر کسی شخص کے دل میں وصیت کرنے والی کی حرکت

او اثم فاصلم بينهم فلا

طہاری باقی تلقی کا اندیشہ ہو اور وہ ارثوں میں میل کر اسے

اثم عليه

تو ایسی زمین وصیت کرنے کا) اس پر کچھ گناہ نہیں ہے

دس، فصل کے کرنے پر گناہ کی نفی لفظ "جناح" سے کرنا مثلاً

لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات  
جنہم فیہم طعموا اذا ما اتقوا  
وآمنوا وعملوا الصالحات  
لشما تلقوا آمنوا ثم اتقوا  
واحسنوا

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو جو کچھ مانوس پہلے  
کھا پیا چکے اُن پر کسی طرح کا لگنا نہیں، جب کہ انھوں نے  
(حرام چیزوں سے) پرہیز کیا، اور ایمان لائے اور نیک  
کام کیے پھر (حرام چیزوں سے) پرہیز کیا، اور ایمان لائے پھر  
(حرام چیزوں سے) پرہیز کیا اور اچھا پرہیز کیا،

لَیْسَ عَکِیْکُمْ وَلَا عَکِیْمٌ مِّنْہُمْ  
لَعَبْدٌ مُّہْنٌ  
ان الصفا والمروة من شعائر اللہ  
فہن حج البیت او اعتمر فلا جناح  
علیہ ان یطوف بہما،  
طواف کرے

ان میمنوں اور قات کے سوا (بے اذن آنے دینے میں) اور  
سبائوں چلے آنے میں) نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر،  
صفا اور مودہ خدا کے شعار ہیں جو شخص غار کعبہ کا حج کرے یا  
عمرہ کرے اس پر یہ گناہ کی بات نہیں کہ ان دونوں کا

## جملہ احکام تشرینہ

قرآن مجید مختلف قسم کے اعمال پر جن کی بندوں کو تکلیف دی گئی ہے مشتمل ہے،

(۱) اول وہ معاملہ ہے جو خدا اور بندے کے درمیان ہے، یعنی وہ عبادت جو بغیر ریت کے  
صحیح نہیں ہوتی اُن میں بعض مثلاً نماز اور روزہ خالص عبادت ہیں بعض مثلاً زکوٰۃ مالی اور تمدنی  
عبادت ہیں، بعض مثلاً حج بدنی اور تمدنی عبادت ہیں یہ چاروں عبادتیں ایمان کے بعد نبی اسلام  
تسلیم کی گئی ہیں

(۲) دوم بندوں کا باہمی معاملہ ہے جن کی چند قسمیں ہیں۔

(۲) دوم بندوں کا باہمی معاملہ ہے جن کی چند قسمیں ہیں

۱۔ قوانین تحفظ دعوت اسلام یعنی جہاد

۲۔ قوانین استقلالِ خاندان یعنی وہ احکام چونکاح، طلاق، نسب اور وراثت سے تعلق رکھتے ہیں

۳۔ قوانین معاملات باہمی یعنی بیع اور اجارہ وغیرہ کے احکام اور اصطلاح میں ان کو معاملات کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں

۴۔ قوانین تعزیری یعنی قصاص و حدود ہم آگے چل کر الگ الگ ان سب کی تفصیل کریں گے

### حدیث

حدیث سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال اور دوسروں کے وہ اعمال جن کو آپ نے قائم و برقرار رکھا، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے اپنا پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا تھا، چنانچہ خدا خود کہتا ہے:

يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ  
إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ  
اے پیغمبر! جو کچھ تم پر بھاریے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے تم اس کی تبلیغ کرو

اور آپ خدا کی طرف سے اس کے مقاصد کے بیان کرنے والے تھے، خدا خود فرماتا ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ  
مِمَّا نَزَلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ  
ہم نے تم پر ذکر اتارا تاکہ تم لوگوں کے لیے اُس چیز کو بیان کرو جو ان پر نازل کی گئی ہے اور شاید وہ لوگ غور و فکر کریں

اس بنا پر آپ قرآن مجید کے مطلب کو صرف قول سے کبھی صرف فعل سے اور کبھی ایک ساتھ قول و فعل دونوں کے ذریعہ سے بیان فرمایا کرتے تھے مثلاً آپ نے نماز اور افرائی، اور فرمایا،

صلوا کما را یتھونی صلی

اس طرح نماز پڑھو جو طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا،

آپ نے حج ادا کیا اور فرمایا

مجھ سے اپنے ارکان سکیو

خدا و اعنی مناسک

اس کا طے آپ قرآن مجید کے شارح ہیں یعنی آپ قرآن مجید کی محل آیتوں کی تشریح کرتے ہیں، اس کی مطلق آیتوں کو مفید فرماتے ہیں، اور اس کی شکل آیتوں کی تفسیر کرتے ہیں، اور اس حیثیت سے حدیث میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے مفہوم پر قرآن مجید نے اجمالاً تفصیلاً دلالت نہ کی ہو، البتہ اس دلالت کے مختلف طریقے ہیں،

(۱) اس کا عام طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیردی کو واجب قرار

وہاں ہے، مثلاً

وَمَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ

جو کچھ پیغمبر کو دے اُسکو لے لیا اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہا۔

ما خفاكم عنده فانتصروا،

تیرے پروردگار کی قسم وہ اس وقت تک اپنا حق لانگے

وَلَا يَكْلَإِي مَنُونٌ حَتَّىٰ يَجَاهُوكَ فِيهَا

جب تک مجھ کو اس نزاع کے متعلق حکم نہ بنائیں، جہاں کے دربار

شجر بنیہم ثم لا یجدوا فی قسم

واقعہ ہونی پھر حکم بنانے کے بعد اپنے دلون میں تیرے فیصلہ

حرجا ما قضيت ويسلوا شيئا،

تے تنگی نہ پائیں اور اس کو پوری طور پر مان لیں،

قل ان كنتم تحبون الله فأتبعوني

کہہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تم سے

محببكم الله وليغفر لكم ذنوبكم والله

محبت کیلئے اور ہمارے لئے ہر شے بخشد اور اللہ بخشنے والا رحیم ہے کہ خدا اور رسول

غفورٌ رحيمٌ قل اطيعوا الله والرسول

کی اطاعت کرو، تو اگر وہ روگردانی کرے تو خدا کا فروغ

فان تولوا فان الله لا يحب الكافرين،

سے مجھے بہت نہیں رکھا،

(۲) اس کا دوسرا طریقہ علماء کے نزدیک عام طور پر مشہور ہے مثلاً قرآن مجید کے جو احکام

نفسِ عمل کی کیفیات اُن کے اسباب ان کے شروط اور اُن کے موانع و لواحق وغیرہ کے لحاظ سے  
محل ہیں اور احادیث میں اُن کی جو توضیح کی گئی ہے وہ اسی طریقہ میں داخل ہے مثلاً احادیث  
میں نماز اور زکوٰۃ کی تشریح قرآن مجید ہی کی توضیح ہے

(۳) اس حالت کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ اُن چیزوں میں جو دو کھلی ہوئی چیزوں کے  
درمیان واقع ہیں اجتہاد فرماتے ہیں یا اور چیزیں جو اصول و فروع کے درمیان داخل ہیں اُن میں  
قیاس کرتے ہیں مثلاً

۱۔ خدا نے پاکیزہ چیزوں کو حلال کر دیا اور ناپاک چیزیں حرام کر دیں لیکن ان دونوں کھلی  
ہوئی چیزوں کے درمیان چند مشتبہ چیزیں ہیں اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد اُن کی توضیح  
کر دی اور ہر درندہ جانور اور بچہ دار چڑیا کو حرام قرار دیا اور بالوگہ صون کے گوشت کی ممانعت  
فرمادی جس کے معنی یہ ہیں کہ اُن کو آپ نے ناپاک چیزوں میں شامل کر دیا

۲۔ خدا نے پینے کی غیر منشی چیزوں کو حلال کیا اور منشی چیزوں کو حرام قرار دیا ان دونوں  
اصول کے درمیان وہ چیزیں ہیں جو حقیقہ منشی نہیں ہیں لیکن منشی ہو سکتی ہیں مثلاً دبا، مزفت اور  
نقیر کی بنید یہ مختلف برتنوں کے نام ہیں جن میں کھجور وغیرہ کو بھگو کر ایک قسم کی سرور انگیز مشروب بناتے  
تھے جن کو بنید کہتے تھے، کو منشی چیزوں میں داخل کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی ممانعت فرمادی  
تاکہ مشروب نوشی کا ذریعہ مسدود ہو جائے اس کے بعد آپ نے اس اصل کی طرف رجوع کیا کہ اصل  
اشیاء میں اباحت ہے جیسے پانی اور شہد اور فرمایا

لَکُنْتُ نَحْبِتُکُمْ عَنْ الْاَنْتِیَا ذَا نَعْبَدُ وَ اَیْنَ لَکُمْ کُفْرٌ بِکُمْ کُفْرٌ بِکُمْ کُفْرٌ بِکُمْ

اور ہر منشی چیز حرام ہے

وکل مسکر حرام

۳۔ خدا نے سدھارے ہوئے شکاری جانور کے اس شکار کو جو وہ ہمارے لیے کرے

مباح قرار دیا اور اس سے معلوم ہوا کہ بے سدھا ہٹے ہوئے جانور کا شکار حرام ہے کیونکہ وہ صرف اپنے لیے شکار کرتا ہے، اب ان دونوں اصول کے درمیان وہ شکاری جانور ہے جو سدھا رہا ہوا ہے مگر اس نے اپنے شکار کو کھا لیا ہے کیونکہ سدھا کا اقتضا تو یہ ہے کہ اس نے اپنے آقا کے لیے شکار کیا ہے، اور اُس کے کھا لینے کا اقتضا یہ ہے کہ اُس نے اپنے لیے شکار کیا ہے، اس لحاظ سے ان دونوں اصول میں تعارض واقع ہوا تو حدیث میں اس کی توضیح کر دی گئی چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ سدھا رہا ہوا جانور خود شکار کو کھا لے تو تم اس کو نہ کھاؤ کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ اس نے اپنے لیے شکار کیا،

۴۔ جو لوگ احرام حج یا زعمین اُن کو عموماً شکار کرنے کی ممانعت کی گئی اور جو لوگ اس حالت میں قصد شکار کریں اُن پر کفارہ مقرر کیا گیا، اسی طرح جو لوگ احرام نہ باندھیں اُن کے لیے عموماً شکار مباح کیا گیا، اب صرف یہ مسئلہ محل بحث رہ گیا کہ اگر محرم غلطی سے کسی جانور کو مار ڈالے تو اس کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ حدیث میں دو جملے کے متعلق قصد و خطا دونوں کو برابر کر دیا گیا،

اس کی اور بھی بکثرت مثالیں ہیں جو عنقریب تمہارے سامنے آئیں گی، قیاس کی صورت یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایسے متعدد اصول ہیں جن سے اشارہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو چیزیں کے مثل ہو اس کا حکم بھی وہی ہے جو ان اصول کا ہے اور اس کے اطلاق سے جو بات سمجھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض مقیدات بھی کے مثل ہیں اس قرآن مجید حدیث کی توضیح پر اعتماد کر کے صرف اُس اصل پر اکتفا کرتا ہے اور اس کی فروعات کو چھوڑ دیتا ہے، یہ مقیس علیہ (یعنی اصل) اگرچہ خاص ہے،



لیکن معنی کے لحاظ سے وہ عام ہے، ایسی حالت میں اگر ہم کو قرآن مجید میں کوئی اصل ملے اور حدیث میں بھی کوئی ایسا حکم وارد ہو جو اسی کے ہم معنی ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ قرآن مجید میں بھی یہی معنی مراد ہیں اب ہم اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیاس کہیں یا حتیٰ سمجھیں لیکن یہ صورت ہمارے خیال میں مقیس اور مقیس علیہ کے قائم مقام ہے اور اس کی تسبیح مثالیں ہیں مثلاً،

(۱) خداوند تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا اور جاہلیت کے سود کا یہ طریقہ تھا کہ ایک قرض دوسرے قرض سے منسوخ ہو جاتا تھا اور قرض خواہ کہتا تھا کہ قرض ادا کرو یا سود دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سود کو حرام کیا اور فرمایا،  
وربما الجاہلیۃ موضوع اور جاہلیت کا سود مٹا دیا گیا،

چونکہ اس مانعت کی وجہ یہ تھی کہ اس طریقہ سے جو زائد رقم سود کی صورت میں لی جاتی تھی اس کا کوئی معاوضہ نہیں ادا کیا جاتا تھا اس لیے جن چیزوں میں اس

سہ اس مثال کی توضیح کیلئے یہ جان لینا چاہیے کہ جاہلیت میں سود کی دو قسمیں تھیں ربا ربا نسبیہ اور ربا الفضل پہلی قسم کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مال کو اس شرط پر دیتے تھے کہ ہر مہینے میں ایک معین رقم لیتے رہیں گے اور اصل مال باقی رہے گا، اس لیے جب مدت ختم ہو جاتی تھی تو دیون سے اصل مال کا تقاضا کرتے تھے اور اگر وہ اس کو ادا نہیں کر سکتا تھا تو سود کے ساتھ مدت واسے قرض میں اضافہ کر دیتے تھے اس لیے پہلا قرض سب اپنی مدت و سود کے منسوخ ہو جاتا تھا اور اب اصل رقم میں پہلے مہینے کا سود شامل ہو کر نیا قرض شروع ہو جاتا تھا، اور اس طرح سود کئی گنا زیادہ ہو جاتا تھا خدا نے اسی سود کو حرام قرار دیا،

یا ایھا الذین آمنوا لا تأکلوا الربا اضعافا مضاعفہ مسلمانو! سود کو دو گنا سہ گنا کر کے نہ کھاؤ،

اور اس زمانہ میں بھی سود و سود کا یہ طریقہ جاری ہے،

ربا الفضل (اور بیگانہ دوسرا نام ربا نقد بھی ہے) کا طریقہ یہ تھا کہ مثلاً ایک سیر گھیون کو دوسرے گھیون کے بدلے میں فروخت کرتے تھے قرآن مجید نے اس سے تعزیر نہیں کیا ہے بلکہ حدیث میں اس کی مانعت آئی ہے،

قسم کی بلا معاوضہ زیادتی پائی جاتی تھی حدیث نے ان کو بھی اس ممانعت میں شامل کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

الذہب بالذہب والفضة بالفضة  
والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر  
والملح بالملح مثلاً بمثل  
مسواۃ بسواۃ مید ابید  
فمن زاد اذاد فثدا ربی  
فماذا اختلف لہی  
الا صناف فلبیعوا کیف شئتم  
اذا کان مید ابید

سونا سونے کے بدلے میں چاندی چاندی کے بدلے میں  
گیہوں گیہوں کے بدلے میں جو جو کے بدلے میں کھجور کھجور کے  
بدلے میں نمک نمک کے بدلے میں سطح فروخت کیا جائے  
کہ دونوں باہم مثل ہوں! ہم برابر برابر ہوں ایک ایک  
سے لیا جائے اور دوسرے ہاتھ سے دیا جائے اب اگر  
ان چیزوں میں سے کسی نے بڑھایا یا کوئی شخص بڑھا  
تو اس نے سود دیا اور سود دیا لیکن اگر یہ قسم مختلف  
ہو جائیں مثلاً جو کے بدلے کھجور لی جائے تو جس طریقہ  
سے چاہو یعنی مع اصنافہ وغیرہ اضافہ، ہجو، بڑھیکہ ایک ہاتھ

سے لیا جائے اور دوسرے ہاتھ سے بڑھ جائے (یعنی ادھار نہ ہو)  
لیکن اگر ان مختلف الاجناس چیزوں کی خرید و فروخت بھی ادھار کی طور پر کی جائے  
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی سود کی قسم میں شمار کیا ہے کیونکہ ان دونوں عوضوں میں سے  
ایک عوض کو ادھار پر رکھنا زیادتی کا مقتضی ہے اس معنی (یعنی زیادتی بغیر عوض کے  
خلاف سے اسی میں وہ بیع سلف بھی داخل ہے جس سے اس قسم کا فائدہ حاصل کیا جائے  
کیونکہ دو مشابہہ اجناس کے فوائد چونکہ قریب قریب یکساں ہیں اس لیے ان دونوں کی  
سلف بیع سلف یا بیع سلم کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کو غلہ بیگی بطور قیمت کے اس شرط پر دیا جائے کہ اتنی مدت میں سیکے  
بدلے میں اس کو اسی کے مثل فلاں غلہ اس مقدار میں دینا پڑے گا،

بیع بھی اسی قسم کی ہے جیسے دو متحد الاجناس چیزوں کا تبادلہ اس لیے اگر اس میں نیلانی کی جائے تو وہ بلا معاوضہ قرار پائے گی، جسکی شریعت میں مانعت آئی ہو کیونکہ جو دو چیزیں ایک دوسرے کے معاوضہ میں دی جاتی ہیں ان میں کسی عوض کیلئے عادیہ مدت اس لیے مقرر کی جاتی ہے کہ قیمت میں اضافہ کیا جائے، کیونکہ ایک موجود چیز غیر موجود چیز کے مقابلہ میں صرف اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ قیمت میں موجودہ چیز سے بہتر ہے اور اسی کا نام زیادتی اور سود ہے، اب صرف یہ بحث ہے کہ سونے چاندی اور اسٹیک خوردنی کے علاوہ اور چیزوں میں اس قسم کی زیادتی کیوں جائز ہے؟ اگر اس کی وجہ واضح ہوتی تو جس طرح ادبیت سے مسائل اجتہاد یہ مجتہدین کی رائے پر چھوڑ دیے گئے ہیں اسی طرح یہ معاملہ بھی ان کی رائے پر چھوڑ دیا جاتا، لیکن چونکہ اس کی وجہ مجتہدین کو معلوم نہیں ہو سکتی تھی اس لیے حدیث نے اس کو بیان کر دیا،

(۲) خدا نے ایک ساتھ مان بیٹی اور دو بہنوں کے نکاح کو حرام کیا، اور ان کے

علاوہ جو عورتیں تھیں ان کے متعلق ارشاد ہوا،

وَأَحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ

اور ان کے علاوہ تھانے لیے اور عورتیں حلال ہیں

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت اور اس کی بھوپھی یا خالہ سے ایک ساتھ قیاساً نکاح کرنے کی مانعت فرمائی، کیونکہ جس وجہ سے مان بیٹی اور دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا ممنوع ہے وہ اس صورت میں بھی موجود ہے اس حدیث میں یہ ٹکڑا بھی مروی ہے،

فَإِنْكُمْ إِذَا فَعَلْتُمْ ذَلِكَ قَطَعْتُمْ أَرْحَامَكُمْ

اگر تم نے ایسا کیا تو قطع رحم کیا،

اس تفسیل و توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ حکم قیاسی ہے،

(۳) خدا نے جان کی دیت تو بیان کر دی لیکن اطراف (یعنی اعضاء، مثلاً

ہاتھ پاؤں وغیرہ کی دیت نہیں بیان فرمائی، لیکن چونکہ عقلاً اس قسم کا قیاس شکل ہی اس لیے حدیث نے وضاحت کے ساتھ اُن کی دیت کو بیان کر دیا گویا یہ وہ قیاس ہے جو نہایت مکمل ہے اور اس کی مثالیں بھی نہیں ملتی

(۴) اس کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ اُن متحدہ و مجتمعہ وجوہ پر نظر ڈالی جائے جو قرآن مجید کے متفرق دلائل کو ایک سررشتہ میں منتظم کر سکیں، کیونکہ اگرچہ قرآن مجید کے دلائل کے وجوہ مختلف ہوتے ہیں لیکن ان سب کو ایک وجہ حاشم ثل ہوتی ہے جو متفرق مصالح کے امرا یا استخوان سے مشابہت رکھتی ہے اس لیے حدیث اسی وجہ کے مطابق وارد ہوتی ہے اس لیے یقینی باطنی طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ وجہ عام اُن تمام وجوہ مختلفہ سے ماخوذ ہے، کیونکہ یہ دلیل سے صحیح طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ حدیث قرآن مجید کی توضیح کے لیے وارد ہوئی ہے

اس طریقہ سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث کو کس قسم کا تعلق ہے، صحابہ کرام رضول اللہ صلی علیہ وسلم سے مجتمعاً و متفرقاً دونوں طریقوں سے حدیث کی تعلیم حاصل کرتے تھے، مثلاً آپ سے بعض حدیثوں کو صحابہ کا ایک بہت بڑا گروہ اخذ کرتا تھا، چنانچہ اکثر علی حدیثین جن میں زکوة نماز اور حج کے احکام کی تشریح کی گئی ہو، اسی قسم کی ہیں لیکن بعض حدیثوں کو صرف دو ایک شخص اخذ کرتے تھے، اور چونکہ اُن میں اکثر لوگ ان پڑھ ہوتے تھے اس لیے اس کو لکھتے نہ تھے، بلکہ جو کچھ آپ سے سنتے تھے اس کو حفظ کر لیتے تھے، کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ کے اقوال کو قلباً نہ کر لیا کرتے تھے، امام احمد بن حنبل نے سند میں حضرت عبداللہ ابن عمر و بن العاص روایت کی ہے کہ میں جو کچھ رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے سنتا تھا اُس کو لکھ لیا کرتا تھا اور اُس سے میرا مقصد اس کا حفظ کرنا تھا، لیکن قریش نے

مجھ کو اس سے روکا اور کہا کہ تم جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہو اس کو لکھ لیا کرتے ہو حالانکہ آپ انسان ہیں اور غصہ اور رضامندی دونوں حالتوں میں گفتگو کرتے ہیں اب میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا، ”لکھو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہو مجھ سے حق کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا“

الغرض اس دور میں فقہ کا دار و مدار دو چیزوں پر تھا،  
 (۱) ایک قرآن مجید جسکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ فرمائی، اور لوگوں نے آپ سے سُن کر اُس کو یاد کیا اور اُس کو لکھا، اُس میں آیات احکام کی تعداد دو سو سے کچھ زیادہ نہیں جن میں اکثر تمھاری نگاہ سے گزرین گی،  
 (۲) قرآن مجید کی وہ توضیح جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی یہی توضیح حدیث کے نام سے مشہور ہے، جسکو صحابہ آپ سے بالمشافہ اخذ کرتے تھے اور اس دور میں قرآن مجید کی طرح اس کے لکھنے کا رواج عام نہیں ہوا تھا،

قرآن مجید کے تمام احکام کو ان احادیث کی توضیحات کے ساتھ جسکو جمہور اُمت نے متفقاً روایت کیا ہے اور جن پر ان کا عمل ہے، ہم عنقریب تفصیل بیان کریں گے، اس وقت صرف قرآن مجید کے بنیادی احکام کو بیان کرتے ہیں

## صلوٰۃ

یعنی

## نماز

یہ اسلامی لفظ نہیں ہے بلکہ اسلام سے پہلے عرب نے دعا اور استغفار کے معنی میں اس کا استعمال کیا ہے، چنانچہ عشتی کے اُن اشعار میں

وصحاب عطا فیهود تھیا      وابرزھا وعلیھا حنہ  
وقابلھا الريح فی دھنا      وصلی علی دھنا وادقسم

علیک مثل الذی صلیت فاعتمضی      نوما فان لجنب المرء مضطجعا

یہ لفظ اسی معنی بن استعمال کیا گیا ہے

اس لفظ کے اصل اشتقاق کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں

(۱) ایک تو یہ صلاۃ کے لفظ سے مشتق ہے جسکے معنی لزوم کے ہیں چنانچہ جب کوئی شخص کسی چیز کو لازم کر لیتا ہے تو کہا جاتا ہے صلی و صطلی ازہری نے اسی وجہ اشتقاق کو پسند کیا ہے کیونکہ صلاۃ خدا کی فرض کردہ چیز کا لزوم ہے اور صلوۃ وہ سب سے بڑا فرض ہے جسکے لزوم کا خدا نے حکم دیا ہے

(۲) دوسرے یہ کہ وہ صلو میں سے مشتق ہے اور صلو میں اُن دور گون کو کہتے ہیں جو اونٹنی وغیرہ کے دم کے جانب اور انسان کے دونوں رانوں کے پہلے جوڑے کے گرد ہوتی ہیں اس لیے گویا یہ دونوں رگین حقیقۃً دم کی ہڈی کے گرد ہوتی ہیں اشتقاق کی ایک تیسری وجہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ یہ لفظ صَلَوَات کا معرب ہے جسکے معنی عبرتی بن میں "نماز کی جگہ" کے ہیں اور قرآن مجید میں یہ لفظ اس معنی بن استعمال کیا گیا ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے

ولو لا دفع اللہ الناس بعضہم      اور اگر خدا باہم ایک کو دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ  
ببعض لحد مت صوامع و جمیع      کرتا تو ڈھا دیے جاتے درویشوں کے خلوت خانے عیسائیوں  
وصلوات و مساجد میذکر      اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسجدین جن میں

فیہا اسماء کثیرا

خدا کا نام بہت لیا جاتا ہے،

اس لحاظ سے اہل عرب نے اس لفظ کو لیکر دعا اور استغفار کے معنی میں اس حیثیت سے استعمال کیا ہے کہ انھوں نے محل کا اطلاق حال پر کر دیا ہے جو ان کے یہاں مجاز کا مشہور طریقہ ہے،

قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال اس کے عربی معنی میں کیا گیا ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلاٰتَكَ  
سُكُنَ كَوْفُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰی النَّبِیِّ  
یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوا تِلْکَ

عرب میں بجز اس کے کہ وہ احرام حج میں دعا کرتے تھے، نماز کا رواج نہ تھا،  
ان کی ایک اور نماز کا بھی قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے  
وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ  
الْاَمْکَاءِ وَتَضَدِیۡۃً  
اور تالیان بجانا،

اس آیت کی تفسیر کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ قریش برہنہ تن  
خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے، اور سیٹیان اور تالیان بجاتے تھے، بجاہ کا قول ہے کہ وہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف میں مزاحمت کرتے تھے، آپ کا مذاق اڑاتے تھے، سیٹیان  
بجاتے تھے، اور آپ کے طواف اور نماز میں گڑبڑ اڑاتے تھے، متاعل کا قول ہے کہ جب  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نماز پڑھتے تھے تو یہ لوگ آپ کے دائیں بائیں جانب کھڑے ہو کر

سیٹیان اور تالیان بجاتے تھے، تاکہ آپ کی نماز میں گڑبڑ ڈال دین اس بنا پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق سیٹیان اور تالیان بجانا قریش کی ایک قسم کی عبادت تھی اور مجاہد اور قتادہ کے قول کے موافق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کا ایک طریقہ تھا، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول صحت سے قریب تر ہے، کیونکہ خدا خود کہتا ہے کہ  
وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ الْأَمْكَاءِ ۝ اور نہیں ہے اُن کی نماز کعبہ کے پاس مگر سیٹیان اور

نقدیۃ (تفسیر کبیر رازی) تالیان بجانا،

مفسرین کی روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں

یَا بَنِي آدَمُ خُذُوا زِينَتَكُمْ اے بنی آدم اپنی زینت کو (یعنی لباس کو) پہنچو  
عند کل مسجد کے پاس بیلو،

سلمانوں کو مشرکین عرب کے طریقہ سے الگ دوسرا طریقہ سکھایا ہے، کیونکہ وہ لوگ چونکہ اُن کپڑوں کو پہن کر جن میں وہ مرکب گناہ ہوئے ہیں خداوند تعالیٰ سے مناجات نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لیے برہنہ تن ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے کی تائید ہوتی ہے،

ابتداء سے فرضیت نماز کے متعلق مفسرین کا بیان ہے کہ وہ صبح و شام کی دو رکعتوں تک محدود تھی،

و مسجد محمد ربك بالعشي والاکبار اور اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح شام و صبح پڑھو

اور عبادت شب صرف تلاوت قرآن کا جیسا کہ سورہ نزل کی ابتداء میں مذکور ہے، نام تھا، باقی پنجگانہ نماز تو ہجرت سے کچھ دنوں پہلے فرض کی گئی،

قرآن مہینے تمام احکام میں نماز سے زیادہ کسی حکم کو متم بالشان قرار نہیں دیا،



چنانچہ اس کی فرضیت کو مختلف طریقوں سے بیان کیا کبھی اس کا صریح حکم دیا، کبھی نماز پڑھنے والے کی مدح اور اس کے چھوڑنے والے کی ہجو کی، یہاں تک کہ ان تمام مواقع کے تتبع و استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز اسلام کا ستون ہے اور جس شخص نے اسکو چھوڑ دیا یا اس سے غفلت کی یا اس کو ربا پڑھا، اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔  
قرآن مجید نے نماز اور رکعات نماز کی تعداد صراحتہ بیان نہیں کی بلکہ صرف اجمالی طور پر اوقات نماز کا ذکر کر دیا،

|  |  |
|--|--|
| فصل من اللہ حین تمسون وحین<br>تصبحون وکہ الحمد فی السموات<br>والارض وعشیا وحین<br>تظہرون | پیش کی بیان اللہ کی جس وقت کہ تم شام کرتے ہو اور<br>جو وقت کہ تم صبح کرتے ہو اور اسی کے لیے ہے سب<br>تعریف آسمانوں میں اور زمین میں اور رات کے وقت<br>اور جب ظہر کرتے ہو تم، |
| اقم الصلوة لعلک التمس الے<br>عشق الدلیل وسترآن العجبران<br>قرآن العجبران مشہودا          | نماز قائم کرو وقت ڈھلنے سورج کے اندھیری رات<br>گئے تک اور قرآن پڑھ فجر کو، بیشک قرآن پڑھنا<br>فجر کا ہے حاضر کیا گیا،  |
| واقم الصلوة طری الخصار<br>زلما من اللیل  | اور قائم کرو نماز کو دونوں طرف دن کے اور چکر<br>ساعتین رات سے  |
| حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی<br>اور کیفیت نماز کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا،       | محافظت کرو تمام نمازوں کی اور بیچ والی نماز کی،  |

وقوموا للہ قانتین  
یا ایہا الذین آمنوا اذکعوا و اسجدوا  
اور خدا کے واسطے چپکے کھڑے ہو،  
مسلمانو! رکوع کرو اور سجدہ کرو،

لیکن حدیث نے اس کیفیت کو عملاً بیان کر دیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پنجگانہ کو مسلمانوں کے ساتھ باجماعت ادا فرماتے تھے اور آپ نے اُن سے قولاً بھی ارشاد فرما دیا تھا،

صلوا مکما را یتونی صلی

جس طرح تم لوگ مجھ کو نماز پڑھتے ہو اسی طرح پڑھو

اسی طرح نماز پڑھو

قرآن مجید نے نماز جمعہ کا ذکر خاص اہتمام کے ساتھ کیا ہے

یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلاة

مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کیلئے اذان دیا جائے

من ین یم الجمعة فاعسوا الی ذکر اللہ

تو خدا کے ذکر کی طرف دوڑو اور سوا کرنا

وذر البیع

چھوڑو

اور حدیث نے عملاً نماز جمعہ اور اُس کے خطبہ کی توضیح کر دی

جب مسلمانوں کو دشمن کا خوف ہو تو اس وقت اُن کو نماز کا جو طریقہ اختیار

کرنا چاہیے اس کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا،

واذا حضعتکم فی الارض من لیس

اور جب تم سفر کرو تو تم پر قصر نماز کرنے میں کوئی گناہ

علیکم جنما ان تقصروا من الصلوة

نہیں ہے اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ کفار تم کو فتنہ میں ڈالینگے

ان خفتکم الذین کفروا

بیشک کفار تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں اور جب ہو

ان الکافرین کا لو کہ عدو

تم اُن کے درمیان اور تم قائم کرو اُن کے لیے نماز تو

صیبا واذا کنت فیہم فاقیمت

چاہیے کہ کھڑی ہو ان میں سے ایک جماعت تھانہ

لہم الصلوة فلتقم طائفتہ فہم

ساتھ اور چاہیے کہ اُن میں سے ایک جماعت تھانہ

معک ولماخذوا اسلحتہم فاذا

جو وقت یہ لوگ سجدہ کریں تو چاہیے کہ ہو جائیں وہ

مسجد و افلیکروا من در انکم ولات  
طائفۃ اخری لم یصلوا فلیصلوا  
معک ولیاخذواخذ رھم واسلمتھم  
اس کے بعد فرمایا،

فاذا طأنتم فاقیموا الصلوة ان الصلوة  
کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً  
پرایک فرض موقت ہے

نماز پڑھنے کے لیے قرآن مجید نے طہارت کو واجب کیا ہے

یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوة  
فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق واسحوا  
برؤؤسکم وارجلکم الی الکعبین  
مسلمانو! جب تم نماز کا قصد کرو تو اپنے منہ کو اور اپنے  
ہاتھوں کو کنینوں تک دھوؤ، اور سر کا مسح کرو، اور اپنے  
پانوں کو ٹخنوں تک دھوؤ

وان کنتم جنباً فاطہروا  
اور اگر تم نجس ہو تو خوب پاک ہو جاؤ

وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء  
احد منکم من الفأطأ او لامستم النساء  
اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو، یا تم میں کوئی جائے ضرورت  
سے آئے، یا تم عورتوں سے صحبت کرو پھر تم پانی

فلم یجدوا ماءً فغیموا صعیداً طیباً  
نہ پاؤ تو قصد کرو پاک مٹی کا اور پونچھ لو اپنے منہ اور  
ہاتھوں کو،

فا مسحوا بوجوھکم وایدیکم  
وثنیاء بک فطہر

اور حدیث نے عملاً اور قولاً ان دونوں قسم کی طہارتوں کو بیان کر دیا ہے

اور قرآن مجید نے نماز کیلئے زینت (یعنی لباس) کو بھی واجب کیا ہے

یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد  
اے آدم کے لڑکوں! اپنی زینت کو لیں ہر مسجد کے پاس،

اور حدیث نے اُس زینت کی مقدار کو جو واجب تھی بیان کر دیا ہے  
قرآن مجید نے نماز کے وقت ہر شخص پر مسجد حرام کی طرف مُنہ کرنا واجب کیا ہے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا میں بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے تھے اُس کے بعد قرآن مجید  
نے مسجد حرام کی طرف مُنہ کرنے کا حکم دیا،

قول وجھاہ منظر المسجد الحرام      نووا پنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر دے اور تم لوگ

وحیثما کنتم فولوا وجوہکم      جہان کہیں بھی ہو اپنے ہرون کو اس طرف

پھیرو

منظرہ

حدیث نے عملاً اور چند نمازیں بتائی ہیں جن کو اُس نے واجب نہیں کیا ہے بلکہ  
نفل قرار دیا ہے ان میں بعض تو نماز مفروضہ سے پہلے یا اُن کے بعد پڑھی جاتی ہیں اور  
بعض اُن کے ساتھ نہیں پڑھی جاتیں عید اور بقر عید کی نماز بھی اسی دوسری قسم میں  
داخل ہے

صوم

یعنی

روزہ

عربی زبان میں صوم کے معنی کسی چیز سے رُک جانے اور اُس کو چھوڑ دینے کے  
ہیں اور صوم کے اصطلاحی معنی یعنی کھانے پینے اور جماع کرنے سے رُک جانا اسی سے  
ماخوذ ہیں

اسلام سے پہلے بھی عرب میں روزہ کا رواج تھا چنانچہ امام بخاریؒ نے حضرت  
عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں عاشورا کے دن

روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روزہ رمضان کی فرضیت کے زمانہ تک اُس دن کے روزوں کا حکم دیا، لیکن جب رمضان کے روزے فرض کیے گئے تو آپ نے فرمایا،

من شاء فليصمه ومن شاع  
جو شخص چاہے اس دن کا روزہ رکھے اور جو شخص  
افطر چاہے نہ رکھے

ابن اسحاق نے حدیث ”بد الوحی“ میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک مہینہ تک غارِ حرا میں اعتکاف کرتے تھے اور زمانہ جاہلیت میں قریش کی عبادت گزاری کا یہ طریقہ تھا، اس لیے آپ ہر سال اسی مہینے میں اعتکاف کرتے تھے، اور آپ کے پاس جو غریب لوگ آتے تھے اُن کو کھانا کھلاتے تھے، ”ایضاً یہ مہینہ رمضان کا مہینہ تھا، جس میں آپ پر قرآن مجید نازل کیا گیا، اس لیے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں روزہ رکھتے تھے،

خداوند تعالیٰ نے روزوں کے لیے وہی مہینہ انتخاب کیا جس میں آپ ہر سال اعتکاف کرتے تھے، اور اسی میں آپ کو رسالت سے بھی مشرف کیا، چنانچہ سورۃ البقرہ میں فرمایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ  
الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ  
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ أَيُّهَا مَا مَعْدُودَاتِ  
مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مِنْ يَوْمٍ أَوْ عَلَى سَفَرٍ  
فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرٍ  
مسلمانو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ ان لوگوں پر  
فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے، شاید کہ تم پر بیزاری  
کرو، یہ روزے چند گنتی کے دن کے ہیں پس تم میں جو  
بیمار ہو، یا سفر میں ہو تو اس کی گنتی دوسرے دنوں  
سے پاتا اور جو لوگ کہ اس کی طاقت نہیں رکھتے اُن کے

وعلی الذین یطیقون صدیۃ  
طعام مسکین من تطوع خیراً  
فہو خیر لہ وان تصوموا  
خیر لکم ان کتم لعلہون شہد  
رمضان الذی انزل فیہ القرآن  
ہدی للناس وبینات  
من الہدی والفرقان  
فمن شہد منکم الشہر فلیصمه من  
کان حر یضاً اور علی مسفوفہ  
من ایام احرم ید اللہ لیس  
ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ  
ولتکبروا اللہ علی ما عہدکم ولعلکم تشکرون

اور پر اس کے برے ایک فقیر کا کھانا فرض ہو پس  
جو کوئی شوق سے یہ کئی کرے تو وہ اس کے واسطے  
بہتر ہے اور یہ کہ روزے رکھو تم تو یہ تمہارے لیے بہتر  
ہے اگر تم جانتے ہو رمضان کا مہینہ وہ پہلے مہینہ  
قرآن لوگوں کی ہدایت کیلئے اتارا گیا اور ہدایت کی  
اور تیز کی گئی نشانیاں پس جو تم میں سے حاضر ہو اس  
مہینے میں تو چاہیے کہ وہ اس مہینے کا روزہ رکھے  
اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس کی گنتی دوسرے  
دنوں سے ہے خدا تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا  
ہے اور سختی کرنا نہیں چاہتا، اور تاکہ تم لوگ پورا کرو  
گنتی کو اور تاکہ ہر ای کر و اللہ کی اس چیز پر کہ ہدایت کی  
تمہاری اور شاید تم شکر کرو

ہمارا خیال ہے کہ حدیث نے مسلمانوں کو رمضان کی راتوں میں عورتوں کی مباشرت  
سے روک دیا تھا، لیکن قرآن مجید نے اس سختی کو کم کر دیا،

احصل لکم امیۃ الصیام الوقت  
الی نہاء کم ہن لکما منکم  
وانتم لباس من لہن عمامہ اللہ انکم  
کنتم یخفون انفسکم فتاب علیکم  
وعفا عنکم فاکون با مشروہن

تمہارے لیے روزوں کی رات میں اپنی بی بیوں  
کی طرف رغبت کرنا حلال کیا گیا وہ لباس ہیں  
تمہارے لیے اور تم لباس ہو ان کے لیے خدا نے  
جان لیا کہ تم خیانت کرتے تھے پس خدا نے تہر  
رحم کیا اور تم سے درگزر کیا پس اب ملا کرو ان سے اور

وابتغوا مما كتب الله لكم وكلوا واشربوا  
 حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط  
 الاسود من الفجر ثم اتوا الصياح  
 الى الليل ولا تبأ شروهن وانتم  
 عاكفون في المساجد  
 جو کچھ خدا نے تمہارے لیے لکھا ہے اس کو ڈھونڈو  
 اور کھاؤ پیو، یہاں تک کہ جدا نظر آئے تمہارے لیے سفید  
 دھاری سیاہ دھاری سے فجر کی پھر لو اگر درخشے  
 کورائ تک اور نہ ملوان سے اس حالت میں کہ  
 تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے والے ہو

رمضان کے علاوہ سال میں اور جو روزے رکھے جاتے ہیں ان کو رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون قرار دیا،  
 روزہ سترہ مہینہ فرض کیا گیا،

حج

اور

عمرہ

تمام مذہبی قوموں کے لیے خاص خاص مقامات ہیں جہاں وہ خدا کی عبادت  
 اور تقرب کے لیے جمع ہوتی ہیں خدا خود کہتا ہے

ولكل امة جعلنا منسكا ليدكروا  
 اسم الله غلے ما رزقهم من  
 نعمته الانعام،  
 اور ہر قوم کے لیے ہم نے عبادت کی طرح مقرر کی  
 تاکہ وہ خدا کا نام اُس چیز پر یاد کریں جو ہم نے اُنکو  
 پائے ہوئے چار پاؤں سے دی

ولكل امة جعلنا منسكا لهم  
 شاکوہ،  
 اور ہم نے ہر قوم کیلئے عبادت کی طرح مقرر کی کہ وہ عبادت  
 کرتے ہیں اُس کی،

اسی طرح بیت الحرام اہل عرب کی خاص عبادت گاہ تھا جسکو اُن کے باپ اسماعیلؑ نے

اپنے باپ ابراہیم کے ساتھ تعمیر کیا تھا، چنانچہ خدا خود کہتا ہے:

واذیرضراہیم القواعد  
من البیت واسمعیل زینا تقبل مننا  
انک انت السميع العليم ربنا واجعلنا  
مسلمین لك ومن ذریتنا امة  
مسلمة لك وارنا منا سلنا وحب  
علینا انک انت القواب الرحیم  
ان اول بیت وضع للناس للذي  
بکة مبارک وهدى للعالمین فیہ آیت  
بینت معام ابراہیم ومن جملة  
کان آمنة  
واذ یواثنا لبراہیم مکان البیت  
ان لا تشرک بی شیئا وطهر بیتی  
للطائفین والقاتلین والراکع السجود  
واذن فی الناس بالجمیع توک  
رحمہ لا وعلی کل ضامر  
یاستین من کل فج عمیق  
لیشهدوا منہ فخر لہم ویدلکروا  
اسم اللہ فی ایکم معلومت علی

اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم بنیاد کعبہ کی اور اسمعیل  
اسے ہمارے پروردگار قبول کرے تو ہے  
سننے والا جاننے والا اسے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار  
اور ہماری اولاد دین سے ایک جماعت کو اپنی فرمانبردار  
بنا اور دکھا ہم کو ہماری عبادت کی طرح اور ہم پر  
رحم کر بیشک تو ہے رحم کرنے والا مہربان  
بیشک پہلا گھر جو لوگوں کیلئے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے  
برکت والا اور دنیا کی ہدایت کے واسطے اس میں  
کھلی ہوئی نشانیاں ہیں مقام ابراہیم کا اور جو کوئی  
داخل ہوا اس میں وہ ہوتا ہے امن میں  
اور جو وقت جگہ مقرر کر دی ہم نے ابراہیم کے لئے کعبہ  
کو اس شرط پر کہ نہ شریک کر میرے ساتھ کسی چیز کو اور  
پاک رکھ میرے گھر کو گرد پھرنے والوں اور کھڑے  
رہنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے  
اور اعلان کرے لوگوں میں حج کا کہ آئیں تیرے  
پاس پیادے اور ہر لاغر اونٹ پر جو آئیں گے ہر دوسرے  
تاکہ حاضر ہوں اپنے خوار کے لیے اور معلوم دونوں میں  
خدا کا نام یاد کریں اس چیز پر کہ دیا ہے ان کو بالو



رزقهم من ہیمة الانعام فکوا منها  
واطعموا الیاس الفقیرو، ثم لیقضوا  
تفثهم ویوفوا منذورهم ویطوفوا  
بالبیت العتیق،  
قدیم کے

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے زمانہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے تک اہل عرب اسی طریقہ پر قائم رہے البتہ انھوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی روش میں بہت کچھ تغیرات کر دیے تھے مثلاً انھوں نے بتوں کو خدا کا شریک بنادیا تھا، اور ان کو خانہ کعبہ کی پشت خانہ کعبہ کے متصل اور صفا و مروہ میں نصب کر دیا تھا، اور ان کو تقرب الہی کا ذریعہ قرار دیا تھا، اور مشاعر ابراہیم کو بدل دیا تھا اور پالو جانوروں پر غیر خدا کا نام لیتے تھے لیکن چونکہ بعثت محمدیہ شریعت ابراہیمی کی مجدد تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف مسلم تھے، مشرک نہ تھے اس لیے خدا نے بیت الحرام کو اس امت کی عبادت گاہ قرار دیا، اور اس کے حج و عمرہ کا حکم دیا،

واللہ علی الناس حج البیت من استطاع  
الیہ سبیلاً ومن کفر  
خان الذہنی عن العالمین  
واقموا الحج والعمرة للہ  
خدا کیلئے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہو یعنی ان پر  
جو لوگ وہاں تک جانے کی قدرت رکھیں اور جو  
شخص انکار کرے تو خداوندیادالوں سے بے نیاز ہے  
اور خدا کیلئے حج اور عمرہ کو پورا کرو،

اور توحید کو بتوں کی آمیزش سے پاک کرنے اور اہل جاہلیت کی روش کے  
چھوڑنے کا حکم دیا،

فاجتنبوا الرحمن من الاموات  
واجتنبوا قول الزور وخفاء للهِ  
غير مشركين به ومن يشرك  
بِالله فكنا نحن من السماء  
فحفظناه الطيرا و قهوى به الذبح  
فی مکان محقق۔

ہیں بچتے رہو بتوں کی ناپاکی سے اور بچتے رہو جھوٹ  
بولے سے توحید کرنے والے اللہ کی نہ شریک کرینا  
ساتھ اس کے، اور جو کوئی شریک کرے ساتھ اللہ کے  
ہیں وہ گویا گر پڑا آسمان سے ہیں اور چکب لچاتی  
ہیں اس کو چڑیا یا یا پھینک دیتی ہے اُس کو  
ہوا دور کے مکان میں

اور وقت حج اور آداب حج کو اس آیت میں بیان فرمایا،  
الحج اشھر معلومات فمن فوض  
فیھن الحج فلا رقت ولا فسوق  
ولا جدال فی الحج

حج کے مہینے معلوم ہیں جو جس شخص نے ان مہینوں  
میں حج کی ٹھانی لی تو نہ شہوت ہے نہ بربکاری  
ہے نہ جھگڑا ہے حج میں

اور حج کے مناسک اور مشاعر کو ان آیتوں میں بیان کیا:

ان الصفا والمروة من شعائر الله  
فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح  
علیہ ان یطوف بھما ومن تطوع  
حجیرا فان الله شاکر  
علیم

بیشک صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں تو  
جو کوئی حج کرے طائفہ کا یا عمرہ کرے پس نہیں ہر  
اس پر گناہ کہ طواف کرے ان دونوں کے درمیان اور  
جو کوئی خوشی سے بھلائی کرے تو خدا قدر دان ہے  
جانتے والا

فاذا اقمتم من عرفات فاذکروا لله  
عند المشعر الحرام واذکروہ  
کما ہدکم وان کنتم من قبلہ

پس جب تم واپس آؤ عرفات سے تو یاد کرو خدا کو خجد  
حرام کے پاس اور یاد کرو اس کو جیسا کہ ہدایت کی ٹکڑی  
اور یہ کہ تم تھے اُس پہلے گراہوں میں سے ابھر رہو

مِنَ الصَّالِحِينَ ثُمَّ افِيضُوا مِنْ حَيْثُ  
 اخْتَارْتُمُوهُ وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّذِينَ  
 انْتَقَبْتُمُوهُ فَاقْضِيهِمْ مِنْكُمْ  
 فَاذْكُرُوا لِلّٰهِ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ  
 وَادَّكُرُوا لِلّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ  
 فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ  
 وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ  
 مِنَ التَّقْوَى  
 ذٰلِكَ وَمَنْ يُعْظَمْ شَعْرًا لِلّٰهِ فَاَخْطَا  
 مِنْ تَقْوَى الْمَطْلُوبِ كَمْ فِيْهَا  
 مِنْ فَعَالِيْ اَجَلٍ مَّسِيٍّ ثُمَّ هَجَلْهَا اِلَى  
 الْبَيْتِ الْعَتِيقِ  
 وَالْبَدَنَ جَعَلْنَا هَا لَكُمْ  
 مِنْ شَعْرًا لِلّٰهِ كَمْ فِيْهَا حَبِيرٌ  
 فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِمَا  
 صَوَابًا فَاِذَا وَجِبَتْ جَنُوبُهُمَا  
 فَطَهَّرَا مِنْهَا وَاطْعَمُوا الْفَقِيْرَ  
 وَالْمُعْتَرَّ  
 يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّخَذُوا

جہان سے پھرتے ہیں لوگ اور طلبِ مغفرت کرو خدا  
 سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اس جب تم  
 اپنی عبادت میں کر چکے ہو یاد کرو خدا کو اپنے باپوں کے  
 یاد کرنے کی طرح، یا اس سے زیادہ یاد کرنا،  
 اور یاد کرو اللہ کو گئے ہوئے دنوں میں پس جو کوئی  
 جلدی کرے دو دنوں میں تو نہیں ہے گناہ اس پر  
 اور جو کوئی دیر کرے تو نہیں ہے گناہ اس پر یہ واسطے  
 اُس شخص کے ہے جو پرہیزگاری کرے  
 یہ ہے اور جو کوئی تعظیم کرے خدا کی نشانیوں کی تودہ  
 بیشک دونوں کی پرہیزگاری ہے، تمہارے لیے سین  
 فوائد ہیں ایک مقررہ مدت تک پھر ان کے حلال ہونے  
 کی جگہ خانہ کعبہ کی طرف ہے  
 اور قربانی کے ادب کو بنایا ہم نے تمہارے لیے خدا  
 کی نشانیاں تمہارے لیے اس میں نیکی ہو پس یاد کرو  
 خدا کا نام ان کے اوپر اس حال میں کہ وہ بانوں باندھے  
 ہوئے ہوں پس جو وقت گزرے پہلوان کے تو کھلاؤ  
 اس میں سے اور کھلاؤ بے سوال فقیر اور سوال کرنے  
 والوں کو  
 مسلمانو! بے حرمت کرو خدا کی نشانیاں کو اور نہ

شعائر اللہ ولا الشہر الحرام  
ولا الہدی ولا الفلاد ولا  
آمین البیت الحرام میتغون  
فضلا من ربهم ورضوانا  
حرام ہینے کو اور نہ اس جانور کو جو نیاز کعبہ کی ہو  
اور نہ گلے میں پٹہ ڈال کر بجا میں اور نہ حرمت والے  
گھر کے قصد کرنے والوں کو کہ چاہتے ہیں اپنے پروردگار  
کے فضل اور رضامندی کو

اور نظام احصار و تمتع کے متعلق فرمایا،  
فان احصرتم فما استیس من الہدی  
ولا تحلقوا رؤسکم حتی یمیل الہدی  
یحدہ فن کان منکم مریضا اوبہ  
اذی من راسہ ففداۃ من صیاہ  
او صدقۃ او نسک فاذا امتتم  
فن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیس  
من الہدی فن لم یجد فضاہ  
ثلاثۃ ایام فی الحج وسبعۃ اذا  
رجعتم تلک عشرۃ کاملۃ ذلک لمن لم  
لیکن اہلہ ما ضی المسجد الحرام  
یام تم روک دینے جاؤ تو جو کچھ سر ہو قربانی سے اور نہ  
منڈاؤ اپنے سر دن کو یہاں تک کہ پہنچے قربانی حد تک  
ہونے کی جگہ پس تم میں جو بیمار ہو یا اس کے  
سر میں تکلیف ہو تو بدلا ہے روزوں سے یا خیر اس سے  
یا فح سے پس جب تم اس میں ہو تو جو کوئی فائدہ  
اٹھائے عمرہ سے ساتھ حج کے تو جو کچھ سر ہو قربانی  
سے تو جو کوئی نہ پائے تو تین دن کا روزہ حج میں  
اور سات روزے اس وقت جب پھر وہ تم میں داخل  
پورے ہوئے یہ واسطے اس شخص کے ہے کہ نہ نوں  
اس کے اہل رہنے والے سجد حرام کے

خداوند تعالیٰ نے کہ کو حرم اور بجائے اس بنایا،

اولم یروا انما جعلنا حرما  
آسنا ویتخلف الناس من  
حولہم  
کیا کفار کہنے والے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے  
حرم دکھاکو اس کی جگہ بنا رکھا ہے اور لوگ دین کے  
اُن کے آس پاس سے پکڑے پکڑے جا رہے ہیں

اولم یمنکن لکم حرمًا آمنًا  
یحبی الیہ من اکل شعی رزقًا  
من لدنا،  
کیا ہم نے اُن کو حرم رکھ دیا، میں جان دہر طح کا، اُن  
(دو اطمینان) ہوا، جو کہ نہیں دی کہ ہر قسم کے کھل جان  
کچھ چلے آتے ہیں رزق (اُن کو) ہمارے بیان سے  
(پہنچتا ہے)

اور احرام باندھنے والے پر شکار کو حرام کیا اور اُس پر کفارہ مقرر فرمایا،

یا ایہا الذین آمنوا لا تقتلوا  
الصید وامنتم حرم ومن قتله  
منکم متعد الجزاء مثل ما  
قتل من النعم بحکمہ ذوا عدل  
منکم ھدیا ببلغ الکعبۃ  
او کفارة طعمام مسکین او  
عدل ذلک صیامًا  
مسلمانو! واجب تم حرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ کرو  
اور جو کوئی تم میں سے جان بوجھ کر شکار کرے گا، تو جسے  
جائز کو مارا ہے اس کے بے چارے پاؤں میں سے  
اسی سے ملتا ہوا (جائز) جو تم میں سے دو نصف  
ٹھہرا دیں (اس کو) دینا پڑے گا، اور یہ (نیاز کے  
پہنچائی جائے، یا کفارہ یعنی ان کی قیمت میں سے)  
محتاجوں (کی گنجائش ہو ان) کا کھانا یا سکینوں کے

گنتے کے برابر روزے

حج سنیہ میں فرض ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکی سال عمرہ کے لیے روانہ ہوئے  
لیکن آپ کو خانہ کعبہ تک جانے سے روک دیا گیا اس لیے آپ نے اسی عمرہ کو سنیہ  
میں ادا فرمایا، اس کے بعد سنیہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ حج  
کیا اور سنیہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کے ساتھ حجۃ الوداع ادا فرمایا اور  
اسی میں لوگوں کیلئے حج کی کیفیت بیان فرمائی اور ان سے کہا،  
خذوا عنی مناسککم  
مجھ سے اپنے ارکان سیکھو،

اور نظام حج میں مسلمانوں کیلئے متعدد فوائد ہیں

(۱) مکہ چونکہ ایک غیر ضروری سرزمین ہے اس لیے حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے ذریعہ سے حج کا پہلا فائدہ تو خاص اہل مکہ کو پہنچتا ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اُس عمارت کی بقولیت کا اثر ہے

رب انی اسكنت من ذریعتی بواد  
عزیز ذی ذرع عند بیتک المحرم  
ربنا لیقہموا الصلوٰۃ فاجعل لی افئدة  
من الناس یتھوی الیہم وارزقہم  
من الثمرات لعلہم یشکرون  
اے میرے پروردگار میں نے آباد کیا اپنی بعض آبادیوں کو بن لکھیتی والے میدان میں تیرے باخترست مگر مکہ نزدیک اے میرے پروردگار تاکہ قائم کریں وہ نماز کا پس لوگوں کے دلوں کو مائل کر ان کی طرف اور ان کو پیووں سے رزق دے تاکہ وہ شکر کریں

(۲) چونکہ بہت سے حاجی زمانہ حج میں اپنے تجارتی سامان لاتے ہیں جبکہ اہل ضرورت خریدتے ہیں اور چونکہ ان میں ہر شخص شہر حرام اور بلد حرام میں ہوتا ہے اس لیے اُس کی جان و مال بالکل محفوظ ہوتی ہے اس بنا پر تجارتی گرم بازاری اور ضروریات زندگی کی خرید و فروخت کے ذریعہ سے حج کا دوسرا فائدہ تمام عرب کو پہنچتا ہے خدا نے اس آیت میں اسی طرف اشارہ کیا ہے

لیشهدوا منہما فہم لہم تاکہ وہ لوگ اپنے فائدہ کو حاصل کریں

(۳) مسلمانوں کے عام اجتماع، باہمی تعارف، اتحاد و طریقہ عبادت اور اتحاد و قبلہ کے ذریعہ سے حج کا تیسرا فائدہ تمام مسلمانوں کو پہنچتا ہے یہی وجہ ہے کہ مکہ اہل مشرق اور اہل مغرب دونوں کا عام اجتماع گاہ تھا، دور دراز رستوں سے لوگ وہاں آتے تھے اور ہر انسان اپنی علمی، دینی اور دنیوی ضرورت کو پورا کر لیتا تھا چونکہ حج اکبر کا دن اس عام اتحاد

کی ایک یادگار ہے، اس لیے اگر وہ تمام مسلمانوں کی عید کا عام دن قرار پائے تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں جس طرح عید الفطر نزول قرآن کی یادگار ہے، اس طرح حج اکبر کا دن ختم نزول قرآن کی یادگار ہے، کیونکہ رمضان میں نزول قرآن کی ابتدا ہوئی، اور حج اکبر کے دن اس کا خاتمہ ہوا،

## زکوٰۃ

نعت میں زکوٰۃ کے اصلی معنی طہارت، نشوونما، برکت اور مدح کے ہیں اور قرآن و حدیث میں یہ تمام معنی شتمل ہیں، مال کی اس مقدار میں جس کو ایک دولت مند شخص صدقہ دیتا ہو، اس لفظ کا استعمال اس بنا پر کیا گیا ہے کہ یہ اُس کے مال کا تزکیہ کرتا ہے، یعنی اس کو پاک کرتا ہے اور اس کو بڑھاتا ہے، قرآن مجید نے اس لفظ کی طرح اسی معنی میں صدقہ کا استعمال بھی کیا ہے

ناز کی طرح قرآن مجید نے زکوٰۃ کا ذکر بھی نہایت اہتمام کے ساتھ کیا ہے، چنانچہ بسا اوقات ان دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ کیا جاتا ہے، اور بعض اوقات تنہا اس کا ذکر بھی لفظ زکوٰۃ کبھی لفظ صدقہ کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے

|                                    |  |
|------------------------------------|--|
| وویل للمتکین الذین لا یؤتوا الزکاة | اور افسوس ہے ان متکبرین پر جو زکوٰۃ نہیں دیتے،   |
| حنن من اموالهم صدقة                | ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے کہ تو ان کو اس کے ذریعہ  |
| تطہسہم وتزکیہم بها                 | سے پاک کرے اور ان کا تزکیہ کرے                   |
| اکلوا من ثمره اذا اثمر واثقوا حقه  | اس کے پھل کو کھاؤ جب وہ پھل لائے اور اس کے       |
| یؤم حصاده                          | کاٹنے کے وقت اس کا حق دو                         |
| وما آتیتم من ربا لیربوا فی         | اور جو کچھ دیتے ہو تم سود کو کہ وہ بڑھے لوگوں کے |

اموال الناس فلا يربوا عند الله وما  
اكتبتكم من زكوة ترميدون وجهه الله  
فالذالك هم المضعفون  
اولون میں تو نہیں بڑھتا وہ خدا کے نزدیک اور جو  
کچھ دیتے ہو تم زکوٰۃ سے کہ چاہتے ہو تم رضا مندی  
اللہ کی تو یہ لوگ ہیں دوگنا کرنے والے

قرآن مجید نے اس مال کی تفصیل نہیں کی جس میں زکوٰۃ واجب ہے اور زکوٰۃ  
کی مفروضہ تعداد بھی نہیں بتائی، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالمین صدقہ کے نام جو خط لکھا  
ہے اس میں اس کی توضیح فرمادی ہے  
صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن مجید نے مستحقین زکوٰۃ کی تعیین کر دی ہے  
انما الصدقات للفقراء والمساكين  
والعالمین علیہا والمؤلفۃ تلو بحیر  
وفی السرقاب والغارمین وفی  
سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ  
واللہ علیم حکیم  
صدقہ صرف فقیروں، محتاجوں، مصلحین زکوٰۃ اور  
مؤلفۃ القلوب لوگوں کے لیے ہے،  
اور گردنوں کے آزاد کرنے میں اور قرضداروں میں  
اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کو یہ فرض ہے اللہ  
کی طرف سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

نظام زکوٰۃ ایک عظیم الشان نظام ہے جو  
(۱) دولت مند لوگوں کو محتاجوں کے بغض و عداوت سے محفوظ رکھتا ہے  
(۲) جو لوگ اپنی قوت سے اپنی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے، ان کی کفالت کے  
ذریعہ سے متعدد مصائب کو دور کرتا ہے

(۳) تمام قوم کے مجموعی مصالح بالخصوص اس مصلحت کے متعلق جسکو خدا نے لفظ  
"سبیل اللہ" سے بیان فرمایا ہے متعدد نیکیوں کے کرنے میں معین ہوتا ہے بشرطیکہ قوم میں  
ان مصالح کے انجام دینے والے موجود ہوں



زراعت اور مویشیوں کے ذریعہ سے جو پیداوار ہوتی تھی اہل عرب نے اس کے  
 متعلق ایک نظام قائم کر لیا تھا، اور انھوں نے اس کا ایک حصہ خدا کے لیے اور  
 ایک حصہ بتوں کے لیے مقرر کر دیا تھا، چنانچہ جہاں ان چیزوں کا بیان آئے گا، جبکہ  
 اہل عرب نے حلال یا حرام کر لیا تھا وہاں اس کی تفصیل آئے گی،  
 قرآن مجید نے بعض اور چیزوں کو بھی عبادت کے سلسلہ میں داخل کر لیا ہے  
 ۱۱۱ ایک تو نظام قسم جس کی نسبت خداوند تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمایا ہے

وَلَا تَحْلُوا لِلَّهِ عَرَضًا مِمَّا حَرَّمَ  
 ان تذبذبوا وقتلوا وقتلوا بین الناس  
 واللہ سمیعٌ علیمٌ لایؤخذکم اللہ  
 بالغفوی ایما نسکم وکن یؤخذکم  
 بما کسبت قلوبکم واللہ غفورٌ  
 رحیمٌ

اور نہ بناؤ خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ یہ کہ بھلائی کرو،  
 پر ہیزگاری کرو اور لوگوں کے درمیان صلح کرو اور  
 خدا سننے والا جاننے والا ہے تمہاری لائینی قوموں  
 پر خدا تم سے کچھ مواخذہ نہیں کرتا، لیکن ان قسموں  
 پر تم سے مواخذہ کریگا، جو تمہارے دلی ارادہ سے  
 ہوں اور خدا بخشنے والا بابرہ ہے

اور سورہ مائدہ میں فرمایا

لایؤخذکم اللہ بالغفوی ایما نسکم  
 فکفارة اطعم عشرة مسکین  
 من اوسط ما تطعمون اهلیکم و  
 کسوتکم و تحریر رقبة فمن لم  
 یجد فضیاً فمثلثة ایام ذلک کفارة

تمہاری قسموں میں جو لائینی ہیں ان پر خدا تم سے  
 مواخذہ نہیں کرتا، ہاں وہ کچھ قسموں پر تم سے  
 مواخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو وسط  
 درجے کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا کہ تم اپنے اہل و عیال  
 کو کھلایا کرتے ہو یا ان کو کپڑے پہنا دینا یا ایک غلام  
 آزاد کر دینا، تو جو شخص غلام نہ پائے تو تین دن کے

ایمانکم اذ احلفتم واحفظوا ایماکم  
 کہ اے حبیبین اللہ کہ آیتہ لعلکم  
 روزے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہو جب تم تم کھاؤ  
 اور اپنے قسموں کی اعتیاد رکھو اسی طرح خدا اپنی آیت  
 تم سے بیان کرتا ہو تاکہ تم انکی شکر گزاری کرو،

اور سورہ التحریم میں فرمایا،

فَمَنْ عَصَى اللَّهَ فَكَفَّ مَعْصِيَتَهُ  
 ایمانکم  
 فقہارے لیے خدا نے تمہاری قسموں کے توڑ دینے کا  
 طہرہ کر دیا ہے

اور حدیث نے یہ بیان کر دیا ہے کہ قسم صرف خدا کی کھائی جاسکتی ہے  
 (۲) دوسرے کھانے کی حلال و حرام چیزیں چنانچہ قرآن مجید نے ان کی پوری  
 تفصیل بیان کی ہے اور خداوند تعالیٰ نے سورہ اعراف میں رسول امیر صلعم کا یہ وصفت  
 بیان فرمایا ہے

وَحِيلَ لَكُمْ الطِّيبَاتِ وَحِجْرَمَ  
 علیہم الخبائث  
 وہ ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور  
 ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے

اور سورہ النحل میں فرمایا،

فَنَكَلُوا حِمْلًا رَزَقْتُمُوهُ حَلَالًا  
 طیباً واشتکروا نعمۃ اللہ  
 ان کنتم اہیاء تعبدون  
 انما حرم علیکم المیتۃ  
 والدم ولحم الخنزیر وما  
 اہل لیس اللہ بہ من اضطر  
 تو خدا نے تم کو حلال طیب روزی دی ہو اسکو کھاؤ  
 اور اگر تم صرف خدا ہی کو پوجتے ہو تو اس کی نعمت کا  
 شکر کرو اُس نے تو تم پر صرف مہار کو اور خون کو  
 اور سور کے گوشت کو اور اس جالور کو جو خدا کے سوا  
 اور کسی کے نام پر پہنچا گیا جائے حرام کیا ہے پھر جو  
 شخص نہ بچھو کہ اسے بے قرار ہوا اس حالت میں

عنیر باغ و لاعاد فان الله  
 عفورٌ رحیم  
 کہ نہ سزا بانی کرنے والا ہو (حکم خدا سے) اور نہ تجا وز  
 کرنے والا ہو (حد ضرورت سے) اور مجبور ہو کر کوئی حرام  
 چیز کھائے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اور سورہ انعام میں فرمایا،

فَتِلْكَ الْأَمْثَلُ فِيمَا أُوحِيَ  
 إِلَىٰ مُحَمَّدٍ عَلَىٰ طَاعَةِ  
 بَطِيمِهِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَلِيَّةً  
 أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ كَلِمَةً  
 نَحْزِيرِيَّةً فَهِيَ رَجَبٌ أَوْ فُسْقًا  
 أَهْلُ بَغْيٍ لَا يَكُونُ بَعْضُ مَنْ  
 اضْطُرَّ عَنْ بَغْيٍ وَلَا عَادَ  
 فَتَانَ رَبِّكَ عَفُورٌ رَحِيمٌ  
 اسے پیغمبر کہو کہ کوئی کھانے والا دان چیز دن میں سے  
 جب کو تم حرام کہتے ہو کچھ کھائے تو میری طرف جو جی  
 آئی ہو اس میں تو میں اس پر کوئی چیز حرام نہیں  
 پاتا، مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہو غن یا لٹکا گوشت  
 کہ یہ چیزیں بے شبہ ناپاک ہیں یا وہ جانور جو جب  
 نافرمانی ہو کہ خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح اور  
 ہامزہ کیا گیا ہو تو جو شخص بھوک سے بے قرار ہو، اس  
 حالت میں کہ خدا کی نافرمانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور نہ  
 حد ضرورت سے تجا ز کرنے والا ہو، تو تیرا پروردگار  
 بخشنے والا مہربان ہے

اور سورہ بقرہ میں فرمایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن  
 طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ  
 وَاشْكُرُوا لِلَّهِ أَنْتُمْ لَكُمْ  
 تَعْبُدُونَ إِنَّمَا حَرَّمَ  
 سَلَامًا نُوهِيًا هَاسَ رَزَقَ سَ كَهِادَا  
 خَدَايَ كِي عِبَادَتِ كَرْتَهُ هُوَ تَوَا سَ كَا شُكْرِيَه اَدَا  
 كَرُو تَمُّ بِرُ تَو خَدَا لَ صَرَفَ مَر دَا رَ كَوَا اَدِرْخُونِ كَوَا  
 اَدِرْ سَوَرَكِي كَو شَتِ كَوَا اَدِرْ سَ جَانُورِ كَو جَو خَدَا كِي

عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير  
وما اهل به لغير الله فمن  
اضطر عنيد بما يغ ولا عاد  
فلا اثم عليه ان الله  
غفور رحيم

اور سورہ مائدہ میں فرمایا،

حرمت عليكم الميتة والدم  
ولحم الخنزير وما اهل  
لغير الله به والمنخنقة  
والموقوذة والمتردية  
والنطيحة وما اكل السبع  
الا ما ذكيتم وما ذبح  
على النصب

اور نیز اسی سورہ میں فرمایا،

يسئلونك ماذا احل لهم  
قتل اهل لكم الطيبات  
وما علمتم من الجوارح مكلبين  
تسلمون مما علمكم الله فكلوا

علاوہ اور کسی کے نام پر ذبح اور نہ کھنچو کیا گیا ہو،  
حرام کیا ہی، تو جو شخص بھوک سے بیقرار ہو اور خدا کی  
نافرمانی کرنے والا اور حد ضرورت سے تجاوز کرنا والا  
نہ ہو تو ان چیزوں کے کھالینے میں بھی اُسپر کوئی گناہ  
نہیں ہے بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے

مرا ہوا (جانور) اور لہو اور سو رکاوٹ شیعہ اور وہ جانور  
جو غیر خدا کے نام پر یا نہ ہو کیا گیا ہو اور وہ جانور جو  
گلا گھوٹنے سے مر گیا ہو اور چوٹ سے مرا ہوا اور جو اوپر  
سے گر کر مرا ہوا اور جو کسی جانور کا سینک لگ کر مرا  
ہو، یہ سب چیزیں تم پر حرام کی گئیں اور نیز (دھبہ)  
جسکو درندوں نے پھاڑ کھایا ہو، اگر جسکے مرنے سے  
پہلے تم نے اس کو حلال کر دیا ہو اور نیز (دھ جانور) جو  
بتوں پر ذبح کیے گئے ہوں

اے پیغمبر لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی  
چیز ان کے لیے حلال کی گئی ہے تو ان سے  
کہہ دے کہ کھانے کی تمام پاک چیزیں تمھارے لیے  
حلال کی گئیں اور شکاری جانور جو تم نے شکار

مَا اسْكَنَ عَلَيْكُمْ وَادْكُرُوا  
 اِسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ  
 اِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ  
 اَلَيْسَ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ  
 وَطَعَامُ الذِّمَّةِ اَوْ قَالِ الْكُتَّابُ  
 حَلَالٌ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ  
 حَلَالٌ لَّهُمْ

سدا رہے ہوں اور شکار کا طریقہ ایسا کہ تم کو  
 خدا نے سکھا رکھا ہے ویسا ہی تم نے ان کو سکھا ڈا  
 ہو تو وہ شکاری جانور جو دشکار، تمہارے لیے  
 پکڑ رکھیں اُن کو کھاؤ، اور جس طرح ذبح کرتے  
 وقت خدا کا نام لیا کرتے ہو اسی طرح شکاری  
 جانور کے چھوڑنے وقت خدا کا نام لے لیا کرو، اور  
 خدا سے ڈرتے رہو، بیشک خدا جلد حساب لینے والا  
 ہے آج تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئیں  
 اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور  
 تمہارا کھانا اُن کے لیے حلال ہے

اور فرمایا،

اِحْلِلْ لَكُمْ صَيْدَ الْجَبْرِ وَطَعَامَهُ  
 مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلْغِيَارَةِ

دریا کی شکار اور کھانے کی دریا کی چیزیں تمہارے  
 لیے حلال کر دی گئیں تاکہ تم کو اور دوسرے مسافروں کو  
 فائدہ پہنچے،

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اَسْمَ اللّٰهِ  
 عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بَنِي اٰدَمَ  
 مُؤْمِنِينَ وَمَا لَكُمْ اَلَا تَاْكُلُوْا  
 هٰذَا ذُكِّرَ اَسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ  
 فَضَّلَ لَكُمْ مَحْرَمَ عَلَيْكُمْ لَا

پس اگر تم خدا کے احکام پر ایمان رکھتے ہو تو جس  
 (فیشے) پر اس کا نام لیا گیا ہو اسی میں سے کھاؤ اور  
 آخر جس (فیشے) پر خدا کا نام لیا گیا ہو اس میں سے  
 تم کیون نہیں کھاتے حالانکہ خدا نے جو چیزیں تم پر  
 حرام کی ہیں ان کی تفصیل کر دی ہے، بخیر اس چیز کے

ما اضطررتم اليه

جس کے کھانے پر تم مجبور ہو،

ولا تأكلوا مما يذكركم الله

اور جس (ذبیحہ) پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں

عليه وانته لفتق

نہ کھاؤ اور بیشک اس میں سے کھانا نافرمانی کی بات ہے

اور پیئنے کی چیزوں میں سے شراب کو حرام کیا،

اور شرکین نے کھانے کی جن چیزوں کو اپنے بتوں کے لیے مخصوص کر کے حرام کر لیا

تھا اُس پر اعتراض کیا،

وجعلوا لله مما ذرأ من الحرث

اور کافروں نے خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور خدا کے

والانفا هم نصيبا ففتوا هذا

پیدا کیے ہوئے چوپایوں میں سے اس کا بھی ایک

لله بزعهم وهذا الشركا منا

حصہ ٹھہرایا اور اپنے خیال کے مطابق کہا کہ یہ حصہ

فما كان لشركائهم فلا يصل

خدا کا اور یہ حصہ ہمارے شرکا کا ہو پھر ان کا بڑاؤ

الى الله وما كان لله فهو يصل

یہ ہوتا ہے کہ جو حصہ ان کے شرکا کا ہوتا ہو وہ تو خدا

الى شركائهم ساء ما

تک نہیں پہنچتا اور جو حصہ خدا کا ہوتا ہے وہ ان کے

يحيكون

شرکا تک پہنچ جاتا ہے کیا ہی بُرا فیصلہ ہے جو

یہ لوگ کرتے ہیں

وقا لوا هذه النعام

اور ان لوگوں نے کہا کہ فلاں چار پائے اور فلاں

وحرث حرجرا يطعمها

کھیتی ممنوع ہیں کہ ان کو اس شخص کے سوا جس کو ہم

الا من مثناه بزعهم والنعام

اپنے خیال کے مطابق چاہیں دوسرا نہیں کھا سکتا،

حرمت ظهورها والنعام

اور کچھ چار پائے ایسے ہیں کہ ان کی بیٹھ دے سوا ہونا

لا يذكرون اسماء عليها

یا لادنا ممنوع ہے اور کچھ چار پائے ایسے ہیں (جس کے

افتراء علیہ، سیجزمہم  
ہما کا نواہینزوں وقتا لوا  
ما فی نطون هذه الانعام  
خالصة لذكورنا ومحرم  
علی ازواجنا وان لم یکن  
میتة فہم فیہ مشرکا ۶  
سیجزمہم وصفہم ارنہ  
حکیم علیم قد خسر الذین  
قتلوا اولادہم سفہا بغیر  
علم وحرمو ما رزقہم اللہ  
افتراء علی اللہ قد ضلوا  
وما کانوا مهتدین،

اس کے بعد فرمایا

ومن الانعام مہولۃ وفزشتا  
کلوا مما رزقکم اللہ ولا تتبعوا  
خطوات الشیطان ارنہ

ذبح کرنے کے وقت وہ اُن پر خدا کا نام نہیں لیتے  
تو خدا پر یہ اُن کی (افتراء پر) زبان ہیں تو جیسی ہی  
افتراء پر زبان یہ لوگ کرتے ہیں عنقریب خدا اُن کو  
اُنکی سزا دیگا اور انھوں نے (یہ بھی) کہا کہ ہم نے  
بڑوں کے نام کے جو چار پائے چھوڑ رکھے ہیں ان چاروں  
کے پیٹ میں (سے) جو بچہ نکلے اور اس میں جان ہو،  
وہ صرف ہمارے مردوں کیلئے ہے اور ہماری عورتوں پر  
(اس کا کھانا حرام ہے اور اگر وہ بچہ ملا ہوا ہو تو مرد و  
عورت (سب) اُس (کھانے میں) شریک ہیں تو خدا  
عنقریب اُن کی باتوں کی اُن کو سزا دیگا، بیشک وہ  
حکمت والا باخبر ہے، بیشک وہ لوگ گھٹے میں ہیں  
جنھوں نے عقلی سے براہِ نادانی اپنے بچوں کو مار ڈالا  
اور خدا نے جو روزی ان کو دی تھی خدا پر چھوٹ چھوٹ  
ہبتان باندھ کر اس کو حرام کر لیا بلاشبہ یہ لوگ گمراہ  
ہوئے اور سیدھے راستے پر اُن نے دے دیے تھے بھی نہیں،

اور خدا نے چار پائوں میں سے (بعض بلند قامت)  
بوجھ اٹھانے والے (مثلاً اونٹ) اور (بعض) زیریں  
لگے ہوئے (جو نہیں لاوے جاتے مثلاً بھیر، کبیری)

لَكُمْ عِدَّةٌ مِثْلُ نَفْسِكُمْ  
 اَزْوَاجٌ مِّنَ النَّسَاءِ  
 وَمِنَ الْمَعْرُوفِ ثَلَاثِينَ  
 جَرَمَ اَمَّا الْفَتْنِ  
 اَشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْفَتْنِ  
 لَنْبُؤْنِي بَعْلَمَ اَنْ كُنْتُمْ  
 صَادِقِينَ وَمِنَ الْاَبْل  
 اَفْتَنِينَ وَمِنَ الْاَفْتَرِ  
 قَتْلَ الذَّكَرِ مِنْ حَرَمٍ  
 اَمَّا الْاَفْتَنِينَ اَمَّا اَشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ  
 اَرْحَامُ الْاَفْتَنِينَ،

اور سورہ مائدہ میں فرمایا،

وَمَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ تَجْوِیةٍ  
 وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِیْلَةٍ  
 وَلَا حَافٍ وَلَا نَاصِرٍ  
 یٰۤاَنزِلُوْا عَلٰی اللّٰهِ الْکَذِبُ  
 وَاَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ،

چار پائے پیدا کیے خدا نے تم کو جو روزی ہی ہو اس میں  
 سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو کیونکہ تمہارا  
 کھلا ہوا دشمن ہے خدا نے (چار پائے) نر مادہ (آٹھ قسم  
 کے پیدا کیے ہیں بھڑوں میں سے (نر مادہ) دو اڈ  
 اور بکریوں میں سے (نر مادہ) دو اسے پیغمبر کہو کہ  
 خدا نے (بھڑ بکری کے) دوزخ کو حرام کیا ہے  
 بادوامادہ نر کو یا اس (بچہ) کو جسکو ان دو مادہ نر  
 کے بیٹ اپنے اندر لیے ہوئے ہیں کچھ کو عالم کے  
 ساتھ ضرور اگر تم بچے ہو اور اونٹوں میں (نر مادہ)  
 دو اور گائے میں سے (نر مادہ) دو اب اسے پیغمبر  
 ان سے پوچھو کہ (خدا نے اونٹ گائے) کے دو  
 نر کو حرام کر دیا ہے یا دو مادہ نر کو یا اس (بچہ) کو  
 جسکو دو مادہ نر کے بیٹ اپنے اندر لیے ہوئے ہیں

نہ مجبور (وہ اونٹنی جو تیز کے نام پر کان پھاڑ کر  
 چھوڑ دی جاتی تھی)، اور نہ سائبہ (یعنی سانپ جس سے  
 کوئی کام نہ لیا جائے) اور نہ وصیلہ (وہ اونٹنی جس کے  
 پہلوئی کے اوپر تلے کے دو بچے مادہ ہوں اس کو  
 متبرک سمجھ کر چھوڑ دیا کرتے تھے) اور نہ عام دشتر نر



جس کی نسل سے کئی بچے ہو گئے اور آخر عمر میں اس کو  
 خدمت سے معاف کر دیا، ان میں سے اکوئی چہتر  
 خدا نے نہیں ٹھہرائی، بلکہ کافر اللہ پر جھوٹ (جھوٹ)،  
 بہتان باندھتے ہیں اور ان دین کے اکثر عقل نہیں رکھتے،  
 بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے مشرکین عرب کے یہاں کھیتیں اور  
 مویشیوں کی پیداوار کے متعلق ایک نظام موجود تھا، جبکہ ایک حصہ انھوں نے خدا کیلئے  
 مقرر کیا تھا، اور وہ فقراء و مساکین پر صرف کیا جاتا تھا، دوسرا حصہ ان کیلئے مقرر تھا جو  
 متولیان بت خانہ پر صرف کیا جاتا تھا، لیکن وہ لوگ جن کے مقررہ حصے کی نگرانی نہایت  
 اہتمام کے ساتھ کرتے تھے، اس لیے اس کا کوئی جزو دوسرے کو نہیں مل سکتا تھا، لیکن  
 خدا کے مقررہ حصے کی یہ حالت نہ تھی بلکہ اس کے بعض اجزاء سے متولیان بت خانہ  
 بھی فائدہ اٹھاتے تھے،

دوسری آیت میں خداوند تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ جو چوپائے اور جو کھیتیاں  
 غیر خدا کے نام پر مقرر کی گئی ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں:

- (۱) ممنوع جسکو اس شخص کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا جسکو وہ چاہیں
- (۲) وہ چوپائے جن کی پیٹھ حرام ہی گئی ہے (یعنی ان پر نہ لاد جا سکتا نہ ان پر  
 سواری کیجا سکتی)

(۳) وہ چوپائے جسکو وہ خدا کا نام لیکر ذبح نہیں کرتے،  
 اور سورہ مائدہ میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کا جو ذکر کیا گیا ہے ان سے بعینہ  
 یہی تینوں قسمیں مراد ہیں

اس کے بعد تیسری آیت میں خداوند تعالیٰ نے اس مقررہ نظام کو بیان فرمایا جو انھوں نے اُن چوپایوں کی پیداوار یعنی اُن بچوں کے متعلق جو اُن کے پیٹوں میں ہوتے تھے قائم کر لیا تھا اور اس کی بنیاد انھوں نے ان کو صرف اپنے مردوں کے لیے مخصوص کر لیا تھا، وہی ان کا دودھ پیتے تھے، اور وہی اُن سے فائدہ اٹھاتے تھے، عورتوں کیلئے انھوں نے ان کو بالکل حرام قرار دیا تھا، ان کا اُس میں کوئی حصہ نہ تھا، لیکن جب وہ مر جاتا تھا تو سب کے سب اس کے کھانے میں شریک ہو جاتے تھے، اور اُن تصرفات پر جن کو انھوں نے خود اختراع کر لیا تھا اور جھوٹ موٹھ ان کو خدا کی طرف منسوب کرتے تھے، اس طرح سرزنش کی

امم کنتم شھدا ۱۶ اذ وصاکم اللہ کیا جب خدا نے تم کو ان چیزوں کا حکم دیا تھا تم بھنا

اور خدا کی اس بیان کردہ صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب جو صدقات اہل حاجت کیلئے نکالتے تھے اُس کا انھوں نے ایک نظام قائم کر لیا تھا البتہ اس نظام میں ایسی چیزوں کی آمیزش ہو گئی تھی جنھوں نے اس کو بدنام بنا دیا تھا، یعنی شرک کی آمیزش، اور بعض چوپایوں کا حرام اور بعض کا حلال کر لینا، اس بنا پر قرآن مجید نے اس پورے نظام کو لغو قرار دیا اور زکوٰۃ کا مستقل نظام قائم کیا جس کی بنیاد اس طرح قائم کی،

واآتوا حقہ یوم حصادہ اور اس کے حق کو اُس کے کاٹنے کے دن دو، اور تمام چوپایوں کو حلال قرار دیا، صرف چند چیزیں حرام کیں جن کے متعلق اس کے بعد ہی تصریح کر دی،

(اسے پیغمبر اُن لوگوں سے) کہ وہ کوئی کھانے والا  
 اُن چیزوں میں سے جن کو تم حرام کہتے ہو کچھ کھالے  
 تو میری طرف جو وحی آئی ہے اس میں تو میں اس پر  
 کوئی چیز حرام پاتا نہیں مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا ہتہ  
 ہوا خون یا سور کا گوشت کہ یہ چیزیں بے شہہ ناپاک  
 ہیں یا (وہ جانور) موجب نافرمانی ہو کہ خدا کے سوا  
 کسی دوسرے کیلئے (ذبح اور) کھانا کیا گیا ہو یا سپر  
 بھی جو شخص (بھوک سے) لاچار رہا اور نافرمانی کا ارادہ  
 نہ رکھتا ہو اور نہ (حد ضرورت سے) تجاوز کرے تو لاہو  
 راوردہ ان ناپاک چیزوں میں سے کچھ کھالے تو  
 تمہارا پروردگار بیشک بخشنے والا مہربان ہے

اس سلسلے کی سب سے آخری آیت جو سورہ مائدہ میں ہے وہ یہ ہے

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام بھی کیے (تو جو)  
 کچھ منا ہی سے پہلے کھاپی چکے اس میں اُن پر  
 کسی طرح کا گناہ نہیں جب کہ انھوں نے حرام چیزوں  
 پر ہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے پھر حرام  
 چیزوں پر ہیز کیا اور ایمان لایا اور نیک کام کیے پھر حرام چیزوں  
 پر ہیز کیا اور اچھا (پرہیز) کیا اور اللہ خاص دل سے  
 نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

قتل لا احب فیما اوحی  
 الی محرم علی طاعہ  
 لطمہ الا ان یمکن میتہ  
 اودمنا مسفوحا ولحم خنزیر  
 فانہ رخی او فسق  
 اهل لعنیر اللہ بہ فن  
 اضطر عنیر باغ ولا عا  
 فان ربك عفور رحیم

لیس علی الذین آمنوا و عملوا الصلحت  
 جناح فیما طموا اذا ما  
 اتقوا و آمنوا و عملوا الصلحت  
 شما اتقوا و آمنوا شم  
 اتقوا و احسنوا و اللہ  
 محیب المحسنین

اور خداوند تعالیٰ کے اس قول کے مطابق،

وَيَحْرِمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ  
اور پیغمبران لوگوں پر ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے،  
حدیث میں بعض حیوانات مثلاً درندہ جانور بچہ دار چڑیاں اور پاؤں گدھوں کے  
گوشت کھانے کی ممانعت کی گئی،

## جہاد

مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ۱۳ سال تک اپنے دین کی دعوت  
دیتے رہے، اور اس سلسلے میں آپ شریکین کی طرف سے مختلف قسم کی تکالیف و تہلکات  
میں مبتلا کیے گئے، ان میں بعض تکلیفیں تو بذات خود آپ کو پہنچتی تھیں اور بعض سے  
آپ کے اصحاب کو دوچار ہونا پڑتا تھا، کفار بہت سے جھوٹے اتہامات و افتراءات کے  
ذریعہ سے لوگوں کو قرآن مجید کے سننے اور دعوت اسلام کے قبول کرنے سے روکتے تھے،  
چنانچہ قرآن مجید نے ان اتہامات و افتراءات کی تردید کی ہے اور مکی سورہتین اُن کے  
بیان سے بے بہرہ ہیں، چونکہ مکی مسلمان ان ناجائز مظالم کی مدافعت کی طاقت نہیں  
رکھتے تھے، اس لئے اپنے مذہب کی حفاظت کیلئے اُن کو مجبوراً مکہ کو چھوڑ کر  
ملک حبشہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی،

خدا کی مرضی سے مدینہ کے عرب یعنی اوس و خزرج نے دعوت اسلام کو قبول  
کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے اس بات پر بیعت لی کہ جن چیزوں سے  
وہ اپنی اور اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہیں اُن سے آپ کی بھی حفاظت کریں گے، اس  
بیعت کے بعد جبکہ اہل مکہ نے آپ کی جان لینے پر پورا اتفاق کر لیا تھا، آپ نے اوس  
و خزرج کی طرف ہجرت کی، اور آپ کے مدینہ آنے کی ابتداء میں جہاد منقض ہوا،

جس بنا پر مسلمانوں کو جہاد کا اذن دیا گیا تھا قرآن مجید کے متعدد مواقع پر اس کو بیان کیا ہے، اور اس کا دار و مدار دو باتوں پر ہے

(۱) ظلم کے وقت مدافعت عن النفس (یعنی حفاظت جان)

(۲) اگر دعوت اسلام میں کوئی اس طریقہ سے رکاوٹ پیدا کرے کہ جو شخص ایمان لائے اس کو طرح طرح کی تکالیف پہنچا کر ابتلاء و امتحان میں ڈالے، تاکہ اسے اپنے لیے جس عقیدہ کو پسند کیا ہے اُس سے ہٹ جائے، یا جو شخص اسلام لانا چاہتا ہے اس کو اسلام سے روک دے، یا کسی داعی اسلام کو تبلیغ دعوت سے باز رکھے، تو ان صورتوں میں دعوت اسلام کی مدافعت و حفاظت کی جائے

قرآن مجید نے جن مواقع پر ان امور کو بیان کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے

(۱) خداوند تعالیٰ نے سورہ حج میں جو سب سے پہلے جہاد کے متعلق نازل ہوئی ہے، فرمایا،

|                          |  |
|--------------------------|--|
| اذن للذین یقتلون بانفسهم | جن (مسلمانوں) سے (کافر، لڑتے ہیں) (اب ان کو              |
| طعنوا وان الله على نصرهم | بھی اُن کافروں سے لڑنے کی اجازت ہو اس لیے                |
| لقدیر للذین اخرجوا       | کہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے، اور کچھ شبہ نہیں کہ اللہ اُن کی |
| من ديارهم بعير حق الا    | مدد کرنے پر قادر ہے، (یہ وہ غلام لوگ ہیں جو ہتھیار       |
| اللیقوا ربنا الله ولولا  | اتنی بات کہ کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہوتا تو       |
| دفع الله الناس بعضهم     | اپنے گھروں سے نکال دیتے گئے اور اگر اللہ لوگوں کو آپ     |
| ببعض لخدمت صوامع وبيع    | دوسرے (کے ہاتھ سے) نہ ہوتا تو ہمارا ہوتا تو (نصاریہ کی   |
| وصلوات و مسجداً مذکور    | صومے اور گریبے اور یہودیوں کے عبادت خانے                 |

فیہما اسماء اللہ کثیرا  
ولینصرت اللہ من ینصرہ  
ان اللہ لفتویٰ عن ینزالذین  
ان مکناہم فی الارض  
افتا موا الصلوۃ وآقا الزکاۃ  
وامر اب لمعروف  
ونہی عن المنکر ولیلذی  
عاقبۃ الامور

اور مسلمانوں کی مسجد میں جن میں کثرت سے خدا  
کا نام لیا جاتا ہو کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے  
اور جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ (بھی) ضرور اس کی  
مدد کرے گا، اور کچھ بشر نہیں کہ اللہ زبردست اور  
غالب ہے، یہ لوگ (یعنی شروع شروع کے  
مسلمان ہیں تو مظلوم لیکن اگر حاکم وقت بنا کر  
ہم زمین میں ان کے پانچ دین جو وہ نماز دینگے،  
زکوٰۃ دینگے اور (لوگوں کو) اچھے کام کا حکم دیں گے  
اور برے کاموں سے منع کریں گے اور سب چیزوں کا  
انجام کار تو خدا ہی کے اختیار میں ہے

یہ آیت گویا مکی سورہ شوریٰ کی اس آیت کی تفسیر ہے

ولمن انتصر بعد ظلمہ  
فالذین ما علیہم من سبیل امنا  
السبیل علی الذین یظلمون الناس  
ویدفعون فی الارض بغير الحق  
اولئک لہم عذاب الیم،

اور ہاں کسی پر ظلم ہوا اور وہ اس کے بعد بدلے  
تو یہ لوگ (مخدور ہیں) ان پر کوئی ازام نہیں الزام  
(تو) انہی پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور ناحق ملک  
میں لوگوں پر (زیادتی کرتے ہیں یہی لوگ ہیں  
جن کو عذاب دردناک ہوتا ہے)

(۲) خدا نے مکی سورہ بقرہ میں فرمایا،

وہت متلوا فی سبیل اللہ  
الذین یقتلوا منکم ولا

اور (مسلمانو!) جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کے  
رستے (یعنی دین کی حمایت) میں ان سے لڑو،

تقتلوا ان الله لا يحب المعتدين  
 واقتلوا هم حيث تقتلوا هم  
 واخرجوا هم من حيث  
 اخرجواكم والفتنة امثلا  
 من القتل ولا تقا تلوا هم  
 عند المسجد الحرام حتى  
 يقتلواكم فيه وان  
 قتلواكم فانا قتلوا هم  
 كذلك جزاء الكافرين  
 فان انتهموا فانا الله  
 غفور رحيم وقاتلوا هم  
 حتى لا تكون فتنة ويكون  
 الدين لله فان انتهموا  
 فلا عدوان الا على الظالمين  
 المشهور الحرام بالمشهور الحرام  
 والحرمات قصاص  
 فمن اعتدى عليكم فاعتدوا  
 عليه بمثل ما اعتدى  
 عليكم واتقوا الله واعلموا

اور زیادتی نہ کرنا اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند  
 نہیں کرتا اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں، ان کو  
 جہان پاؤ قتل کرو، اور جہان سے انھوں نے  
 تم کو نکالا ہے (یعنی مکہ سے) تم بھی ان کو وہاں سے  
 نکال باہر کرو، اور فساد دکا برپا رہنا، خونریزی سے  
 بھی بڑھ کر ہے اور جب تک کافر ادب (اور حرمت)  
 والی مسجد (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس تم سے لڑیں  
 تم بھی اس جگہ ان سے نہ لڑو، لیکن اگر وہ لوگ تم سے  
 لڑیں تم بھی ان سے لڑو، ایسے کافروں کی بھی نرا  
 ہے، پھر اگر آزمائش تو بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے  
 اور وہاں تک ان سے لڑو کہ ملک میں فساداتی  
 نہ رہے اور دین خدا کیلئے ہو جائے پھر اگر فساد  
 سے باز آجائیں تو ان پر کسی طرح کی زیادتی نہیں  
 کرنی چاہیے (زیادتی تو ظالموں کے سوا کسی پر  
 جائز ہی) نہیں ادب (و حرمت) والے مہینوں  
 کا بدلہ ادب (و حرمت) والے مہینے اور مہینوں کی  
 خصوصیت نہیں بلکہ ادب کی تمام چیزوں میں  
 اویے کا بدلہ تو جو تم پر کسی قسم کی زیادتی کرے  
 تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہو، ویسی ہی زیادتی

ان الله مع المتقين،

(۱ بقرہ ۲۳)

تم بھی اس پر کرو اور زیادتی کرنے میں (اللہ سے ڈرتے رہو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو اس سے ڈرتے ہیں)

اور مدنی سورہ انفال میں فرمایا،

وَمَا تَلَوْا هُمْ حَتَّى لَا تُكَلُّوا

فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ

لِللَّهِ فَانْصَبْ اَعْيُنَ اللَّهِ بَآ

لِعَيْلٍ نَّاصِرٍ وَان تَقُولُوا

فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ نَحْمُ الْمَوْلَى

وَنَحْمُ النَّصِيرَ،

اور (مسلمانو!) کافروں سے لڑتے رہو یہاں تک

کہ فساد نہ رہے اور کل دین خدا ہی کا ہو جائے

پس اگر یہ لوگ (فساد سے) باز نہ جائیں تو جو کچھ یہ لوگ

کریں گے اللہ ان کو دیکھ رہا ہو اور اگر سرتابی کریں تو

(مسلمانو!) سمجھتے رہو کہ اللہ تمہارا حامی ہے اور

(کیا ہی) اچھا حامی اور (کیا ہی) اچھا مددگار ہے

(۳) مدنی سورہ نساء میں فرمایا

وَمَا لَكُمْ لَا تَقْتُلُونَ فِي

سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ

وَالنِّسَاءِ أَعْدَاؤُا الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا

اخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ طَائِفًا

أَهْلًا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا

وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا،

اور (مسلمانو!) تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور

ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کیلئے (ظلموں)

سے نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار

ہم کو اس بستی (یعنی مکہ) سے نکال جہاں کے

رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا

حامی اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا،

(۴) مشرکین کی ایک جماعت کے متعلق جس نے نہ اپنی قوم سے لڑنا پسند کیا اور نہ مسلمانوں

سے لڑنا چاہا، اور اس بنا پر فتنہ و فساد سے الگ ہو گئی فرمایا،

فَاعْلَمُوا أَنَّمَا اللَّهُ

پس اگر ایسے لوگ، تم سے کٹنا نہ کش زمین اور تم سے



یقاً تلوکم والفقوا الیکم السلام  
فاجعل الله لکم علیہم  
سدیلاً  
نہ لڑیں اور تمہاری طرف دہنیام صلح ڈالیں تو  
ایسے لوگوں پر دوست درازی کرنے کا تمہارے  
لیے اندر نے کوئی راستہ نہیں رکھا،

لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ صلح کی طرف ان کا حقیقی میلان ہو اور اس میں کسی قسم کا  
تذبذب نہ ہو چنانچہ اس قسم کے لوگوں کی حالت کو اس طرح بیان فرمایا،

ستجدون آخروین یریدون  
ان یامسواکم ویامنوا  
قومہم کما ردوا الی الفتنۃ  
ارکسوا فیہا فان لم یقتزلوکم  
ویلقوا الیکم السلام ویقفوا  
ایدیکم فخذوہم  
واقتلوہم حیث تعفتموہم  
واولئکم جعلنا لکم علیہم  
سلطاناً مبیناً  
کچھ اور لوگ تم ایسے بھی پاؤ گے جو تم سے بھی اس  
میں رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم سے بھی اس  
میں رہنا چاہتے ہیں (مگر حال یہ ہو کہ جب کبھی  
کوئی ان کو فساد کی طرف لوٹا کر بجائے تو اوڑھے  
ٹٹھ اس میں جا گرنے کو موجود سو (ایسے لوگ) اگر  
تم سے کنارہ کش نہ رہیں اور نہ تمہاری طرف دہنیام  
صلح ڈالیں اور نہ دلڑا لیں (اپنے ہاتھ روکیں  
تو ان کو پکڑ دو اور جہاں پاؤ ان کو قتل کرو اور بھی  
لوگ ہیں جن کے مقابلے میں ہم نے تمہارے لیے  
کھلی ہوئی محبت پیدا کر دی ہے

(نساء ۱۲)

(۵) صلح کے بارے میں فرمایا،

وان جنحوا المسلم فاجتہلوا  
ولتی کل علی اللہ انہ هو السميع العليم  
وان یریدوا ان یجذعوک  
اور (اے پیغمبر) اگر دکا فر صلح کی طرف جھکیں تو  
تم بھی اس کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھنا کیونکہ  
وہی سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہو، اور اگر

فان حساب الله هو الذي  
اميدك بنصره وبالمؤمنين  
والله بين قلوبهم

ان کا ارادہ تم سے دغا کرنے کا (بھی) ہوگا تاہم  
وتم کچھ پروا نہ کرو) اللہ تمہارے لیے کافی ہے  
اسے (پیغمبر) وہی خدا ہے جس نے اپنی امت کو  
اور مسلمانوں سے تم کو قوت دی اور مسلمانوں کے  
دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی

(۶) سورہ توبہ میں فرمایا،

وان نكثوا ايمانهم من بعد  
عهدهم وطعنوا في دينكم  
فقاتلوا ائمة الفسراهم  
لا ايمان لهم لعلهم ينتهون  
الا تقاتلون قوا نكثوا  
ايمانهم وهموا بآخراج  
الرسول وهم بدؤكم  
اول مرة اتخشونهم  
والله احق ان تخشوا ان  
كنتم مؤمنين

اور اگر یہ لوگ عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں  
اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو ان اکفر  
پیشواؤں سے لڑو، ان کی قسمیں کچھ بھی (اعتبار کے  
قابل) نہیں تاکہ یہ لوگ (اپنی شرارتوں سے) باز آجائیں  
مسلمانو! تم ان لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے  
اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے نکال دینے کا  
ارادہ کیا اور تم سے (چھڑ) بھی اول انہی نے شروع  
کی کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو پس اگر تم لوگ  
ایمان رکھتے ہو تو ان سے کہیں بڑھ کر خدائی کہتا  
کہ تم اس سے ڈرو

ان تمام آیتوں کا خلاصہ وہی ہے جبکہ ہم نے اوپر بیان کیا یعنی یہ کہ جہاد صرف  
منظالم کی مداخلت اور فتنہ زدہی کے انسداد کیلئے فرض کیا گیا، یہودیہ مدینہ نے قریش  
اور منافقین کو مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کیا تھا اور ان کو غزوہ احزاب میں اس قدر

خون زدہ کر دیا تھا کہ وہ کانپ اٹھے تھے، حالانکہ اس سے پہلے اُن کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تحریری معاہدے ہو چکے تھے، لیکن انھوں نے اُن معاہدون کو توڑ دیا اور اُن کے شرانگہ کی خلاف ورزی کی اس لیے مسلمانوں کو ان کے ساتھ جہاد کا حکم جیسا کہ سورہ توبہ میں مذکور ہے دیا گیا،

قَاتِلُوا الَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ  
الْأَخِرَ وَلَا يَخِيرُكُمْ مِمَّا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَمْزِجُ بَيْنَ الْكَافِرِ وَالْمُؤْمِنِ  
وَلَا يَجْعَلُ الْكُفْرَ عَيْنًا وَلَا يَجْعَلُ الْكُفْرَ عَيْنًا  
وَلَا يَجْعَلُ الْكُفْرَ عَيْنًا وَلَا يَجْعَلُ الْكُفْرَ عَيْنًا  
وَلَا يَجْعَلُ الْكُفْرَ عَيْنًا وَلَا يَجْعَلُ الْكُفْرَ عَيْنًا

جہاد کا حکم پہلے قریش اور مدینہ کے یہود تک جنھوں نے قریش کو مادہ جنگ کیا تھا محدود تھا، لیکن جب اُن کے ساتھ جزیرہ حبش کے اور قبائل بھی متحد ہو گئے تو خدا نے اپنی کتاب میں فرمایا،

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً  
يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُ كَافَّةً  
وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً  
يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُ كَافَّةً

قرآن مجید کے مصالحانہ روح کی تائید و توضیح سورہ بقرہ کی یہ آیت کرتی ہے،  
لَا يَجْعَلُ اللَّهُ سَبِيلَ الْمُشْرِكِينَ  
لَا يَجْعَلُ اللَّهُ سَبِيلَ الْمُشْرِكِينَ  
لَا يَجْعَلُ اللَّهُ سَبِيلَ الْمُشْرِكِينَ  
لَا يَجْعَلُ اللَّهُ سَبِيلَ الْمُشْرِكِينَ

ان متبر و هم و تقسطوا اليهم  
 ان الله يحب المقسطين انما  
 ينفذكم الله عن الذين قاتلوكم  
 في الدين واخرجكم من  
 دياركم وظاهروا على افعالكم  
 ان تاولوهم ومن يتو لهم فاولئك  
 هم الظالمون

خدا تم کو منع نہیں کرتا (کیونکہ) اللہ منصفانہ برتاؤ کرنے  
 والوں کو دوست رکھتا ہے، اللہ تو تم کو انہی لوگوں سے  
 دوستی کرنے کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے  
 میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمھارے گھروں سے  
 نکالا اور تمھارے نکالنے میں (تمھارے مخالفین کی)  
 مدد کی تو جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی دیکر تمھیں  
 جانیکا، کہ یہی لوگ (مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں)

## معاہدات باہمی

قرآن مجید میں پابندی معاہدات کے متعلق نہایت تاکید آیتیں آئی ہیں  
 جن میں بعض تو عام ہیں مثلاً،

يا ايها الذين آمنوا اوفوا بالعقود  
 واوفوا بعهد الله اذا عاهدتم  
 ولا تنقضوا الايمان بعد  
 توكيدها وقد جعلتم الله  
 عليكم كفيلا ان الله يعلم  
 ما تفعلون ولا تكونوا كالتي  
 نقضت عذر لهما من بعد  
 فتوة انكاشا فتتخذون

مسلمانو! قول و قرار کو پورا کرو  
 اور جب تم لوگ آپس میں قول و قرار کرو تو اللہ کی قسم  
 کو پورا کرو، اور قسموں کو ان کے پکا کپے پیچھے نہ توڑو  
 حالانکہ تم اللہ کو اپنا ضمان منظر رکھتے ہو، کچھ شک  
 نہیں کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بخوبی  
 واقف ہے اور قسموں کے توڑنے میں اس عورت  
 جیسے نہ جو جس نے اپنا سوت کا تے پیچھے ڈالے  
 ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا کہ اپنی قسموں کو (اس وجہ سے)

ایمانکم دحللا بینکم ان تکون  
امۃ ہی (وہی من امۃ  
واوفنوا بیا للعہد ان العہد  
کان مسأولا،  
اور بعض خاص چنانچہ خداوند تعالیٰ نے مشرکین سے اعلانِ برائت کے بعد سورہ  
براقہ میں فرمایا،

الا الذین عاہدتم من  
المشرکین ثم لم ینقصوکم  
شیئا ولم یظاہروا  
حالیکم احد انما متوا  
الیہم عہد ہم الی مد تقم  
ان اللہ یحب المتقین،  
ہاں مشرکین میں سے جنکے ساتھ تم (مسلمانوں نے)  
(صلح کا) عہد کر رکھا تھا پھر انھوں نے (ایقانے  
میں) تمھارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی اور نہ تمھارے  
مقابلے میں کسی کی مدد کی تو ان کے ساتھ جو عہد ہے  
اُس سے اس مدت تک جو ان کے ساتھ ٹھہری ہوئی  
پورا کرو کیونکہ اللہ ان لوگوں کو (جو بد عہدی سے  
بچتے ہیں) دوست رکھتا ہے

اور اسی سورہ میں اُسکے بعد فرمایا،

الا الذین عاہدتم  
عند المسجد الحرام فما  
استقاموا لكم فاستقیموا  
لہم ان اللہ یحب المتقین،  
مگر جن لوگوں کے ساتھ تم (مسلمانوں نے) مسجدِ حرام  
(یعنی خانہ کعبہ) کے قریب (حدیبیہ میں صلح کا) عہد کیا  
تھا تو جب تک وہ لوگ تم سے سیدھے رہیں تم بھی  
اُن سے سیدھے رہو، کیونکہ اللہ ان لوگوں کو (جو  
بد عہدی سے بچتے ہیں) دوست رکھتا ہے

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ برائت کا اعلان اُن مشرکین سے کیا گیا تھا جنہوں نے اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی یا اُن سے خیانت کے آثار و دلائل ظاہر ہوئے تھے، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اس سورہ کی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے  
 بَرَاءۃٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِۦ اِلَى الَّذِیۡنَ ۙ  
 عَاهَدُوْا مِّنۡ مَّشْرِکِیۡنَ ۚ  
 جن مشرکوں کے ساتھ تم مسلمانوں نے صلح کا  
 عہد کر رکھا تھا (اب اللہ اور اس کے رسول کی  
 طرف سے اُن کو صاف جواب ہے)

اس کے بعد اُن لوگوں کو مستثنیٰ فرما دیا ہے جنہوں نے معاہدے کی پابندی کی ہے، اس بنا پر برائت کا یہ اعلان سورہ انفال کی اس آیت کا علی طور پر نفاذ ہے،  
 وَاَمَّا تَخٰفُ مِّنۡ مَّشْرِکِیۡمَ ۙ  
 خِیَافَتَہٗ فَاَنْذِرْ اَھْلَہٗ  
 اور اگر تم کو کسی قوم کی طرف سے دغا کا اندیشہ ہو تو  
 ساقط کو ملحوظ رکھ کر اُن کے عہد کو انشا، انہی کی  
 طرف پھینک مار دو بیشک اللہ دغا بازوں کو دوست  
 نہیں رکھتا،  
 سَوَآءٌ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخٰفِیۡنَ

کیونکہ دغا کا خوف اُسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کے دلائل یعنی مظالم کا ظہور ہو،  
 یہی وجہ ہے کہ جن مشرکین نے اپنے عہد کے پورا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی کسی کو مسلمانوں  
 کے مقابلے میں مدد نہیں دی اور اپنے عہد پر قائم رہے، آیت کے رو سے ان کے قول  
 و قرار کو توڑا نہیں جاسکتا،

اسی طرح جب مسلمانوں کو سورہ نسا میں اُن منافقین سے علیحدگی کی جو مخفی طور پر  
 مسلمانوں کی مخالفت میں مصروف تھے ترغیب دی تو فرمایا،  
 اَلَّذِیۡنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍ بَیۡنَکُمۡ  
 مَرۡجُوۡلٌ اِلٰیہِیۡ قَوْمٌ سَآءَ مَا یَعۡمَلُوۡنَ

وَمِنْهُمْ مِثَاقُ

(صلح کا عہد ہے)

جس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ معاہدین کے ملک کا احترام واجب ہو، اور جو لوگ وہاں پناہ گزین ہوں وہ محفوظ ہوں

اسی طرح اگر معاہد قوم کا کوئی شخص قتل کر دیا جائے تو سورہ نسا میں اس کی دیت بھی وہی قرار دی، جو ایک مسلمان کے غلطی سے قتل کر دینے کی قرار دی گئی ہے

دَانْ كَانْ مِنْ قَوْمِ بَيْنَكُمْ  
وَمِنْهُمْ مِثَاقُ نَدِيَّةٍ  
مُسْلِمَةً إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَمَرِيرِ  
رَقَبَةٍ مُّؤَمَّنَةٍ

اور اگر (مقتول) اُن لوگوں میں کا ہو جن میں او  
تم میں (صلح کا) عہد ہے تو (قاتل کو چاہیے،  
کہ دارِ ثمانِ مقتول کو خون بہا پونچائے، اور اس کے  
غلامہ ایک مسلمان غلام بھی آزاد کرے،

اور یہ دیت بعینہ وہی ہے جو غلطی سے ایک مسلمان کے قتل کر دینے پر واجب الاداء ہوتی ہے،

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ  
رَقَبَةٍ مُّؤَمَّنَةٍ وَدِيَّةٌ مُّسْلِمَةً  
إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصِدَّقُوا

اور جو مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے تو ایک مسلمان  
غلام آزاد کرے اور دارِ ثمانِ مقتول کو خون بہا دے  
مگر یہ کہ (دارِ ثمانِ مقتول) غوہا معاف کر دیں،  
بلکہ جو مسلمان دشمنوں کی قوم سے تعلق رکھتا ہو اس کے قتل کا خون بہا اس سے  
کم قرار دیا،

فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ  
عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مَوَدٌّ لِّكُمْ

پھر اگر مقتول ان لوگوں میں کا ہو جو تم مسلمانوں کے  
دشمن ہیں اور وہ خود مسلمان ہو تو صرف ایک

رقبۃ مومنۃ

مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا،

اسی طرح جن مسلمانوں نے دشمن کے ملک سے ہجرت نہیں کی ہے بلکہ وہیں مقیم ہیں اُن کے متعلق فرمایا،

وان استنصر وکم فی الدین ہان اگر وہ دین (کے بارے) میں تم سے طالبِ یزید  
فعلیکم النصر الا علی فتوہم ہون تو تم کو اُن کی مدد کرنی لازم ہے مگر اس قوم کے مقابلے  
میں نہیں کہ تم میں اور اُن میں صلح کا عہد ہو،

اور اس طریقہ سے حق معاہدہ کو تمام حقوق سے بالاتر قرار دیا،  
خداوند تعالیٰ نے صلح کی کوئی مدت مقرر نہیں کی ہے بلکہ اس کا ذکر بالکل غیر مفید  
طور پر کیا ہے،

وان جنحوہا للسلام فاجتنبوا اور اسے پیغمبر اگر کا فر صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی  
و لن کل علی اللہ انہ ہوا السميع العليم اس کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو کیونکہ وہی  
(سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے،

## اسیرانِ جنگ

قرآن مجید نے سورۃ قتال میں اسیرانِ جنگ کا حکم ان الفاظ میں نص پر  
بیان کیا ہے،

حتیٰ اذا اثنتموہم فشدوا بیان تک کہ جب خوب اچھی طرح ان کا خون بہا لو تو  
الومشاق فاما منا بعد اُن کی شکلیں کس لو (یعنی قید کرو) پھر قید کر کے بعد  
واما عندا حتی تضع الحرب یا تو احسان رکھ کر (چھوڑ دینا) ایسا وضع لیکر بیان تک



اودار دھا، لڑائی اپنا اختیار رکھو یعنی لڑائی موقوف ہو جائے

اس بنا پر اولیائے امور کو دو باتوں میں سے قرآن مجید نے ایک کا اختیار دیا ہے، یا تو احسان کرین اور یا قیدین جنگ کو بلا معاوضہ رہا کر دین یا فدیہ یعنی معاوضہ لیکر ان کو چھوڑ دین، لیکن اس کے لیے "اٹھان فی الارض" کی شرط ہے اور اس کے معنی زمین میں قدم جانیکے نہیں زمین، بلکہ دشمن کے قتل میں مبالغہ کرنے کے ہیں یہی وجہ ہے کہ کامل خوزیری سے پہلے خداوند تعالیٰ نے فدیہ لینے پر مسلمانوں کو ملامت کی ہے اور سورہ انفال میں فرمایا ہے،

|                         |  |
|-------------------------|--|
| مسا کان لہن ان یکون لکم | یغیر جب تک زمین میں خوب خون نہ بہ لے اُسکے   |
| اسی حتی یثخن فی الارض   | پس قیدیوں کا رہنا مناسبت نہیں تم (مسلمانوں) تو مال و متاع دنیا کے خواہاں ہو اور اللہ (مکرم کو) |
| تریدون عرض الدنیا       | آخرت کی نعمتیں، دینی چاہتا ہے اور اللہ   |
| واللہ یرید الاخرة واللہ |  |

غالب بات میری ہے

عزیز حکیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مخصوص اسباب کی بنا پر بعض قیدیوں کے قتل کا بھی حکم دیا ہے، مثلاً آپ نے بدر میں عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم دیا، احد میں ابی عرقہؓ کی قتل کا حکم صادر فرمایا کیونکہ اُس نے بدر میں آپ سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ آپ کی خالصین کی اعانت نہ کرے گا، لیکن اُس نے اپنے عہد کو پورا نہیں کیا، اس طرح فتح مکہ کے بعد چند جرائم کے ارتکاب کی بنا پر اہل مکہ میں سے آٹھ اشخاص کے خون کو مباح قرار دیا، غلامی کی کیفیت یہ ہے کہ جب اسلام آیا تو اہل عرب کے قبضے میں غلام ہو جوتھے اور اسلام نے بھی اس قبضہ کو بدستور قائم رکھا، چنانچہ کسی سورہ مومنوں میں فرمایا،

والذین لهم لفر وجهم  
حفظون الاعلیٰ ازواجهم  
اور ما ملکت ایمانهم منا غم  
غیر ملومین  
وہ مسلمان، جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے  
ہیں مگر اپنی بی بیوں یا اپنے ہاتھ کے مال (یعنی  
لوٹیوں) سے کہ ان میں ان پر کچھ الزام نہیں  
(اپنی مراد کو پہنچ گئے)،

اور مکی سورہ معراج میں بھی اسی قسم کی آیت موجود ہے، اور یہ آیتیں اس زمانے  
سے تعلق رکھتی ہیں جس کے پہلے مسلمانوں نے کوئی جنگ نہیں کی تھی اور مدنی  
سورہ نسا میں فرمایا،

منا خفتهم الا لقدوا  
فواحدة او ما ملکت ایمانکم  
پھر اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ کئی بی بیوں میں  
برابری کے ساتھ برتاؤ نہ کر سکو گے تو اس صریح  
میں، ایک ہی (بی بی کرنا) یا جو (لوٹی) فقارے  
قبضے میں ہو (اسی پر قناعت کرنا)

پھر ان کو متعدد طریقوں سے غلاموں کی آزادی کی سخت ترغیب دی، چنانچہ پھر ان  
طریقوں کی تفصیل یہ ہے،

(۱) سورہ بلد یکمہ میں یہ قرار دیا کہ اگر کوئی انسان خدا کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنا  
چاہتا ہے، تو اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ غلام آزاد کرے، چنانچہ متعدد احسانات  
جمانے کے بعد فرمایا،

فلداقتهم العقبہ وما  
اد رمل ما العقبہ فک  
رقبۃ او اطعام فی یوم ذی سغبہ  
پھر بھی وہ ان نعمتوں کے شکر میں، گھاٹی سے ہو کر  
نہ نکلا اور (اے پیغمبر) تم کیا سمجھو کہ گھاٹی (سے ہماری)  
کیا (مراد) ہے، (گھاٹی سے مراد ہر کسی کی گردن کا

بیتما ذامتربة او مسکینا  
ذامتربة شمع کان  
من الذین آمنوا و اتقوا صوا  
بالصبر و اتقوا صوا بالرحمة  
اولئک اصعب المینة،

رغلا می کے پھندے سے، چھڑا دینا یا بھوک کے  
دن یتیم کو خاص کر جب وہ اپنا ارشتہ دار (بھی)  
ہو یا محتاج خاک نشین کو دکھانا، کھلانا (تو جو)  
ناحق کی شیخی مارتا ہے چاہیے تھا کہ اس گھاٹی  
میں سے ہو کر گذرتا اس کے علاوہ ان لوگوں  
دکے زمرے میں ہوتا جو ایمان لائے، اور ایک  
دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے اور (نیز)  
ایک دوسرے کو (خلقِ خدا پر) رحم کرنے کی ہدایت  
کرتے رہے، یہی لوگ (آخرت میں) مبارک  
(خوش نصیب) ہوں گے،

اس طریقہ سے انسان جن فضائل کے ذریعہ سے اپنے خدا کا شکریہ ادا کر سکتا ہے  
ان سب سے غلاموں کی آزادی کو مقدم قرار دیا ہے  
(۲) مختلف جرائم کی پاداش میں جو کفارے واجب ہوتے ہیں ان میں اکثر  
غلاموں کی آزادی کو مقدم کیا ہے، چنانچہ غلطی سے قتل کر دینے کے کفارے میں فرمایا،  
ومن قتل مومنا خطأ فتحرير  
رقبة مومنة  
اور جو مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے تو ایک مسلمان  
غلام آزاد کرے،

اور کفارہ طہار کے متعلق فرمایا،  
والذین یطہرون من نسائهم  
ثم لیعودون لما فتلوا فیتحریر  
اور جو لوگ اپنی بیویوں سے طہار کرتے ہیں پھر لوٹکر  
وہی (کام) کرنا چاہتے ہیں جس کو کہ چکے ہیں،

رقبة من قبل ان يتما س

کہ نہیں کریں گے، تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے

سے پہلے (مرد) کو ایک غلام آزاد کرنا (چاہیے)

فكفنا رقه اطعنا ثم عشرة مساكين

تو اس کی قسم کے توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو

من اوسط ما تطعمون اهليكم

متوسط درجے کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا تم اپنے اہل

او کسو نقصا و مختير رقبة

عیال کو کھلایا کرتے ہو یا ان ہی (دس مسکینوں)

کو کپڑے بنادینا یا ایک غلام آزاد کر دینا،

(۳۱) مصارف زکوٰۃ بیان کیے تو اس کے آٹھ حصوں میں سے ایک حصہ غلاموں

کے لیے متین کیا، یعنی یہ کہ جو امام مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرے وہ اس کی قیمت کو غلاموں کی آزادی میں صرف کرے

(۳۲) جو غلام روپیہ ادا کر کے آزادی کی درخواست کرے، ان کی درخواست کے

قبول کرنے اور ان کو رقم مقررہ کے ادا کرنے میں مدد دینے کا حکم دیا،

والذين يبتغون الكتب هم

اور تھارے ہاتھ کے مال (یعنی غلاموں) میں سے

ملكتم ايما منكم فكا بئوهم ان

جو مکاتبہ کے خواہان ہوں تو تم ان کے ساتھ

علمتم فيهم خيرا و اتقوهم

مکاتبہ کر لیا کرو بشرطیکہ تم ان میں بہتری دے آنا

من مال الله الذي اتاكم

پاؤ اور مال خدا میں سے جو اس نے تم کو دے رکھا

ہے ان کو بھی) دو،

آزادی کی یہ تمام صورتیں ان ترغیبات کے علاوہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

غلاموں کی آزادی کے متعلق دی ہیں اور لوگوں کو بار بار غلاموں پر رحم کرنے کی

نصیحتیں کی ہیں،

اور غلام بنانے کے متعلق قرآن مجید میں ایک آیت بھی نہیں ہے، یعنی قرآن مجید میں کہیں یہ حکم نہیں ہے کہ لڑائی میں غلام بنائے جائیں،

## غنیمت جنگ

اہل عرب جنگ میں مال غنیمت حاصل کرتے تھے اور اسکو شرکاء جنگ پر تقسیم کرتے تھے جس کا بڑا حصہ رئیس فوج کو دیتے تھے، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے،

لأف المرباع منها والصفایا وحکمت والنشیطۃ والفضول

اے رئیس تیرے لیے غنیمت کا چوتھائی حصہ اور منتخب چیز اور نشیطہ اور فضول ہے، اور تیرا فیصلہ فیصلہ

اس شعر میں ”مرباع“ سے مال غنیمت کا چوتھائی حصہ ”صفی“ سے وہ چیز جسکو رئیس پسند کر کے اپنے لیے انتخاب کرے، ”نشیطہ“ سے وہ مال جو جنگ سے پہلے شرکاء جنگ کے ہاتھ میں پڑ جائے اور ”فضول“ سے وہ مال جو تقسیم سے بچ جائے مراد ہے،

اسلام آیا تو مسلمانوں کو سب سے پہلے مال غنیمت جنگ بدر میں حاصل ہوا اور انھوں نے اس کی تقسیم کا طریقہ معلوم کرنا چاہا، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ حَلٰلٍ وَّحَلٰلٍ وَّطٰیْبٍ (اے پیغمبر مسلمان سپاہی) تم سے مال غنیمت کا حکم

قل الا نفال لله والرسول (اے پیغمبر مسلمان سپاہی) تم سے مال غنیمت کا حکم

تو اللہ اور رسول کا ہے

اس کے بعد اس کی تقسیم کا طریقہ بیان فرمایا،

واعلموا انما غنمتم من شئ فان

لله خمسہ وللرسول ولذی القربی

اور جان رکھو کہ جو چیز تم (لڑائی میں) لوٹ کر لاؤ

اس کا پانچواں حصہ خدا کا اور رسول کا اور (رسول کے)

والیتاھی والمسلکین وابن السبیل، قرابتداروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور غریبوں کا

اسی طریقہ کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کا پانچواں حصہ لے لیتے تھے اور متذکرہ بالا اشخاص پر تقسیم فرمادیتے تھے چنانچہ آپ نے خود فرمادیا،

لیس لی من مغانکم الا الخمس تمہارے مال غنیمت میں سے میرے لیے صرف پانچواں

والخمس مردود علیکم حصہ پڑا اور یہ حصہ بھی یقیناً لوگوں کو واپس دیا جاتا ہے اور

اور یہ حصہ خود ان لوگوں کو اس لیے واپس ملتا ہے کہ مال غنیمت کا بڑا حصہ مصالح عامہ کیلئے مخصوص کر دیا ہے

”فی“ یعنی اس مال غنیمت کے متعلق جو بغیر جنگ کے حاصل ہوا ہو فرمایا،

ما اصابنا علی رسولہ من جو مال، اللہ اپنے رسول کو ان اہستہ لوگوں کے

اہل القریٰ خلدہ والرسول نفع میں لوگوں کو اور اللہ کا حق، جو اس رسول کا

ولذی العتربی والیتاھی اور رسول کے قرابتداروں کا اور یتیموں کا اور

والمساکین وابن السبیل کمبلا محتاجوں کا اور بے توشہ مسافروں کا یہ حکم،

میکون دولۃ بین الاغنیاء اس لیے دیا گیا، کہ جو لوگ تم میں مالدار ہیں یہ مال،

منکم ان رہی، میں چلتا پھرتا نہ رہے

اس کے بعد فرمایا،

للفقراء المهاجرین الذین (وہ مال جو بے لڑے نفع میں ہاتھ لگا رہے ہوں اور خود کو

احخرجوا من دیارہم محتاج مہاجرین کا) بھی حق ہے جو اپنے گھر اور

واموالہم یتبتغون فضلا مال سے بے دخل کر دیے گئے (اور اب وہ خدا کے

من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ فضل اور اسکی، خوشنودی کی طلبگاری میں لڑیں

ورسوله اولئك هم الصادقون  
 والذين يتبوع الدار والاميان  
 من قبلهم يحبون من هاجر اليهم  
 ولا يجيدون في صدورهم  
 حاجة مما اوتوا ويثرون  
 على انفسهم ولو كان بهم  
 خصاصة ومن يوق  
 شغ نفسه فاولئك هم المفلحون  
 والذين جاءوا من بعدهم  
 يقولون ربنا اغفر لنا  
 ولاخواننا الذين سبقونا  
 بالاميان ولا تجعل في قلوبنا  
 غلا للذين آمنوا ربنا  
 انك رؤوف رحيم

اور خدا اور اُس کے رسول کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں  
 یہی تو بچے (مسلمان) ہیں اور (دین و مال جو  
 بے لڑے ہاتھ آیا ہے) ان کا (بھی حق) ہے کہ (مہاجرین  
 نے ابھی ہجرت نہیں کی تھی اور وہ) اُن سے پہلے  
 مدینہ میں رہتے اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں جو  
 ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت  
 کرنے لگتے ہیں اور (مالِ غنیمت میں سے) مہاجرین  
 کو جو (کچھ بھی دے) دیا جائے اس کی وجہ سے یہ اپنے  
 دل میں (اسکی) کوئی طلب نہیں پاتے اور اپنے  
 اوپر تنگی ہی کیون نہ (مہاجرین بھائیوں کو) اپنے  
 سے مقدم رکھتے ہیں اور (داخل تو سب ہی کی طبیعتوں میں  
 ہوتا ہو گا) جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا  
 جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے اور ان (جو مال  
 بے لڑے ہاتھ آیا ہے) ان کا (بھی حق) ہے جو مہاجرین  
 اولین کے بعد ہجرت کر کے آئے (کہ یہ بھی اگلے  
 مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں اور دعائیں مانگا کرتے  
 ہیں کہ اسے ہمارے پروردگار ہمارے اور (نیز) ہمارے  
 (ان مہاجرین و انصار) بھائیوں کے گناہ معاف کر  
 جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اُن کی طرف سے

ہمارے دلوں میں کسی طرح کا کینہ نہ آنے پائے اسے

ہماری پروردگار تو بڑا شفقت رکھنے والا ہر بات ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غزوات کیے ان میں اپنے قول و فعل سے احکام قرآنی کی

تشریح فرمائی ہے چنانچہ ان میں خداوند تعالیٰ نے بعض غزوات کا ذکر قرآن مجید میں

کیا ہے اور بعض غزوات کی نسبت خاموشی اختیار کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر

سرایا روانہ کیے وہ سب کے سب احکام قرآنی کے مطابق تھیں

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن غزوات کا حال بیان کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے

(۱) غزوہ بدر اس کا ذکر سورہ انفال کی اس آیت میں آیا ہے

لَمَّا اخْرَجْتُكَ مِنْ بَيْتِكَ ۚ وَمِنْ بَيْتِكَ ۚ وَمِنْ بَيْتِكَ ۚ وَمِنْ بَيْتِكَ ۚ

بِالْحَقِّ وَانْصَرَفْنَا مِنَ الْمُعْصِيَةِ ۚ وَانْصَرَفْنَا مِنَ الْمُعْصِيَةِ ۚ وَانْصَرَفْنَا مِنَ الْمُعْصِيَةِ ۚ

لَكَاهُونَ ۚ وَانْصَرَفْنَا مِنَ الْمُعْصِيَةِ ۚ وَانْصَرَفْنَا مِنَ الْمُعْصِيَةِ ۚ

اور آل عمران کی اس آیت میں بھی اس کا ذکر ہے

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ ۚ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۚ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۚ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۚ

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ ۚ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۚ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۚ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۚ

(۲) غزوہ احد سورہ آل عمران میں اس کا ذکر اس آیت سے شروع ہوا ہے

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا ۚ وَأَنْتُمْ أَكْثَرُ ۚ وَأَنْتُمْ أَكْثَرُ ۚ وَأَنْتُمْ أَكْثَرُ ۚ

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا ۚ وَأَنْتُمْ أَكْثَرُ ۚ وَأَنْتُمْ أَكْثَرُ ۚ وَأَنْتُمْ أَكْثَرُ ۚ

(۳) غزوہ حراء سورہ آل عمران کی اس آیت میں اس کا ذکر آیا ہے

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لَدُنَّ رَسُولِ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لَدُنَّ رَسُولِ اللَّهِ ۚ

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لَدُنَّ رَسُولِ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لَدُنَّ رَسُولِ اللَّهِ ۚ



بعد ما اصابعهم المترح، کہ پہنچے اُن کو زخم،  
 (۴) غزوہ بدر الاخریٰ، قرآن مجید نے سورہ آل عمران کی اس آیت میں  
 اس کی طرف اشارہ کیا ہے،

الذین قال لهم الناس ان الناس قد  
 جمعوا عليكم فاحشوا مشركهم آدمی جمع ہوئے ہیں تو تم لوگ ان سے ڈرو پس  
 ايماناً و قالوا احسبنا الله  
 ونعم الوكيل فاحشوا مشركهم من الله زیادہ کیا اس نے اُن کے ایمان کو اور اُنھوں نے  
 وفضل لم يمسسهم سوء واتبعوا برائی اور اُنھوں نے خدا کی خوشنودی کی پیروی کی اور اللہ  
 رضوان الله والى الله ذو فضل عظيم  
 (۵) غزوہ تبوك النصير، قرآن مجید نے سورہ حشر کی اس آیت میں اس کا ذکر  
 کیا ہے،

هو الذي اخرج الذين كفروا من اهل الكتاب  
 من ديارهم الاول الحشر اسی نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے  
 نکالا اول بار کھٹے کرنے میں  
 (۶) غزوہ احزاب، قرآن مجید نے غزوہ احزاب کی اس آیت میں اس کا ذکر  
 کیا ہے،

يا ايها الذين آمنوا اذكروا نعمته الله  
 عليكم اذ اجاءتكم جنود فادسلنا اے مسلمانو! اپنے اوپر خدا کے اس احسان کو یاد کرو  
 عليهم رجباً و جنود ذالکر جو قوت آئیں تمھارے اوپر فوجیں تو ہم نے بھیجا  
 ان کے اوپر ہوا لادان فوجوں کو کہ نہ دیکھا تھا  
 تم نے اُن کو،

(۷) غزوہ بنو قریظہ، اسی سورہ کی اس آیت میں اس کا بھی ذکر ہے،

و انزل الذین ظلمہم وہم  
من اهل الکتاب من صیاصیہم  
وقذف فی قلوبہم الرعب فرعبوا  
تقتلون و تأسرون و فریقا  
وا ورتکم ارضہم و دمیہم  
واموالہم و ارضنا لم تطوہا و کان اللہ  
علی کل شئی قدیدرا،  
اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی خدائے انکو  
اُن کے قلوب سے اتار اور اُن کے دلوں میں  
رعب ڈالا، ایک گروہ کو تم لوگ قتل اور دوسرے  
گروہ کو قید کرتے ہو اور وارث کیا تم کو ان کی زمین کا  
اور اُن کے گروہ کا، اور اُن کے مالوں کا اور اُن میں سے  
جب کو تم نے پامال نہیں کیا تھا، اور خدا ہر چیز پر  
قادر ہے

(۸) غزوہ حدیبیہ، سورہ فتح کی اس آیت میں اس کا ذکر ہے،

ان الذین میا یعونک امنا  
میا یعون اللہ مید اللہ فحوق  
امید ہم الخ،  
بیشک جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ صرف  
خدا سے بیعت کرتے ہیں خدا کا اُن کے ہاتھوں  
کے ادھر ہے

(۹) غزوہ خیبر، خدا نے اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے،

ولقد رضی اللہ عن المومنین اذ  
میا یعونک تحت الشجۃ فعلمہ ما فی قلوبہم  
فانزل السکینۃ علیہم و اتاہم فتحا خفیا  
ومنا ہم کثیرۃ یاخذونہا و کان اللہ  
عزیزا حکیم الخ،  
خدا مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ وہ تجھ سے بیعت  
کرتے تھے درخت کے نیچے تو خدا نے جانا اس چیز کو جو  
اُن کے دلوں میں تھا تو اتاری اُن کے اوپر سکین اور  
ان کو دی نزدیک کی فتح اور بہت سال مال غنیمت  
کہیں گے وہ اس کو اور اللہ غالب حکمت والا ہے

(۱۰) فتح مکہ، ان آیتوں میں اس کی طرف اشارہ ہے،

لاہینقی منکم من الفق من  
قبل الفقم وقتا قتل اولہ عک  
اعظم در سجتہ من الذین  
الفقوا من بعد وقتا قتلوا کلا وعد اللہ نسی  
اذ اجاء نصر اللہ والفتح  
اور تم میں سے جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور  
لڑائی کی ہر برہنیں پڑے لوگ ان لوگوں سے درجہ میں  
بڑے ہیں جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور  
لڑائی کی لیکن ہر ایک سے اللہ نے اچھا وعدہ کیا  
جو تیرے خدائی مدد آئی اور کھ فتح ہوا،

(۱۱) غزوہ حنین قرآن مجید نے اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ  
وینہم حنین اذ اجمعبتکم کثرتم  
فلم تغن عنکم شئیاً وصاقت علیکم  
الاس من ہما رحبت تمہ ولینتم  
مددسین ثم انزل اسم سکینتم  
علی رسولہ وعلی المؤمنین وانزل  
جنس دالم تروہا وعذب الذین  
کفروا وذلک جزاء الکاکرین  
بیشک خدا نے بہت سے مقامات میں تمہاری مدد کی  
(بالخصوص حنین کے دن جو وقت ناز ہو تم کو اپنی  
کثرت پر لیکن اس نے تم کو فائدہ پہنچایا اور تمہارے  
اوپر زمین باوجود اس کے کہ وہ کشادہ تھی تنگ  
ہو گئی پھر تم بھاگ گئے پیٹھ پھیر کر پھر اتاری خدا نے  
اپنی سکین اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور اتاری  
ایسی فوجیں کہ ہنیں دیکھا تم نے ان کو اور عذاب  
کیا کفار کو اور کافروں کی یہی سزا ہے

(۱۲) غزوہ تبوک غزوہ ہمسرہ بھی اسی کا نام ہے اور سورہ توبہ میں اس کے  
بہت سے واقعات کی تفصیل مذکور ہے اور غزوات میں سب سے زیادہ مہلک  
قرآن مجید میں اسی غزوہ کا ہے چنانچہ اس کی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے  
یا ایہا الذین آمنوا انکم اذا قیل لکم  
انفروا فی سبیل اللہ اثنا قلتم  
اے مسلمانو! یہ کیا بات ہے کہ جب تم سے یہ کہا جاتا  
ہے کہ خدا کی راہ میں کوچ کرو تو تم زمین میں جھل

الحی الارض ارضیتیم بالحقۃ الدنیا ہو جائے ہو کیا تم نے آخرت کے بدلے میں نبوی  
من الاحسرة فامتناع الحيوة الدنیا زندگی کو پسند کر لیا ہے تو نہیں ہے زندگی دنیا  
فی الآخرة الا قلیل کا فائدہ آخرت میں مگر تھوڑا،

تقریباً اخیر سورہ تک اسی کا ذکر ہے

یہ تمام غزوات قرآن مجید کے مذکورہ بالا اصول یعنی مفاعبت ظلم، حفاظت دعوتِ اسلام  
اور مصالحت کرنے والوں کے ساتھ میلان مصالحت کے مطابق واقع ہوئے اور آپ کی  
زندگی کے آخری زمانہ تک تمام جزیرہ عرب آپ کے زیر اقتدار آگیا،

## نظام منزلی

قرآن مجید نے نظام منزلی کی جو تفصیل کی ہے اور اس کے متعلق جو احکام نافذ  
کیے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے

## نکاح

قرآن مجید نے نکاح کو جس اہمیت کے ساتھ مشروع کیا ہے اس کا اندازہ اس سے  
ہو سکتا ہے کہ اس نے عقدِ نکاح کا نام ”متحکم قول و قرار رکھا ہے“

لاخذن منکم میناً قاعلیظاً اور بی بیان تم سے بکا قول لے چکی ہیں

اور خداوند تعالیٰ نے لوگوں پر اپنا یہ احسان جتایا ہے کہ اس نے میان بی بی  
کے ”میان الفت و محبت قائم کی“

ومن آیاتہ ان خلقکم من انفسکم اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے  
ازواجکم لتسکنوا الیہما وجعل تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بی بیائیں پیدا کیں

ببینکم مودة و رحمة ان في ذلك  
لآيات لقوم يتفكرون  
تا کہ تم کو (ان کی طرف رغبت کرنے سے) راحت ملے  
اور تم (میان بی بی) میں پیارا اور اخص پیدا کیا  
جو لوگ سوچ سمجھ کو کام میں لاتے ہیں ان کے لیے

ان (بالوں) میں بہت سی نشانیاں ہیں

اور میان بی بی میں سے ہر ایک کو دوسرے کا لباس قرار دیا ہے

لَمَنْ لَبَسَ لَكُمُ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهِنَّ  
عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا

اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم ان سے سکون حاصل کرتے ہو اور وہ تم سے

سکون حاصل کرتی ہیں چنانچہ بعینہ یہی لفظ خدا نے ایک اور موقع پر استعمال فرمایا ہے

اجعل لکم الدلیل لباساً  
خدا نے رات کو تمہارے لیے لباس بنایا

یعنی یہ کہ تم رات میں سکون حاصل کرتے ہو

حدیث میں بھی نکاح اور اضافہ تعداد امت کی خاص طور پر سخت ترغیب ملتی ہے

چنانچہ حدیث میں آیا ہے

تزوجوا، تناسلوا فی مباد  
نکاح کرو، نسل بڑھاؤ کیونکہ میں تمہارے ذریعہ

بکم الامم یوم القیامة  
سے قیامت کے دن اور امتوں پر فخر کروں گا

قرآن مجید نے نکاح کی ترغیب اس آیت میں دی ہے

وانکحوا لایاھن منکم والصلحین من  
اور اپنی بیوہ عورتوں کے نکاح کرو اور اپنے غلاموں

عبادکم واما ان یکونوا فقراء  
اور لونڈیوں میں سے ان کے جو نیک بخت ہوں اگر

نیغتمہم اللہ من فضلہ واللہ  
یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی

وامعہم حلیم  
کروں گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اہل عرب کے میان بی بیوں کی تعداد متعین نہ تھی اس لیے بعض لوگ بسا اوقات  
دس دس عورتوں سے نکاح کر لیتے تھے، اس بنا پر قرآن مجید نے اس کی ایک  
متوسط تعداد معتبر کر دی اور ان لوگوں کو متعدد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی  
اجازت دی جو اپنی عورتوں کے بارے میں نیا انصافی سے مامون ہیں چنانچہ  
خداوند تعالیٰ نے فرمایا،

فَا نَكُحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ الْمَرْءِ  
 مَتْنِي وَتِلْكَ رُبْعُ مَا نَخَفْتُمْ  
 اَلَا تَقْدِرُوْنَ اَوْ اَحَدًا وَاَمَّا  
 مَمْلَكَتِ اِمِّيَا نَكُحْ ذٰلِكَ اَدْنٰى  
 اَلَا تَقْدِرُوْنَ

تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو تین تین اور چار چار  
 عورتوں سے نکاح کرو پھر اگر تم کو اس بات کا اندیشہ  
 ہو کہ (کئی بی بیوں میں) برابر ہی (کے ساتھ بٹاؤ)  
 نہ کر سکو گے تو (اس صورت میں) ایک ہی (بی بی  
 کرنا، یا جو (نو بی بی) تھا، اسے قبضے میں ہو اسی پر  
 قناعت کرنا، نامضغانہ بڑا داسے بچنے کے لیے

تعدد عورتوں کے نکاح کی اجازت حسبِ قیلِ مصالح پر مبنی ہے،  
(۱) انسان کی طبعی ضرورت جسکی نسبت تجربہ سے ثابت ہو چکا ہو کہ بسا اوقات  
فطرت انسانی ایک عورت پر قناعت نہیں کرتی،  
(۲) تکثیرِ نسل

لیکن اس اجازت کیلئے یہ لازمی شرط ہے کہ متعدد دینی ہون میں غیر منصفانہ  
برتاؤ کا اندیشہ نہ ہو، کیونکہ شائع کی نگاہ میں یہ خرابی ان دونوں مصلحتوں سے زیادہ  
اہمیت رکھتی ہے، اس کے ساتھ تعدد و تکلیف ان بنیادی احکام میں داخل نہیں ہر



ان الله كان عفواً رحيماً  
والمحسنات من النساء ائلاما ملكات  
اياهنكم كتاب الله عليكم

بی بیان (بھی تم پر حرام ہیں) اور وہ مہنوں کا ایک  
ساتھ (نکاح میں رکھنا) بھی تم پر حرام ہے، مگر جو  
ہو چکا (سو ہو چکا) بیشک اللہ معاف کرنے والا  
مہربان ہے، اور وہ عورتیں بھی حرام ہیں جو دروغ  
قید (نکاح) میں ہوں مگر وہ (جو کافروں کی طرف سے)  
میں قید ہو کر، خاصے فیض میں آئی ہوں یہ خدا

کا حکم تحریری ہو (جو) تم پر لازم کیا جاتا ہے،  
اور حدیث میں ایک عورت کے ساتھ اس کی بھوپھی اور خالہ کو نکاح میں رکھنا  
ممنوع قرار دیا گیا، اور جن عورتوں کے ساتھ نسبی تعلقات کی بنا پر نکاح حرام ہے  
ان کے ساتھ رضاعی تعلقات سے بھی نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا،  
قرآن مجید نے مسلمان مرد یا مسلمان عورت کا نکاح مشرک عورت اور مشرک مرد  
سے حرام کیا، چنانچہ خداوند تعالیٰ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے:

وَلَا تَنْكُحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُوْمِنُوا  
وَلَا مَنَافِقِينَ مَنِ الْمُشْرِكِ  
وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكَحُوا الْمُشْرِكِينَ  
حَتَّى يُوْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّوْمِنٌ خَيْرٌ  
مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولَٰئِكَ يَدْعُوْنَ  
اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلَى الْجَنَّةِ  
وَالْغُفْرَةِ مَبَادِنُهَا

اور مسلمانو! مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں  
اُن سے نکاح نہ کرو اور مشرک کریموالی عورت کسی ہی  
تم کو بھلی (کیون نہ) لگے، اُس سے مسلمان نوڈھی  
بہتر، اور مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں اپنی عورتیں  
انکے نکاح میں نہ دو، تم کو کیا ہی بھلا (کیون نہ) لگاؤں  
مسلمان غلام بہتر یہ مشرک (مرد و زن) تو لوگوں کو دوزخ  
کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ بہشت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے



اور اہل کتاب کی عورتوں کو اس آیت کے ذریعہ سے حلال کیا،

والمحصنات من الذین اوتی الکتاب  
من قبلکم اذا اتیتھن  
اجورھن محصنین غیر مسالحن  
ولا متخذی اخدان

اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے  
ان میں کی دہی، بیاہتا بی بیان (تھائے لیے)  
حلال ہیں بشرطیکہ ان کے مہران کے حوالے کرو (اور)  
تھارا ارادہ (ان کو) قید نکاح میں لانے کا ہو  
وہ مکمل کھلا بند کاری کر نکالو نہ چوری چھپے اشتہا بنائیکا  
ولا متخذی اخدان

اور پاکدامن عورت کا نکاح بدکار مرد کے ساتھ یا پاکدامن مرد کا نکاح بدکار  
عورت کے ساتھ حرام کیا،

الزانی لا ینکح الا ذانیة او  
مشرکة والزانیة لا ینکح  
الا ذان او مشرک وحرم  
ذکر علی المؤمنین

یہ بدکار مرد (تو اپنی رغبت سے) بدکار عورت یا مشرک  
عورت ہی سے نکاح کرے گا اور یہ بدکار عورت  
(بھی غالباً اپنا ہی جیسا ڈھونڈھیلگی اور اس کو)  
بدکار یا مشرک کے سوا کوئی نکاح میں نہیں لائیکا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ غیر زانیہ عورت کا نکاح  
مشرک سے اور زانیہ عورت کا نکاح مشرک سے  
جو لوگ آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے ان کیلئے  
لوٹاری کے ساتھ نکاح کرنا جائز قرار دیا اور فرمایا،

ومن لم ینظف منکم طو لا ان  
ینکح المحصنات المؤمنات فمن ما  
مکلت ایما منکم من فتیتکم  
المؤمنات والله اعلم بما یمیکم

اور تم میں سے جس کو مسلمان بی بیوں سے نکاح کرے  
مقدور نہ ہو تو خیر، لوٹاریاں (دہی سہی) جو دکافروں کی  
لوٹاری میں تم مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں ان میں سے  
ایمان رکھتی ہوں اور اللہ تمھارے ایمان کو خوب جانتا ہے

بعضکم من بعض فانکحوا ھنَّ  
 باذن اھلھن و آتقوا ھن  
 اجبو رھن بامعروف و محضت  
 غیر مسافحات ولا متخذات  
 اخذ ان،

د آدم زاد ہونے کے اعتبار سے ہم ایک دوسرے کے  
 بھنس ہو پس لونڈیوں کے مالکوں کے اذن سے  
 ان کے ساتھ نکاح کرنا اور دستور کے مطابق  
 ان کے ہر ان کے حوالے کر دو مگر شرط یہ ہے کہ قید  
 (نکاح) میں لائی جائیں (اور) نہ (تو تم سے)

بازاری عورتوں کا ساتھ رکھنا چاہتی ہوں اور  
 نہ خانگیوں کا سا،

حدیث میں عقد نکاح کے لیے بعض قیدیں اور لگائی گئی ہیں اور قرآن مجید نے  
 مرد پر یہ فرض کر دیا ہے کہ وہ مہر عورت کے حوالے کر دے

واحل لکم ما وراعد لکم  
 ان تتبعوا ابا مودالکم محضین  
 غیر مسافحین فما استمتعتم  
 به منھن فانتوا جبرھن  
 فریضتھن ولا جناح علیکم  
 فیما تراضیتھن بہ من بعد  
 الفریضتھن ان الله کان علیما  
 حکیم،

ان کے علاوہ (سب عورتیں) تمھارے لیے حلال  
 ہیں بشرطیکہ شہوت رانی کے لیے نہیں بلکہ قید  
 (نکاح) میں لانے کے لیے مال (یعنی مہر) کے  
 بدلے (نکاح کرنا) چاہو پھر جن عورتوں سے تم نے  
 (صحبت) اٹھایا ہو تو ان سے جو مہر ٹھہرا تھا ان کے  
 حوالے کرو اور ٹھہرائے پیچھے (مہر کے کم دینا نہ کرنا)  
 آپس میں راضی ہو جاؤ تو تم پر اس میں کچھ لگنا نہیں  
 اور بیشک اللہ (سب کے حال سے) واقف ہے

(اور سب کام احکمت و تدبیر سے کرتا ہے)

قرآن مجید نے عورت کے مقابلہ میں مرد کا جو درجہ قرار دیا وہ یہ ہے،

و لهن مثل الذی علیہن  
 بالمعروف والنہی  
 علیہن درجۃ  
 الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ  
 بعضهم علی بعض ومما انفقوا  
 من اموالهم فالاصلوات  
 فانتات محافظات للغیب  
 بحفظ اللہ والاتی تحفون  
 نشوزهن فعضوہن وابھرن  
 فی المضاجع واضربوہن  
 فان اطعنكم فلا تنبغوا  
 علیہن سبیلا ان اللہ کان  
 علیا کبیرا

اور جیسے (مردوں کا) حق عورتوں پر ہے ویسے ہی  
 دستور کے مطابق عورتوں کا (حق مردوں پر) ہے  
 ان مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے،  
 مرد عورتوں کے سر دھرے ہیں (اس کے دو سبب  
 ہیں ایک یہ کہ آدمیوں میں اللہ نے بعض یعنی  
 مردوں کو بعض (یعنی عورتوں) پر برتری دی ہے  
 اور دوسرا سبب یہ کہ مردوں نے عورتوں پر  
 اپنا مال خرچ کیا ہے تو جو نیک (بی بیان) ہیں  
 مردوں کا کہنا مانتی ہیں (اور خدا کی عتاب سے  
 ان کے بچھے بچھے ہر ایک چیز کی حفاظت کھتی  
 ہیں اور تم کو جن بی بیوں کے جھگڑے کا اندیشہ ہو  
 تو پہلی دفعہ ان کو سمجھا دو پھر ان کے ساتھ نرمی  
 موقوف کرو اور اس پر بھی نہ مانتیں تو ان کے ساتھ  
 مار پیٹ سے پیش آؤ پھر اگر تمھاری بات ماننے  
 لگیں تو تم بھی ان پر (ماحق کے) پہلو نہ دھو  
 پھر وکیلو کہ اللہ (سب پر غالب اور بڑا ذریعہ برکت ہے)  
 اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی  
 یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو (بیان بی بی) دونوں  
 میں کسی پر کچھ گناہ نہیں کہ اصلاح کی کوئی بات

وان امرۃ خافت من بعلھا  
 نشوزا او اعراضا فلا جناح  
 علیہما ان یصلیا بینهما صلحا

والصلح خیر واحضرت الانفس  
 الشیخ وان تحسنی وقتتقوا فان الله  
 کان بما تعملون خبیرا  
 ولن تستطیعوا ان تعدلوا  
 بین النساء ولو حرصتم  
 فلا تمیلوا کل المیل فتذروها  
 کالمعلقة وان تصلحوا وقتتقوا  
 فان الله کان غفوراً رحیم

ٹھہرا کر آپس میں صلح کر لیں اور صلح بہر حال بہتر ہے  
 اور اچھوڑا بہت بچل تو سب کی طبیعت میں ہوتا ہے  
 اور اگر ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کر داور  
 سخت گیری سے بچے رہو تو خدا تمہاری ان نیکیاں  
 کا مونس سے باخبر ہے اور تم اپنی طرف سے بہتر  
 چاہو لیکن یہ تو تم سے نہ ہو سکے گا کہ (کئی کئی)  
 بی بیوں میں (پوری پوری) برابری کر سکو تو بالکل  
 (ایک ہی کی طرف) مت جھک پڑو کہ دوسرے کو  
 (اس طرح) چھوڑ بیٹھو گویا (ادھر میں) لٹک ہی کر  
 اور اگر آپس میں (موافقت اور ایک دوسرے پر  
 زیادتی کرنے سے) بچے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے اگرچہ حقوق میں مرد اور عورت کے  
 درمیان مساوات کی بنیاد قائم کی ہے تاہم گھر کا سردار مرد ہی کو بنایا ہے اور حسن معاشرت  
 کا بہ کثرت حکم دیا ہے اسی طرح احادیث میں بھی مردوں کو حسن معاشرت کا بہ کثرت حکم  
 دیا گیا ہے

سید محمد صالح المنجد

## طلاق

خداوند تعالیٰ نے نظام اجتماع یعنی نکاح کی طرح نظام افتراق یعنی طلاق کو  
 بھی مشروع کیا لیکن طلاق کو بالکل آزادانہ اور خود مختارانہ چیز نہیں بنایا بلکہ عقد نکاح  
 کے گرد ایسی چار دیواریاں قائم کر دیں جو اس کو وقتی تاثرات سے محفوظ رکھ سکیں چنانچہ

ان حدود کی تفصیل یہ ہے،

(۱) خداوند تعالیٰ نے انسان کے احساسِ نفرت کو جو افتراق کا سبب ہے

مشکوٰۃ قرار دیا اور فرمایا،

اور بنی یوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو یہو اور

وَ مَا شَرٌّ مِنْ مَّا لَمْ يَرْضَ وَ حَفَا نَ

تم کو (کسی وجہ سے) وہ ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ

کے رہتمو ہن فحسی ان ت کرھوا

تم کو ایک چیز ناپسند ہوا ورا اللہ اس میں بہت سی خیر

شیئا و یجعل اللہ فیہ خیرا

(و برکت دے)

کثیرا

اور اس حدیث کے بھی یہی معنی ہیں

کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے ناچاقی

لا یفرک مومن مومنۃ ان

نہ رکھے اگر اس کا ایک خلق اس کو ناپسند ہوگا

کرہۃ منها خلقا رضی منها آخذ

تو اس کا دوسرا خلق پسند آئے گا،

اسی طرح عورت کو بھی طلبِ صلح کی ترغیب دی

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی

وان امراتہ خافت من بعلہا

یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو (میان بی بی) دونوں

فتوازا و اعراضا فلا جناح

(میں کسی) پر کچھ گناہ نہیں کہ اصلاح کی کوئی

علیہما ان یصلحا بینہما صلحا

بات ٹھہرا کر آپس میں صلح کر لیں اور صلح (بہر حال)

والصلح خیر،

بہتر ہے

(۲) جو وقت باہم ناچاقی کا اندیشہ ہو تو حکیم یعنی منجھ ماننے کا حکم دیا چنانچہ مسلمانوں کو

مخاطب کر کے فرمایا،

وان خفتم شقات بینہما فاعتوا  
 حکما من اہلہ وحکما من اہلہما  
 ان یریدا اصلاحا ینفق اللہ بینہما  
 ان اللہ کان علیما خبیرا

اور اگر تم کو میان بی بی میں کھٹ پٹ کا اندیشہ ہو تو  
 ایک بیچ مرد کے کہنے میں سے مقرر کرو اور ایک بیچ  
 عورت کے کہنے میں سے اگر بیچوں کا (ولی) ادا نہ  
 (میان بی بی میں) اصلاح کر دینے کا ہو گا تو اللہ  
 (ان کے سمجھانے بچھانے سے) دونوں میں <sup>نفقت</sup> موافقت  
 کر دے گا بیشک اللہ (سب کے) ولی (ارادوں سے)

واقف (اور) خبر دہ ہے

یہ خطاب تمام مسلمانوں کے ساتھ کیا گیا ہے اور اس کا نفاذ ان کا قائم مقام یعنی  
 ان کا عالم کرے گا،

(۳) تذکرہ بالا احکام کے نفاذ کے بعد اگر طلاق کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار  
 نہ ہو تو طلاق ابتداً عدت یعنی عورت کی اس پاکی کے زمانے میں جس میں مرد نے  
 اس سے مقاربت نہ کی ہو دینی چاہیے،

یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن  
 لعدتھن واحصوا العدة واتقوا اللہ  
 ربکم

اے پیغمبر مسلمانوں سے کہو کہ جب تم اپنی بیویوں  
 کو طلاق دینی چاہو تو ان کو ان کی عدت کے شروع  
 میں طلاق دو اور (طلاق کے بعد ہی سے) عدت  
 گننے لگو اور اللہ سے بوجھدار ہو گا ہر دہشتہ رہو

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے قرآن مجید کے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو رسول اللہ  
 نے اس کو ناپسند فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی بی بی کو داپس لے لیں اور جب طلاق  
 دینی چاہیں تو حکم قرآنی کے مطابق دین

(۴) یہ حکم دیا کہ عدت کے پورے زمانہ میں عورت مسلسل ہی مین قیام کرے کیونکہ جب تک اس سے کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہو جو اس کے نکال دینے کا سبب ہو وہ بدستور بی بی باقی رہے گی،

ولا تخرجوا من منیٰ تمھن  
ولا یخرجن الا ان یناتین بفلقثۃ  
مینۃ وقلک حد ودا اللہ و من  
یتعد حد ودا اللہ فقد ظلم  
نفسہ لاتدری لعل اللہ یمیدت  
بعد ذلک امرا،

(عدت میں) ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالا اور  
وہ (خود بھی) نہ نکلیں مگر یہ کہ کلم کھلا (کوئی) بھیجی  
(کا کام) کر بیٹھیں (تو ان کو نکال دینے کا مضائقہ  
نہیں) اور یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں،  
(اوجہ شخص نے اللہ کی (باندھی ہوئی) حدوں سے  
قدم باہر رکھا تو اس نے (اپ) ہی اپنے اوپر ظلم کیا،  
(اے شخص جو بی بی کو طلاق دیتا ہو تو نہیں جانتا)  
شاید اللہ طلاق کے بعد (ملاپ کی کوئی صورت پیدا کر دے)  
انہی کے اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو مسلسل مین قیام کا حکم کیوں  
دیا گیا ہے؟

(۵) عدت کے گزرنے کے بعد شوہر کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ عورت کو دس لیلے یا اس کو عملاً چھوڑ دے، لیکن دونوں حالتوں میں گواہوں کی ضرورت ہے جو دونوں کیلئے گواہی دیں

فناذ ابغین اجلھن فامسکوھن  
مبعر وف اوفا ر قوھن  
مبعن وف واشھدوا ذوی عدل

پھر جب عورتیں اپنی عدت کو پوری کرنے پر آمین تو  
(یا تو رجوع کر کے) سیدھی طرح ان کو (اپنی زوجیت)  
میں رکھے رہو یا سیدھی طرح ان کو رخصت کرو اور

منکم و اقیما الشہادۃ للہ

(جو کچھ بھی کرو) اپنے (لوگوں) میں دو ستر (ادبوں)

کو گواہ کر لو اور رگوں کو گواہی کی ضرورت آپڑے تو

الہ کا پاس کر کے ٹھیک ٹھیک گواہی دینا،

لیکن جب تک عدت کا زمانہ باقی ہے شوہر کو عورت کے واپس لینے کا زیادہ سخت

قرار دیا،

وہو لکن احق ببردھن فی ذلک اور ان کے شوہر ان کو اچھی طرح رکھنا چاہیں تو وہ

ان ارادوا اصلاحا اس اثنا میں ان کو (اپنی زوجیت میں) واپس

لینے کے زیادہ حقدار ہیں،

(۴) مختلف عورتوں کو مختلف مدتوں کے گزارنے کا حکم دیا، یعنی حالت عورت

کی عدت کا زمانہ تین حیض کے آنے تک مقرر کیا،

والمطلقات ینزلن بمن بانفسھن اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے آپ کو تین

حیضوں کے آنے تک روک رکھیں،

اور آئسہ (وہ عمر عورتیں جن کا حیض اقتصائے سن سے بند ہو گیا ہو) اور غیر حائضہ

(یعنی وہ عورتیں جن کو اب تک حیض نہیں آیا ہو) کی عدت کا زمانہ تین ماہ قرار دیا،

واللای یئسن من المیض من نسائکم اور مسلمانو! (تمہاری مطلقہ) بی بیوں میں سے

ان ارتبتم عدتھن ثلاثۃ اشھرا جن کو (پیرانہ سالی کی وجہ سے) حیض کے آنے

کی امید نہیں رہی اگر تم کو شک ہو تو ان کی عدت

(حیض سے نہیں بلکہ دنوں کے حساب سے) تین مہینے

اور (علیٰ بن القیاس) جن عورتوں کو حیض کے آنے کی توقع نہیں ہے،



اور حاملہ عورتوں کی عدت کا زمانہ وضع حمل قرار دیا،

دا ولات الا حمال اجلهن ان حیضن اور رہیں حاملہ عورتیں (سو) ان کی عدت  
جلهن ان کے بچے جننے تک

اور جن عورتوں کے ساتھ ان کے شوہروں نے مقاربت نہیں کی ہے ان کو  
عدت سے مستثنیٰ کر دیا،

اذا انكحتم المومنات ثم طلقتموهن من قبل  
ان تمسوهن فبدا لکم عیہن من عدۃ  
مسلمانوں جب تم مسلمان عورتوں کو اپنے نکاح میں  
لاؤ پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو  
تو عدت (میں بٹھانے کا) تم کو ان پر کوئی (حق)  
نہیں کہ گواہت کی (ان سے) گنتی پوری کرانے،

اور زمانہ عدت میں مرد کو عورت کے ساتھ رفیق و ملاطفت کا حکم دیا،

اسکنوهن من حیث سکنتم من وکد  
ولا تضاروهن لتضيقوا علیہن  
وان کن اولات حمل فالتقوا علیہن  
حتی یضعن حملهن فان ارضعن لکم  
فالتقوا من اجورهن وامنن واسبینکم  
مجمع وف وان تعاسنتم فسترضع  
لہ احرى لیتفق ذو سعة من  
سعتہ ومن قدار علیہ رزقہ  
فلیتفق ہما آتۃ اللہ لا یکلف اللہ

مطلقہ عورتوں کو (عدت کے لیے) اپنے مقدمہ و مطابق  
وہیں رکھو جہاں تم خود رہو اور ان پر سختی کرنے کیلئے  
ان کو ایذا نہ دو، اور اگر حاملہ ہوں تو بچہ جننے تک  
ان کا خرچ اٹھانے رہو پھر بچہ جننے تک (اگر وہ  
بچے کو) تمہارے لیے دودھ پلائیں تو ان کو انکی  
دودھ پلائی دو اور آپس کی صلاح سے دستور کے  
مطابق (اجرت وغیرہ کا) بٹھاد کرو اور اسپین کش  
کرو گے تو (مرد کو کوئی) اور عورت میسر آجائی گئی تو وہ  
اس کے لیے (بچے کو) دودھ پلا دے گی جسکو گناہ نہیں

نفسا الاما اتھا سیججل اللہ لعبد

عسیریس

(طلاق)

اسکو چاہیے کہ وہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرے اور جسکی

آمدنی نیچی تھی ہو وہ جتنا خدا نے اسکو یاہر اسکی موافق خرچ کرے

خدا نے سب کو جتنا دے کھا ہو اس سے بڑھ کر کسی کو تکلیف دینی

نہیں چاہتا دیکھ لے کی بات نہیں خدا کی کے بعد جلد

بجائے

(۷) یہ حکم دیا کہ جس عورت کو طلاق دی جائے اس کے ساتھ اتنا سلوک کر دینا

چاہیے جو اُس کے لیے موجب تسکین ہو، اور جس عورت کی ہمتیں نہ ہو اور اسکو مفارقت

سے پہلے طلاق دیدی جائے اُس کے لیے اس حق کو فرض قرار دیا،

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم

تمسوهن او تفضوا لهن فریضۃ

ومتعوهن علی الموسع قدرہ وعلی

المقتدر قدرہ متاعا بالمعروف

حقا علی المتعین،

اگر تم نے عورتوں کو طلاق نہ لگایا ہو اور نہ ان کا ہر

کھٹہرایا ہو اور اس سے پہلے ان کو طلاق دیدو تو اس

تم پر کوئی گناہ نہیں ایمان ایسی عورتوں کے ساتھ کچھ

سلوک کرو مقدور دے پراپی حیثیت کے مطابق

سلوک کرنا لازم ہو، اور بے مقدور پراپی حیثیت کے

مطابق (اور اسلوک جو کچھ بھی ہو) دستور کے مطابق

جن کا شہوہ احسان کرنے کا ہو ان پر ایسی عورتوں کا

بھی ایک طرح کا حق ہے

اس کے بعد اس کا ذکر ایک عام لفظ میں کیا،

وللمطلقات متاع بالمعروف

حقا علی المتعین،

اور جن عورتوں کو طلاق بجائے ان کے ساتھ دھرم کے علاوہ بھی

دستور کے مطابق (جو بڑے وغیرہ سے کچھ) سلوک کرنا سنا سکتا

کہ پرہیز گاروں پر ان کا بھی ایک طرح کا حق ہے

اور جن عورتوں کو قبل از مقاربت طلاق دینی جائے اُن کی نسبت فرمایا،  
 مفتی ہن و سر جو ہن سر احا تو رایی صورت بین اُن کو کچھ دے دلا کر خوش بلی  
 جھیللا، کے ساتھ خدمت کر دو،

لیکن جن عورتوں کا مہر تعین کر دیا گیا ہے اگر ان کو قبل از مقاربت طلاق دیدیا  
 تو اُن کے لیے نصف مہر کا ادا کرنا ضروری قرار دیا،

وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن اور اگر مقاربت سے پہلے عورتوں کو طلاق دیدو اور انکا  
 وقد فرضتم لهن فريضة فضعف مہر ٹھہرا چکے ہو تو جو کچھ تم نے ٹھہرایا تھا اس کا آدھا  
 ما فرضتم الا ان يعفو ناوليعفو (دینا آئے گا) گویہ کہ (عورتیں) چھوڑ دین یا (مرد)  
 الذي بيده عقد النكاح وان جسکے ہاتھ میں عقد نکاح (کا جوڑے رکھنا یا توڑنا)  
 تعفو (اخر ب اللتقوى ولا تنسوا الفضل ہے وہ (اپنا حق) چھوڑ دے (یعنی پورا مہر دینے پر  
 ببينكم ان الله بما تعملون بصير، رضی ہو) اور اپنا حق) چھوڑ دے تو یہ پرہیزگاری سے  
 زیادہ قریب ہو اور آپس کی بڑائی کو مت بھولو جو  
 (کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے)

(۸) اگر مرد عورت کو کچھ دے چکا ہے تو اس کو اُس کے واپس لینے کی ممانعت فرمائی،  
 وان ادبتما مستبدال زوج مكان و ان اگر مختار ارادہ ایک بی بی کو بدل کر اس کی جگہ  
 زوج و آتیتم احدہن قطعا دوسری بی بی کرنے کا ہو تو گو تم نے پہلی بی بی کو  
 فلا تاخذوا منه شيئا تاخذوا ٹھہرے مال دیدیا ہو تاہم اس میں سے کچھ بھی  
 بھٹانا و انما ميدينا و كيف تاخذونه (واپس) نہ لینا کیا (تھاری غیرت جائز رکھتی ہو کہ  
 حقد اشئى بعضكم الى بعض و اخذن منكم کسی قسم کا ہتھان لگا کر اور صریح بیجا بات کر کے

مَدِثًا قَاغِلِطًا،

اپنا دیا ہوا (اس سے واپس) لیتے ہوا اور دیا ہوا

کیسے (واپس) لیلو گے حالانکہ تم ایک دوسرے کے

ساتھ صحبت کر چکے ہو اور بی بیان (نکاح) کے

وقت مہر و نفقہ وغیرہ کا، تم سے بکا قول نکلی ہیں

لیکن جب میان بی بی کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو

عورت سے کچھ مال لینے کی اجازت دی

اور جو تم ان کو دیکھتے ہو اس میں سے تم کو کچھ (بھی

واپس) لینا جائز نہیں مگر یہ کہ میان بی بی (اس مال کا)

خوف ہو کہ خدا نے (میان بی بی کے سلوک کی) جو

حدیں ٹھہرا دی ہیں ان پر قائم نہیں رہ سکیں گے

تو اس صورت میں کہ تم لوگوں کو اس بات کا خوف

ہو کہ میان بی بی اللہ کی (باندھی ہوئی) حدود پر

قائم نہیں رہ سکیں گے اور عورت (اپنا بچھا چھڑائی کے

عوض) کچھ دے تو اس میں دونوں پر کچھ گناہ نہیں

یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں تو ان سے

آگے (مت بڑھو اور جو اللہ کی (باندھی ہوئی) حدود سے

آگے بڑھ جائیں تو یہی لوگ برسرِ ناعی ہیں،

وَلَا يَحِلُّ لَكُمُ أَنْ تَأْخُذُوا بِمَا آتَيْتُمُوهُنَّ

شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخْرُجَ الْإِلْقِيَاءُ حُدُودَ اللَّهِ

فَإِنْ خِفْتُمْ الْإِلْقِيَاءَ حُدُودَ اللَّهِ فَلَا

جُنَاحَ عَلَيْمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ

هُمُ الظَّالِمُونَ

(۹) طلاق کے تحریر کی حدود و باقرا دی

طلاق (جس کے بعد رجوع بھی ہو سکتا ہے) تو وہی

الطلاق مرتان فامساک مبعوث

اوقتس یو با حسان

طلاقین بین جو) دود فدا کر کے دی جائیں (پھر دود)

طلاق کے بعد یا تو دستور کے مطابق (زوجیت بین)

رکھتا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دیتا،

لیکن جب تیسری یا رطلاق دیدی تو وہ عورت اسپر بالکل حرام ہو گئی اور اس کے

بعد میان بی بی بین سے ہر ایک کو اپنا شریک زندگی تلاش کرنا چاہیے،

فان طلقھا فلا یحل لہ من بعد اب اگر عورت کو تیسری بار اطلاق دیدی تو اس کے

بعد جب تک عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے

اس کے لیے حلال نہیں (ہو سکتی)

لیکن جب بی بی دوسرے شوہر کا تجربہ کر چکے تو اس کے بعد پہلا شوہر دوسری

اس سے نکاح کر سکتا ہے

فان طلقھا فلا یحل لہ من بعد

ہاں اگر دوسرا شوہر ہم بستر ہو کر اسکو طلاق دیدے

میترا جعلا ان ظنا ان یقیم احد و اللہ

تو دونوں (میان بی بی) پر کچھ گناہ نہیں کہ دھپس

و تلک حد و د اللہ یبینما لفق و یقلون

ایک دوسری کی طرف رجوع کر لین بشرطیکہ دونوں کو

توقع ہو کہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدوں پر قائم رہ سکیں گے

اور یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں جن کو لوگوں

کے لیے بیان فرماتا ہے جو مصاحف خانہ داری کو سمجھتے ہیں

امام مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک

میں تین طلاقین ایک ہی طلاق شمار کی جاتی تھیں اور یہ (اللہ اعلم) اس بنا پر تھا کہ

اگر شوہر کو یہ اجازت دیدی جائے کہ وہ ایک ہی بار میں اپنی بی بی کو اپنے اوپر بالکل ختم

طور پر حرام کر لے تو اُس سے وہ فوائد و خصوصیات بالکل معدوم ہو جائیں گی جو قرآن مجید کی اُن آیتوں سے نکلتی ہیں جن میں دوبارہ کی طلاق میں رجعت کی اجازت ہے اور یہی بار کی طلاق میں عورت بالکل حرام کر دی گئی ہے

(۱۰) قرآن مجید نے علیحدگی کی اور چند صورتوں کا جو زمانہ جاہلیت میں طلاق سمجھی جاتی تھیں ذکر کیا ہے اور ان کا ایک نظام قائم کر دیا ہے

(۱۱) ان میں پہلی صورت ایلا کی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ شوہر یہ قسم کھائے کہ وہ اپنی بی بی سے مقاربت نہ کرے گا، چنانچہ اُس کے متعلق خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

لَّذِينَ يُولُونَ مِنْ نَسَائِهِمْ مَرَبَّصًا  
اربعة اشهر فان فاع وان فان الله  
غفورا ررحيما وان عزموا لطلاق  
فان الله سميع عليم (بقرہ ۲۸)

اس آیت کی ترتیب نظام سے ظاہر ہوتا ہے کہ شارعؑ نے شوہر کے لیے ایک ایسی انتہائی مدت مقرر فرمادی ہے، جس کے گزرنے سے پہلے وہ اپنی قسم کی حفاظت کر سکتا ہے لیکن اگر اس مدت میں رجوع کر لے تو خدا اس کو قسم کے مواخذہ سے جیسا کہ اس سے پہلے کی آیت سے ثابت ہوتا ہے بری کر دیگا،

ولا تجعوا لله عرسه لا ميا سكر  
ان تيموا وفتقوا و تصالحوا  
بين الناس والله سميع عليم  
لا يواخذكم الله بالفسق

اور خدا کو کوئی نام کو لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے اور پہنیز گاری رکھنے اور لوگوں میں ملاپ کرانے کا مانع (و فرام) نہ ٹھہراؤ اور اللہ سناتا اور جاننا ہے تمہاری قسمیں میں بیچ لائیں (تسین) ہیں ان پر خدا تم سے

ایمانکم ولکن یں اخذ کم با کسبت  
کچھ مواخذہ کرنا نہیں لیکن ان قہمون پر تم سے دھوکا  
قلوبکم واللہ غفور رحیم  
مواخذہ کریگا جو بھارے دلی ارادہ سے ہوں اور اللہ

بخشنے والا بردبار ہے

(۲) دوسری صورت ظہار کی ہے یعنی اہل عرب کے نزدیک عورت کے حرام  
کرنے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ شوہر اپنی بی بی کو یہ کہہ کر اپنے اوپر حرام کر لیتا تھا کہ تو میرے  
مان کی بیٹی کے مثل ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی،

فتد سمع اللہ قول الی تجادلک  
فی زوجیما وفتنکی الی اللہ واللہ  
سمیع عجاوہ کما ان اللہ سمیع بصیر  
الذین یظاہرون منکم من  
نسائکم ما من امہتہم ان امہتہم  
الا الی ولدکم ان ہم لیفقون منک  
من القول وزوران اللہ  
لعفو غفور والذین یظاہرون  
من نسائکم من یعودون لکم  
قالوا فتحریر رقبة من قبل  
ان یتما ساذکم لکن عطفون بہ  
واللہ بما تعملون خبیر فمن لم یجد  
فصیا من شہرین متتابعین

(اے پیغمبر) اللہ نے اس عورت (خولہ بنت ثعلبہ)  
کی بات سُن لی جو اپنے شوہر (اوس بن صامت)  
کے بارے میں تم سے جھگڑاتی اور خدا سے فریاد کرتی  
تھی اور اسے تم دونوں کی گفتگو سُن رہا تھا بیشک  
اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے، (مسلمانو! جو لوگ  
تم میں سے اپنی بی بیوں کے ساتھ ظہار کر بیٹھیں  
وہ دیکھ، ان کی مائیں (توہین) نہیں، ان کی مائیں  
تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہو دیا، ہاں اپنی بی  
مان کہہ بیٹھنے سے، انہوں نے ایک بیوہ اور چھوٹی بی  
کمی اور بیشک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے  
اور جو لوگ اپنی بی بیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر لوگوں  
وہی کام کرنا چاہتے ہیں جبکہ کہہ چکے ہیں کہ نہیں کرے گا  
تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے (دو ایک ایک عام

من قبل ان يتأسأ فن لم يستطع  
فأطعم مسكيناً ذلك لتقنوا

بالحق ورسوله

(مجادلہ ع ۱)

*Handwritten signature/initials*

آزاد کرنا دیا ہے مسلمانوں! تم کو نصیحت کی جاتی ہو  
تاکہ اس پر کاربند رہو (اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ کو  
اس کی سب خبر ہو پھر جسکو ظلام میں نہ تو ایک  
دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے (درد) لگاتا رہے  
دو مہینے کے روزے (رکھے) اور جس سے یہ نہ ہو سکے  
وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے یہ حکم (اس لیے  
دیا جاتا ہے) کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر  
(پورا پورا) ایمان لے آؤ،

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ شریعت نے طلاق کا جو نظام قائم کیا ہے وہ ایک ایسا  
بہترین نظام ہے کہ اگر اس کی پابندی کی جائے تو اس میں بھلائی ہی بھلائی ہے کیونکہ  
میان بی بی کے اختلاف کی بنا پر اگر سخت ناگواری کی صورت پیدا ہو جائے تو اس نظام  
کے رُوسے شوہر کیلئے بی بی کے ساتھ رہنا لازمی نہیں ہو، لیکن اسی کے ساتھ علیحدگی کا  
معاملہ بھی ایسا آسان نہیں کہ بغیر ضمانت و کفالت کے طے ہو جائے،  
اگر عورت کا شوہر مر جائے تو شارع نے اس پر یہ فرض کیا ہے کہ وہ اس کا سوگ  
کے چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

والذین مینق ذن منکم ویدرون

ازواجاً بیتاً بصن بانفسھن اربعۃ

اشھد و عشراً فاذا بلغن اجلھن

فلا جناح علیکم فیہن فعلن

اور تم میں جو لوگ مرد ہیں اور بی بیان چھوڑ دیں تو  
(عورتوں کو چاہیے کہ چار عینے اور دس دن اپنے  
ثین روکے رکھیں پھر جب اپنی (عدت کی) مدت پوری  
کر لیں تو جائز طور پر جو کچھ اپنے حق میں کریں اس کا



فی انفسھن بالمعروف والہ بما  
نعملون خبیر،  
(اور انان سیت پر کچھ الزام نہیں اور تم لوگ جو کچھ  
دیکھی کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہو)

اور اس کا یہ حق قرار دیا کہ وہ اگر چاہے تو مسلسل میں ایک سال تک قیام  
کر سکتی ہے اور اس حالت میں اس کے مصارف شوہر کے ترکہ سے ادا کیے جائیں گے،

والذین یتقون منکم وہ الذین یرون  
اور جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور بی بیان چھوڑ دیں

انہو اجا وصیۃ لاذوا حصہ متاعا  
تو اپنی بی بیوں کے حق میں ایک برس تک کے سلوک

الی الحول غیر لخر اج فان خرجن  
(یعنی نان و نفقہ) اور (گھر سے) نہ نکالنے کی وصیت

فلا جناح علیکم فی ما فعلن  
کر میں پھر اگر عورتیں (از خود گھر سے نکل کھڑی

فی انفسھن من معروف  
ہوں تو جائز باتوں میں سے جو کچھ اپنے حق میں

واللہ عزیز حکیم،  
کرین اس کا تم پر کچھ گناہ نہیں اور اللہ زبردست

(اور حکمت والا ہے)

مختصر سے غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں کوئی تضاد نہیں  
ہے کیونکہ پہلی آیت میں عورت کے فرض کا ذکر ہے، اور دوسری آیت میں اس کے  
حق کا تذکرہ ہے

اور ایسی عورتوں کے ساتھ کھلم کھلا نکاح کی بات چیت کرنے کی ممانعت کی  
البتہ کنایتہ و تعریضاً اس کی اجازت دی

ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ  
اور اگر تم کسی بات کی آڑ میں (ان عورتوں کو نکاح کا

من خطبۃ النساء) اور اکہفتم فی انفسکم  
پیغام دیا اپنے دل میں چھپاے رکھو تو اس میں

عالم اللہ انکم مستثمرون و فہم و لکن لا  
(بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں (اللہ کو معلوم ہے کہ تم کو

تقوا وعدوهم سرا الا ان تفتولوا  
قولا معروفا ولا تغرموا عقدة  
النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله  
واعلموا ان الله يعلم ما في انفسكم  
فاخذوا زوجه واعلموا ان الله غفور  
حليم

ان عورتوں سے نکاح کر لینے کا خیال آئیگا  
(سو مضائقہ کی بات نہیں) اگر ان سے (نکاح کا)  
ٹھکانہ تو چیکے سے بھی زکریا مان جائز طور پر بات  
کہ گزرو (تو کچھ حرج کی بات نہیں) اور جب تک  
سعاد مقرر (یعنی حدت) اختتام کو نہ پہنچے  
عقد نکاح کی بات کلی نہ کر بیٹھنا اور جانے نہ ہو کہ  
جو کچھ تھارے جی میں ہو اللہ اسکو اجانتا ہے تو

اس سے آگے نہ بڑھنا

قرآن مجید نے مطلقہ مان سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے لڑکے کو دودھ پلائے  
والوالدات یرضعن اولادھن  
حولین کاملین لمن اراد ان یتیم  
الرضاعة وعلی المولود له زکون  
وکسوتمن بالمعروف لا تکلف نفس  
الا وسعها لاتضر والدة بولدھا  
ولا مولود له بولدة وعلی الوارث  
مثل ذلک فان اراد فصالا عن  
ستراض منها وقتنا ورفلا جناح  
علیہا وان اردتم ان تسترضعوا  
اولادکم فلا جناح علیکم اذا سلمتم  
ما آتیتم بالمعروف والتقوا الله

اور جو شخص (بی بی کو طلاق دیے پیچھے اپنی اولاد کو)  
پوری مدت تک دودھ پلانا چاہئے تو اس کی خاطر  
مائیں اپنی اولاد کو پورے دوبرس دودھ پلائیں اور  
جس کا وہ بچہ ہے (یعنی باپ) اس پر وہ شوریہ کے  
مطابق ماؤن کا کھانا کھلا دینا لازم ہو (نان و نفقہ  
کے ٹھکانہ میں کسی کو تکلیف نہ دی جائیگی مگر وہیں تک  
کہ اس کی گنجائش ہو (نان کا) اس کے بچہ کی وجہ سے  
نقصان نہ پہنچایا جائے اور نہ اس کو جس کا بچہ ہو  
(یعنی باپ کو) اسکے بچہ کی وجہ سے (کسی طرح کا  
نقصان پہنچایا جائے) اور دودھ پلانے کا  
نان و نفقہ جیسا اہل باپ پر دیا (اُس کے ارشاد)

واعلموا ان الله بما تعملون بصير

پھر اگر وقت سے پہلے ان باپ) دونوں اپنی مرضی

وصلاح سے (دودھ) چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ

نہیں اور اگر تم اپنی اولاد کو کسی دایہ سے (دودھ

پلوانا چاہو تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ

جو تم نے دستور کے مطابق (ان کو) دینا کیا تھا (ان کے

حوالے کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے ہو کہ

جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے

نظام منزلی کے سلسلے میں قرآن مجید میں اور چند چیزیں مذکور ہیں

(۱) ایک تو یتیموں کی سرپرستی و صلاح کے احکام، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا

اور اسے پیغمبر لوگ) تم سے یتیموں کے بارے میں

دیانت کرتے ہیں (تو ان کو) سمجھا دو کہ جس میں ان

(یتیموں) کی بہتری (ہو وہی) بہتر ہو اور اگر ان سے

زل جمل کر رہو تو (وہ) تمہارے بھائی ہیں (کوئی غیر نہیں)

وَسِيعَ لَوْلَاكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قَتْلٌ

اصلاح لهم خيرا وان تحالطوهم

فاخف انكم

اور فرمایا،

اور یتیموں کے مال ان کے حوالے کرو اور مال طیب کے

برے مال حرام نہ لو اور ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر

غور و برد نہ کرو، کیونکہ یہ (بہت ہی) بڑا گناہ ہے

وَأَنقِ الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا

الْخَبِيثَاتِ بِطَلْبِهَا وَلَا تَكْوِلُوا أَمْوَالَهُمْ

إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ لَئِنْ كَانَتْ هِيَ بِكُمُوبِرًا

اور فرمایا،

اور یتیموں کو دنیا کے کاروبار میں لگاسے ہو یہاں تک

وَابْتَغُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ

فَانْ اَسْتَعْمِلُوهُمْ رَشْدًا فَاذْفَعُوا  
 اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَا اَسْرَافًا  
 وَبِدَارًا اَنْ يَّكْبُرُوا مِنْ كَانْ غَنِيًّا  
 فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ  
 بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ  
 اَمْوَالَهُمْ فَامْتَحِدْ وَاَعْلِيْهِمْ  
 وَكُنْ بِاَللّٰهِ حَسِيْبًا

کہ نکاح کی عمر کو پہنچنا اس وقت اگر ان میں صلاحیت  
 دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کرو اور ایسا نہ کرنا  
 کہ ان کے بڑے ہونے کے اندیشے سے فضول خرچی  
 کر کے جلدی جلدی ان کا مال کھا رہی ہو اور اور جو  
 (دلی سرپرست) بامقصور ہو اسے (مالِ یتیم کے  
 اپنے اوپر خرچ کرنے سے بچا رہنا چاہیے اور جو صاحب  
 ہو وہ دستور کے مطابق (بقدر ضرورت) کھالے (تو  
 مضائقہ نہیں) پھر جب ان کے مال ان کے حوالے  
 کرنے لگو تو (لوگوں کو) ان کے مال کے لینے کا  
 گواہ کر لو ورنہ حساب لینے کو (تو حقیقت میں) اللہ سب سے

### اسکے بعد سنایا،

وَالْجَنَاحُ الذِّیْنَ لَوْ تَرَکُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ  
 ذَرِیَّةً ضَعْفًا عَظَمًا فَاَعْلٰیهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ  
 وَلْيَقُوْا اَقْرَبَ لَا سَدِیْدٍ اِلَّا الَّذِیْنَ  
 یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی هٰی ظُلْمًا  
 اَعْمٰیًا کُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ مَّا رَا  
 وَیَصِیْلُوْنَ سَعِیْرًا

اور وارثانِ حق کو ڈرنا چاہیے کہ اگر دُخود اپنے  
 (مرے) پیچھے اولاد ضعیف چھوڑ جائیں تو ان کے  
 حال پر ان کو (کیسا کچھ) ترس (نہ) آتا تو چاہیے  
 کہ (غواہ کے ساتھ سختی کرنے میں) اللہ سے ڈریں  
 اور (ان سے) سیدھی طرح بات کریں جو لوگ نافع  
 (ناروا) یتیموں کے مال خورد ہو کر رہتے ہیں وہ اپنے  
 پیٹ میں بس انگارے بھرتے ہیں اور غرقِ برب  
 (مرے پیچھے) دوزخ میں پڑیں گے

اور یتیموں کے متعلق جو احکام دیے اُن کے سلسلے میں فرمایا،  
وان تقم موا لیتنا ہنی بالقسط اور (خاص کر) یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف  
کو ملحوظ رکھو

(۲) دوسرے وصیت چنانچہ ارشاد ہوا،

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک حبرا الوصیۃ للوالدین والاکثر منہن بالمعروف حقا علی المتقین فمن بدله من بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ ان اللہ سمیع علیم فمن خاف من موص حنفًا واثما فاصلح مبینہم فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم

(مسلمانو! تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آجود ہو (اور) وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو ان باپ اور شہداء (اور) کے لیے واجب طور پر وصیت (کرمے) جو (خدا سے) ڈرتے ہیں اُن پر (اُن کے اپنوں کا یہ ایک حق ہے) پھر جو وصیت کئے پیچھے اُسے کچھ کا کچھ کرے تو اس کا گناہ ان ہی گون پر ہے جو وصیت کو بدلین بیشک اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے اور جسکو وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی خاص شخص کی (طرفداری یا کسی کی) حق تلفی کا اندیشہ ہوا ہو اور وہ وارثوں میں سے ہو کر اسے (تو اسی صورت میں وصیت کے بدلنے کا) بہرہ کچھ گناہ نہیں بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

اور حدیث میں بھی اسی مفہوم کی تائید کی گئی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،  
ما حق امرئ مسلم لہ ہشئ یرید ان یوصی فیہ یردیت لیلۃ الا وصیۃ

ایک مسلمان کا جسکے پاس کچھ مال ہو اور وہ اُس کی وصیت کرنی چاہتا ہو صرف یہ فرض ہے کہ وہ رات

مکتوبہ عندہ

بسر کرے تو اس کی وصیت اُس کے پاس لکھی ہوئی

موجود رہنی چاہیے

(۳) تیسرے آداب استیذان یعنی کسی کے گھر آنے جانے کے طریقے چنانچہ

خداوند تعالیٰ نے فرمایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ

بَيْتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا

عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ

تَتَذَكَّرُونَ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا

فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا

حَتَّىٰ يَخْرُجَ إِلَيْكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ

ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هَٰذَا ذِكْرٌ لَّكُمْ

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ لَّيْسَ عَلَيْكُمْ

جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتَ غَيْرِكُمْ

مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

مَا تَبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ

مسلمانو! اپنے گھروں کے سوا (دوسرے) گھروں میں

گھر والوں سے پوچھے اور اُن سے سلام علیک کے بعد

نہ جایا کرو یہ تمہاری حق میں بہتر ہے یہ حکم تم کو اس غرض

سے دیا گیا ہے کہ جب ایسا موقع ہو تو دم، اس کا خیال

رکھو، پھر اگر تم کو معلوم ہو کہ گھر میں کوئی آدمی موجود نہیں

تو جب تک تھیں (خاص) اجازت نہ ہوا میں

نہ جاؤ اور اگر گھر میں کوئی ہوا اور تم سے کہا جائے

کہ (اس وقت موقع نہیں) لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ،

یہ (لوٹ آنا) تمہارے لیے زیادہ صفائی کی بات

ہے اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس کو جانتا ہے

غیر آباد مکانات میں جن میں تمہارا سبب ہو اُن میں

(بے اجازت) چلے جانے سے تم پر کچھ گناہ

نہیں اور جو کچھ تم علانیہ کرتے ہو اور جو کچھ چھپا کر کرتے

ہو اللہ (سب) جانتا ہے

اور فرمایا،

یا ایہا الذین آمنوا ایستأذنکم  
الذین ملکت ایمانکم والذین لم  
یباغوا الحکم منکم ثلاث مرات من  
قبل صلوة الفجر وحين تضعون  
ثیابکم من الظہیرة ومن بعد  
صلوة العشاء ثلث عورات لکم  
لیس علیکم ولا علیہم جناح  
بعد من، طوافون علیکم بعضکم  
علی بعض کذلک یدبین اللہ لکم  
آیاتہ واللہ علیم حکیم

اور فرمایا،

فاذا دخلتم بیوت فافسلوا علی  
انفسکم بحتیة من عند اللہ مبارکة  
طیبة

مسلمانو! تمہارے ہاتھ کے مال (یعنی نوپڑھی غلام)  
اور تم میں سے جو (حد) بلوغ کو نہیں پہنچے، تین  
وقتوں میں (تمہارے پاس آنے کی) تم سے اجازت  
لے لیا کریں (ایک تو نماز صبح سے پہلے اور دوسرا  
جب تم دوپہر کو (سوئے) کے لیے معمول کے مطابق،  
کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد  
(یہ) تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں،  
ان (اوقات) کے سوا نہ (تو بے اذن آنے دینے  
میں) تم پر کچھ گناہ اور نہ (بے اذن چلے آنے میں،  
ان پر کچھ گناہ کیونکہ وہ اکثر تمہارے پاس آتے  
جاتے رہتے ہیں) اور تم میں سے بعض کو (یعنی نوپڑھی  
غلاموں کو) بعض (یعنی تمہارے) پاس آنے جانے  
کی ضرورت لگی ہی رہتی ہو (تو بار بار اذن مانگو میں  
تم کو بڑی تکلیف ہوگی) یوں اللہ (اپنے) احکام تم سے  
کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

تو جب گھر دین میں جانے لگو تو اپنے (لوگوں) کو سلام  
کر لیا کرو (سلام ایک) دعا ہے (خیر) جو تم مسلمانوں کے  
خدا کی طرف سے (تعلیم کی گئی ہے) برکت والی عمدہ،

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاٹنا ہمارے مبارک کی نسبت خصوصیت کے ساتھ فرمایا،

یا ایھا الذین آمنوا لا تخلقوا بیوت  
الذی الا ان یؤذن لکم الی طعامہ  
غیرہ  
فاذخلوا انما اذا طعمتم فامتشروا  
ولا مستانفسین الحدیث ان ذلکم  
کان ینذی الذی فیستغنی منکم واللہ  
لا یستغنی من الحق

مسلمانو! پیغمبروں کے گھر دن میں نہ جایا کرو مگر یہ کہ  
تم کو کھانے کے لیے (انے کی) اجازت دیجائے  
تو اس صورت میں ایسا وقت تاک کر جاؤ کہ تم کو  
کھانے کے پیار ہوئے کا انتظار نہ کرنا پڑے مگر جب  
تم کو بلایا جائے تو دین و حق پر جاؤ اور جب کھا چکی  
تو چل دو اور باتوں میں نہ لگ جاؤ اس سے پیغمبر کو  
ایذا ہوتی تھی اور وہ تمھارا لحاظ کرتے تھے اور اللہ  
تو حق بات کے کہنے میں کسی کا کچھ لحاظ کرتا نہیں

(۴) چوتھے آداب حجاب یعنی پردہ کے طریقے، پردے کی دو قسمیں ہیں ایک  
تو وہ جو عورت کے لباس اسباب آرائش، اور مرد کی طرف اس کے دیکھنے اور اس کی  
طرف مرد کے دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، دوسرے وہ جو عورت کے گھر سے نکلنے اور  
کاروبار میں مرد کے ساتھ شریک ہونے سے متعلق ہے، ان دونوں قسموں میں سے پہلی  
صورت کے متعلق خداوند تعالیٰ نے فرمایا،

وقتل لہن منات لیغضضن من  
ابصارہن ویحفظن فروجہن ولا  
ولا یتبدین زینتہن الا ما ظہر  
منہا ولیضربن بخمیس علی  
جہن ین ین ین زینتہن

اور (اے پیغمبر) مسلمان عورتوں سے کہو کہ (وہ بھی)  
اپنی نظریں نیچی کھین اور اپنی شرکاء ہون کی حقیقت  
کو نہ اور اپنی زینت (کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے  
دین مگر جو اس میں سے چاروں چار کھلا رہتا ہے  
(تو اس کا ظاہر ہونے دینا مضائقہ کی بات نہیں)



اَلَا لَبَعْلَتُهُنَّ اَوَاٰبَا تَهُنَّ اَوَا مَبَا ۶  
 بَعْلَتُهُنَّ اَوَا بَنَاتُهُنَّ اَوَا بَنَاتُ بَعْلَتُهُنَّ  
 اَوَا حَنُو اَتَهُنَّ اَوَا بَنِي اَتَهُنَّ  
 اَوَا بَنِي اَتَهُنَّ اَوَا نَسَا تَهُنَّ اَوَا  
 مَمْلَكَتُ اِيْمَا تَهُنَّ اَوَا لَتَا بَعِيْن عَنِيْر  
 اَوَا لِيْ اَلرَّبَّةِ مِّنَ السَّرَجَالِ  
 اَوَا لَطْفَلِ الذِّمِيْنَ لَمَّا يَنْظُرُوْا  
 عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضُرُّهُنَّ  
 بَا رِحْلَتُهُنَّ لِيَعْلَمَ مَا يَخْفِيْنَ مِنْ  
 زِيْنَتُهُنَّ وَتَقُوْا اِلٰى اللّٰهِ جَمِيْعًا  
 اِيْمًا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تَقْلَحُوْنَ،

اور اپنے سینوں پر دوپٹوں کے بگل مارے رہیں  
 اور اپنی زینت کے مقامات (کو کسی پر) ظاہر نہ  
 دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے خاوند  
 کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر  
 یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر  
 یا اپنی بیٹی یا بیٹی کی عورتوں پر یا اپنے اہل  
 مال (یعنی لونڈی غلاموں) پر یا (گھر کے گے ہوئے  
 ایسے خدمتوں پر کہ مرد تو ہیں مگر عورتوں سے بچ کر)  
 غرض (و مطلب) نہیں رکھتے (جیسے خواجہ سرا یا بیٹے  
 پھوس) یا لڑکوں پر جو عورتوں کے پردے کی بات  
 سے آگاہ نہیں اور دہلنے میں اپنے پانوں ایسے  
 زور سے دھکیں کہ (لوگوں کو) اُن کے اندرونی زیور  
 کی خبر ہو اور مسلمانو! تم سب اللہ کی جناب میں  
 توبہ کرو کہ تم (آخر کار) فلاح پاؤ،

اور فرمایا،

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قَتْلُ لَا زَوَاجِكَ  
 وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ  
 عَلَيْهِمْ مِّنْ جَلَدٍ مِّمَّيْنِ ذَلِكَا دُنِيَ اَنْ  
 يَعْرِفُوْا فَاِلٰى ذِيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

اے پیغمبر! نبی! بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے  
 کہہ دو کہ اپنی چادر کے گھونگھٹ نکال لیا کریں اس سے  
 غالباً یہ (الگ) پہچان پڑیں گی کہ نیک بخت ہیں،  
 اور کوئی چھپیر ٹیگا نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

اور فرمایا،

والفق اعلم من النساء اللاتي  
لا يرجون زكاحاً فليس عليهن جناح  
ان يضعن ثيابهن غير متبرجات  
بزينته وان يستخفن خير لهن  
والله مهيمن عليم،

اور بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی امید باقی نہیں  
درہی، اگر اپنے کپڑے (چادر وغیرہ) اتار رکھیں تو  
اس میں ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ ان کو اپنا  
بناؤ دکھانا منظور نہ ہو اور اگر اس کی بھی احتیاج  
رکھیں تو ان کے حق میں بہتر ہے اور اللہ (سب کی)

سنتا اور سب کچھ جانتا ہے

دوسری صورت کے متعلق ارواحِ مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا،

وہن فی بیوتکن ولا یترجن یتبرج  
الجاء ہلیۃ الاولیٰ،

اور اپنے گھروں میں بٹھری رہو اور اگلے زمانہ جہالت کا  
بناؤ سنگار نہ دکھاؤ

اور ان کے بارے میں ارشاد ہوا،

واذا سألتموهن متاعاً فاسئلهن  
من وراء حجاب ذلكم اطهر  
لقلوبکم وقلوبھن وما کان  
لکم ان تقولوا رسول اللہ ولا ان  
تسکھوا ازواجه من بعدہ ابداً  
ان ذلكم کان عند اللہ عظیماً،

اوجہ پیغمبر کی بی بیوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے  
کے آڑ سے مانگو اس سے تمہارے دل (ان کی طرف)  
خوب پاک (صاف) رہیں گے اور اسی طرح ان کے  
دل بھی، اور تم کو شایان نہیں کہ رسول خدا کو یا ان کے  
اور نہ یہ (بات شایان ہے) کہ ان کے بعد بھی ان کی  
بی بیوں سے نکاح کرو خدا کے نزدیک یہ بڑی

ریجا، بات ہے

## نظام وراثت

اصول قرابت کے موافق اہل عرب کے یہاں وراثت کا عام رواج تھا، اور اس اصول کے مطابق میت کا وارث اس کا سب سے قریبی قرابت دار یعنی بیٹا ہوتا تھا جو اس کی مدد کرتا تھا، ایسی وجہ ہے کہ وراثت صرف مردوں یعنی بیٹوں تک محدود تھی، کیونکہ یہی لوگ تلوار اٹھاتے تھے اور خاندانی شرف کی حفاظت کرتے تھے اور لوگوں کے ہوتے ہوئے ان کے علاوہ اور کسی کو ترکہ سے کوئی حصہ نہیں ملتا تھا، لڑکے کا قائم مقام صرف میت کا باپ ہو سکتا تھا جو اس کے بعد میت کا سب سے قریبی قرابت دار تھا، پھر باپ کے بعد بھائی، اور بھائی کے بعد چچا و دہم جبراء،

اسلام آیا تو اس نے بھی اسی اصول کو قائم رکھا، لیکن چونکہ وہ ایک ایسی امت اسلامیہ پیدا کرنا چاہتا تھا جس کے افراد ایک مضبوط رشتے میں مربوط ہو جائیں، اس لیے اس نے اس اصول کی بنیاد اسلام اور ہجرت پر قائم کی، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

|                             |  |
|-----------------------------|--|
| ان الذین آمنوا وھاجروا      | جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرتیں کیں اور      |
| وجھاد دابوا للھم            | اللہ کے رستے میں اپنے جان و مال سے جہاد کئے اور    |
| وانفسھم فی سبیل اللہ والذین | جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی)        |
| اولاد و اولاد اولئک بعض     | مدد کی یہی لوگ ہیں ایک کے وارث ایک اور جو لوگ      |
| اولیاء بعض والذین           | ایمان تو لے آئے اور ہجرت نہیں کی تو تم مسلمانوں کو |
| آمنوا و لھم بھیاجروا مالکم  | ان کی وراثت سے کچھ تعلق نہیں یہاں تک کہ ہجرت       |

من ولا تہمس شیء حتی یتھیبوا جہرا  
وان استنصر وکم فی الدین فعلیکم  
النصر الا علی قومی بینکم و بینہم  
سیناق ولا یاتعلون بصیر  
والذین کفروا بعضہم اولیاء  
بعض الا تفعلوا تکن فتنة فی الارض  
و فساد کبیر والذین آمنوا  
وہاجروا وجاہدوا فی  
سبیل اللہ والذین اووا و نصروا  
اولئک ہم المؤمنون حقاً  
لہم مغفرة و رزق کریم  
والذین آمنوا امن بعدا و ہاجروا  
وجاہدوا معکم فاولئک منکم

کر کے تم میں (نہ) آئیں ایمان اگر دین کے بارے میں  
تم سے طالب مدد ہوں تو تم کو ان کی مدد کرنی لازم  
ہو تا کہ اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان  
(صلح کا احمد و بیان) ہوا اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ  
اسکو دیکھ رہا ہے اور کافر ایک کے اور رش ایک رش کے  
ایک دوسرے کی میراث لینے دو اگر ایسا نہ کرو گے  
تو ملک میں شورش پھیل جائے گی اور بڑا فساد ہو گا  
اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور  
اللہ کے رستے میں جہاد بھی کیا اور جن لوگوں نے  
(جہاد میں) کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی  
پکے مسلمان ہیں ان کے لیے (گناہوں کی) معافی  
ہو اور عزت (آبرو) کی روزی اور جو لوگ بعد کو  
ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور تم مسلمانوں کے  
ساتھ ہو کر جہاد بھی کیے تو وہ بھی یمن داخل ہیں

اور اس قانون کے رو سے جہاد اور ان لوگوں کے درمیان جو ایمان نہیں لائے  
یا ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی وراثت کا تعلق منقطع ہو گیا،

اس کے بعد یہ وراثت اقرب فالاقرب کے اصول کے مطابق معتبر کی

چنانچہ ارشاد ہوا،

دا ولوا الارحام بعضہم اولى ببعض اور رشتہ دار اللہ کے حکم کے مطابق ایک دوسرے

فی کتب اللہ ان اللہ کان بکل شی  
علیم

(کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں بیشک اللہ ہر چیز  
سے واقف ہے

والاولیاء ارحامہم ارحامہم ان لی  
بعض فی کتب اللہ من المومنین  
والمہاجرین الا ان تفعلوا الی اولیاءکم  
معدوفا کان ذلک فی الکتاب مسطورا

اور رشتہ دار کتاب اللہ کے رو سے تمام مسلمانوں  
اور مہاجروں سے بڑھ کر ایک کے حقدار ایک ہیں  
مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہو  
(تو وہ بات دوسری ہی یہی حکم کتاب میں لکھا ہوا ہے)

اور فرمایا،

ولکل جعلنا موالی ہما ترک الی اللہ ان  
والا قریب والذین عقدت ایمانکم  
فالقہم فضیلتهم ان اللہ کان علی  
کل شئی شہیدا

مرد اور جو (ترکہ) مان باپ اور رشتہ دار چھوڑ دیں  
تو ہم نے ہر ایک (مرد) کے واسطے کی میراث کے  
حقدار ٹھہرا دیے ہیں اور جن لوگوں کے ساتھ  
تھہارا عہد و پیمان ہو تو (بطور خود) ان کا حصہ  
ان کو بھی دیدہ ہر چیز خدا کے سامنے ہے

اس آیت کی رو سے بیٹ کا ترکہ اس کی اولاد کے بعد اس کے سب سے قریبی  
رشتہ داروں یعنی باپ، مان، اقربا اور ان لوگوں کو ملتا تھا جن سے رشتہ داری کا  
عقد و پیمان کیا گیا تھا، اور اس عقد و پیمان کی صورت یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں ایک  
شخص کسی دوسرے آدمی سے رشتہ داری کا معاہدہ اس شرط پر کرتا تھا کہ دونوں باہم  
ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اسلام  
بھی اس کو قائم رکھا اور اصطلاح میں اسی کو ولار الموالات کہتے ہیں  
اس کے بعد جاہلیت کا وہ اصول توڑ دیا جس کے رو سے ترکے صرف مرد کو

ملتے تھے، چنانچہ فرمایا،

للرجال نصيب مما ترك الوالدان

والاقتربون وللنساء نصيب مما

ترك الوالدان والاقتربون

مما قل منه او اكثر نصيبا مفروضا

(اور یہ حصہ ہمارا، ٹھہرا ہوا ہے)

اور یہ تمام عام اصول ہیں خداوند تعالیٰ نے ہر وارث کے حصہ کی تفصیل نہیں

کی ہے، جسکی وجہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں یہ ہے کہ احکام فقہی میں قرآن مجید نے

تدریج و آمستگی کو ملحوظ رکھا ہے،

خداوند تعالیٰ نے پہلے صاحب مال کو یہ حکم دیا کہ اپنے مال میں سے جو کچھ وہ اپنے

مان باپ اور دوسرے رشتہ داروں کو دینا چاہتا ہے، خود بیان کر دے، اسی بنا پر آیت

وصیت جسکو ہم پہلے لکھ آئے ہیں نازل کی اس کے بعد خود اس حصے کی تفصیل کی جو

اولاد اور ان کے علاوہ دوسرے رشتہ میں ہر ایک کو ملنا چاہیے اور جس صورت میں

میت کے ساتھ تمام ورثہ کی رشتہ داریاں یکساں حیثیت کی ہوں اس حالت میں اثاث

پر ذکور کی فضیلت کے اصول کو ملحوظ رکھا، البتہ اجنبی بھائی اور بہنوں کے متعلق اگرچہ

کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے تاہم ظاہر قرآن سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ سب کے سب

وراثت میں برابر کے حقدار ہیں خداوند تعالیٰ نے اولاد کی وراثت کے متعلق فرمایا،

یوصیکم اللہ فی اولادکم الذکر

(مسلمانو! تمھاری اولاد کے حصوں کے بارے میں

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ

دیا کر دو) پھر اگر لڑکیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو

مثل حظ الاُنثیین فان کن نساء

شوق اشتدیتین فلھن ثلثا مسا

ترک وان کانت واحدة فلها المصنف  
ترکے مین اُن کا حصہ، دو تہائی، اور اگر کیلی ہو  
تو اس کو آدھا،

### اور مان باپ کی وراثت کے متعلق فرمایا،

ولا بیہ لکل واحد منهما السدس  
مما ترک ان کان له ولد  
فان لم یکن له ولد وورثہ  
ابی الا خلاصہ الثلث فان کان  
له اخوة خلاصہ السدس  
اور بیٹے کے لئے ایک اور بیٹی کے لئے ایک  
ترکے کا چھٹا حصہ اس صورت میں کہ بیٹے کی اولاد  
ہو اور اگر اُس کے اولاد نہ ہو اور اس کے وارث نہ ہوں  
مان باپ ہوں تو اس کی مان کا حصہ ایک تہائی،  
(باقی باپ کا) پھر اگر مان باپ کے علاوہ بیٹے کے  
(ایک سے زیادہ) بھائی (یا بہنیں) ہوں تو مان کا چھٹا حصہ

### اور میان بی بی کی وراثت کے متعلق فرمایا،

ولکم نصف ما ترک ازواجکم  
ان لم یکن له ولد فان کان لہن  
ولد فلکم الربع مما ترکن .... ولہن  
الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد  
فان کان لکم ولد فلیہن الثمن مما  
ترکتم،  
اور جو (ترک) بھاری بی بی بیان چھوڑیں اگر ان کے  
اولاد نہ ہوں تو ان کے ترکے میں بھارا آدھا اور اگر ان کے اولاد ہو تو  
ترکے میں بھارا چوتھائی اور تم کچھ (ترک) چھوڑو فواد  
بھاری کوئی اولاد نہ ہو تو بیبیوں کا (حصہ) چوتھائی  
اور اگر بھارے اولاد نہ ہو تو بھارے ترکے میں بیبیوں کا  
آٹھواں (حصہ)

### اور مان کی اولاد کی وراثت کے متعلق فرمایا،

وان کان رجل یورث کلالۃ ای  
امراة ولہ اخ او اخت فکل واحد  
اور اگر کسی مرد یا عورت کی میراث ہو اور اس کے  
باپ بیٹا (یعنی اصل و فرع) نہ ہو اور (دوسری) بیٹی

منہما السدس فان کان اکثر من  
ذلك فمشرکاء فی الثلث  
اسکے بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا  
(حصہ) اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی  
میں برابر کے سب شریک

اور عصبیاتی بھائی بہنوں کے شریک فرمایا،

میتفقون علی قتل اللہ ینفیکم فی  
الکلالۃ ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد  
ولہ اخت فلہا نصف ما ترک  
وہویرثھا ان لہ دیکن لہا ولد فان  
کانتا اثنتین فلہما الثلثان ممّا  
ترک وان کانوا اخوة رجلا  
ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین  
(نساء ۶۷۶)

دو اے پیغمبر لوگ تم سے کلام کے بارے میں فتویٰ  
طلب کرتے ہیں تو ان لوگوں سے کہہ دو کہ اللہ  
کلام کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد  
میر جائے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ باپ) اور کہ اسی کو کلام  
کہتے ہیں) اور اس کے (حصہ ایک) بہن ہو تو بہن  
کو اس کے ترکہ کا آدھا اور بہن میر جائے اور اس کے  
اولاد نہ ہو تو اس کے سارے مال کا آدھا بھائی یا بھیر  
اگر بہنیں دو ہوں (یا زیادہ) تو ان کو اس کے ترکہ میں  
دو تہائی اور اگر بھائی بہن (ملے جلے) ہوں (کچھ) مرد  
اور کچھ عورتیں تو دو عورتوں کے حصہ کے برابر ایک کا حصہ

لیکن ان وراثتوں کو وصیت اور فرض کے ادا کرنے کے بعد تقسیم کرنے کا حکم دیا،  
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

الحق للفرأئض باھلھا فبقی  
فلأولی رجل ذکر  
ذوی الفروض کا حق پہلے ان کو دیا اس کے بعد جو بچے  
وہ قریبی مرد وراثتہ دار کو دے

اس حدیث سے ان لوگوں کا حق وراثت بھی معلوم ہوتا ہے جن کا ذکر قرآن مجید نے



نہیں کیا یعنی چچا اور بھتیجے،

### مُعَامَلَاتُ

معاملات سے مراد وہ تمام معاہدے ہیں جن کے ذریعہ سے لوگ باہم لین دین کرتے ہیں اور قرآن مجید نے اجمالی اور کلی طور پر ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی تفصیل اُمت محمدیہ کے لیے چھوڑ دی ہے، چنانچہ ان قواعد کلیہ کی تفصیل یہ ہے،  
(۱) خداوند تعالیٰ نے وفا عہد کا عام حکم دیا،

یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود

اور یہ ایک ایسا عام لفظ ہے جو ان تمام ضروری اور لازمی باتوں کو شامل ہے جن کو ایک آدمی دوسرے آدمی کے لیے اپنے اوپر فرض کر لیتا ہے،  
(۲) ناجائز طور پر لوگوں کے مال کے خورد برد کرنے اور اس کو حکام تک رسائی پیدا کرنے کا ذریعہ بنانے سے منع کیا،

ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل  
وتتدلو اہما الی الحکام لتا کلو  
فتریقاً من اموال الناس بالاثم  
وانتم تعلمون

اور آپس میں ناحق (ناروا) ایک دوسرے کے مال کو خورد برد نہ کرو، اور نہ مال کو، حاکمین کے پاس رسائی پیدا کرنے کا ذریعہ گردانو تاکہ لوگوں کے مال میں سے (تھوڑا بہت جو) کچھ (ہاتھ لگے اُسکو) جان بوجھ کر ناجائز طور پر منہم نہ کرناؤ،

اور تجارتی منافع کو جائز قرار دیا،

یا ایہا الذین آمنوا لا تأکلوا اموالکم  
بینکم بالباطل الا ان تكون تجارة

مسلمانو! ناحق (ناروا) ایک دوسرے کے مال کو خورد برد نہ کیا کرو، ان آپس کی رضامندی سے

عن تراض منکم

خرید و فروخت ہو اور اس میں کچھ ہاتھ لگ جائے تو

وہ نادر (نہیں)

چونکہ اس موقع پر یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ انسان کو دوسرے شخص کے ہر قسم کے مال سے گو وہ اس کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو کسی قسم کا فائدہ اٹھانا نہیں چاہیے اس لیے خداوند تعالیٰ نے فرمایا،

لیس علی الاعنی حرج ولا علی الاعرج  
حرج ولا علی المریض حرج ولا  
علی انفسکم ان تا کلو امن بیوتکم  
او بیوت آبائکم او بیوت امہاتکم  
او بیوت اخوانکم او بیوت اخواتکم  
او بیوت اعمامکم او بیوت عماتکم  
او بیوت اخوانکم او بیوت خالاتکم  
او ما ملکتکم مفاتیحہ او صدیقکم  
لیس علیکم جناح ان تا کلو اجمعیا  
(واشتاتاً)

نہ (تو) اندھے آدمی کے لیے کچھ مضائقہ ہے اور نہ  
لنگڑے آدمی کے لیے کچھ مضائقہ ہو، اور نہ بیمار کے لیے  
کچھ مضائقہ ہے اور نہ عموماً مسلمانوں کے لیے اس میں  
کچھ مضائقہ ہے کہ اپنے گھروں سے (کھانا) کھا دیا اپنے  
باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں  
کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی  
پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے مائوں کے گھروں سے  
یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے  
جن کی کھیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے  
گھروں سے (پھر اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں کہ  
سب لڑکھا دیا الگ الگ

(۳) قرآن مجید نے بیچ کا جو باہمی مبادلات میں نہایت اہمیت رکھی ہے خواہ حقیقت  
سے ذکر کیا ہے اور اس کی حلت اور سود کی حرمت بیان کی ہے چنانچہ فرمایا،

الذین ینا کلون الربی الا یتقون  
(جو لوگ سود کھاتے ہیں (تہذیب سے) کھڑے نہیں

الکما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان  
من المس ذلک بانعم قالوا انما البیع  
مثل الربوا واحل الله البیع وحرم  
الربوا

اس کے بعد فرمایا،

یحییٰ اللہ الربوا ویرقی الصدقات  
واللہ لا یحب کل کفار اشیم

پھر فرمایا،

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا  
ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین  
فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من  
اللہ ورسوله وان قتلتم فتلکم رؤس  
اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون  
وان کان ذو عسرۃ فظرة الی  
میسرة وان تصدقوا خیرکم  
ان کنتم تعلمون

اور فرمایا،

یا ایہا الذین آمنوا اتوا کلوا الربا

ہو سکیں گے مگر جیسا کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جب کوئی شخص  
نے اس سے غنیمت جو طالح اس کو دیا ہو یا اس لیے کہ  
انہوں نے کہا کہ جیسا معاملہ بیع کا ہو ویسا ہی معاملہ  
سود کا ہو حالانکہ بیع کو اللہ نے حلال کیا ہو اور سود کو حرام

اللہ سود کو گھٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور جتنے شکر  
ہیں اور کتنا نہیں جانتے خدا ان کو دوست نہیں رکھتا،

مسلمانو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور  
جو سود لوگوں کے ذمے باقی ہے (اسکو) چھوڑ دو  
اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے  
لڑنے کے لیے ہوشیار رہو اور اگر توبہ کرتے ہو تو انہی  
اصل رقم تم کو (یعنی پہنچتی ہے) رقم کسی کا نقصان  
کر دو ورنہ کوئی تمہارا نقصان کرے اور اگر کوئی تمہارے  
(تمہارا قرض) ہو تو فراموشی تک کی مہلت (دو) اور  
اگر کچھ تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس کو  
اصل قرضہ بھی بخش دو

مسلمانو! سود (در سود) نہ کھاؤ کہ اصل میں بل بل کر

صنعاً فامضاعفة،

دوگنا چوگنا (ہوتا چلا جائے)

قرآن مجید نے بیع اور ربو کی حقیقت نہیں بیان کی ہے اور اس معاملہ میں غائبین کے رسم و رواج پر اکتفا کیا ہے، کیونکہ وہ لوگ خرید و فروخت کرتے تھے اور ایک مدت سے اس کے لیے قرض دیتے تھے، چنانچہ جب ادا کے قرض کا زمانہ آتا تھا تو قرض خواہ قرض سے قرض یا سود کا مطالبہ کرتا تھا اب اگر وہ قرض ادا نہیں کر سکتا تھا تو اس پر قرض کو دوگنا کر دیتا تھا، مثلاً اگر ایک سال کی اونٹنی ہوتی تھی تو اس کو دو سال کی اور اگر ایک بیابا کھانا ہوتا تھا تو اس کو دو پیالہ کر دیتا تھا،

قرآن مجید نے یہ بیان کیا ہے کہ سود اس فیاضانہ اصول کے منافی ہے، جس پر شریعت اسلامیہ کی بنیاد قائم کی گئی ہے

اور یہ جو تم لوگ سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال

وَمَا آتَيْتُم مِّن رَّبِّ لَيْسَ بِإِذَا

میں اضافہ ہو تو وہ (سود) خدا کے بیان نہیں بڑھتا اور

أَمْوَالُ النَّاسِ فَلَا مِيرَاجَ لَهَا عِنْدَ اللَّهِ

(وہ جو تم تمھیں خدا کی رضا جوئی کے ارادے سے رکھو

وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ

دیتے ہو تو جو لوگ ایسا کرتے ہیں تو وہی اپنے دیے کو

وَحَبَّ اللَّهُ فَإِنَّ لَكَ هُمُ الْمُضَعِفُونَ

خدا کے ان بڑھا رہے ہیں

اور عرب کے معمول و عادات اور بعض احادیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو لوگ ادا ہو قرض کی استطاعت نہیں رکھتے ان کے لیے قرض کی جو مدت مقرر کی جاتی ہے سود اسی کا معیار ہے قرآن مجید نے جو اہم اصول پیش کیے ہیں ان میں قرض موعجل کی تحریر کا نظام بھی داخل ہے اس کے متعلق قرآن مجید میں سب سے بڑی آیت سورہ بقرہ میں آئی ہے اور نزول کے روزے قرآن مجید کی سب سے آخری آیت یہی ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُتِلْتُمْ  
 بَدَنُكُمْ إِلَىٰ أَجْلِ مَسْئَلَةٍ فَالْتَبِسُوا  
 وَلِيَكُتَبَ بَيْنَكُم بِالْعَدْلِ  
 وَلَا يَأْبَ كَاتِبُ أَنْ يَكُتَبَ لَكُمْ  
 عَلَيْهِ اللَّهُ فليكتب ولي لِمَن يَدْعُو  
 عَلَيْهِ الْخَلْقَ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا  
 يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِن كَانَ الَّذِي  
 عَلَيْهِ الْخَلْقُ مَفْهُومًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا  
 يَسْتَطِيعُ أَنْ يَمْلِكَ هُوَ فَلْيَمْلِكْ وَلِيَهُ  
 بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ  
 مِنْ رَجُلَيْكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُنَا  
 رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ  
 مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشَّهَدَاءِ  
 أَن تَقُولَ أَحَدُهُمَا فُتِنَ كَرَاهِيَةً  
 وَلَا يَأْبَ الشَّهَدَاءُ إِذَا مَا  
 دُعُوا وَلَا تَسْمُوا أَنْ تَكْتُبُوا صَغِيرًا  
 أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ  
 وَاقْتُوا مِنَ الشَّهَادَةِ وَاحِدَةً إِن كُنْتُمْ بَوَاقٍ  
 إِلَّا أَنْ تَكُونَ تَجَارَةً مِّنْكُمْ

مسلمانوں! جب تم ایک مسعد و مقرب تک اودھار کا لیتے ہو  
 کرو تو اس کو لکھ لیا کرو اور اگر تم کو لکھنا نہ آتا ہو تو پتھار  
 درمیان میں (تھامے باہمی قرار دو) کوئی لکھنے والا  
 انصاف کے ساتھ لکھ دو اور جس سے لکھو تو اس لکھنے  
 والے کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جس طرح خدا  
 اسکو لکھنا چاہتا اسکا یا ہو اسی طرح اسکو بھی چاہیے  
 کہ (بے عذر) لکھ دے اور جس کے ذمے قرض جائے ہوگا  
 (وہی) دستاویز کا مطلب بولتا جائے اور اللہ سے کہہ دے  
 اس کا پروردگار ہے اور (بتائے) دینت و قرض  
 کے حق میں سے کسی طرح کی کمی نہ کرے پھر جس کے ذمے  
 قرض جائے ہوگا اگر وہ کم عقل ہو یا معذور ہو یا غور و ادب  
 مطلب نہ کر سکتا ہو تو دو جو اس کا ولی ہو وہ (الضمان  
 ساتھ دستاویز کا مطلب بولتا جائے اور اپنے لوگوں  
 میں سے دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو پھر اگر دو مرد نہ ہوں  
 تو ایک مرد اور دو عورتیں کہ ان میں سے کوئی ایک  
 بھول جائے گی تو ایک دوسرے کو یاد دلا دے گی اور  
 جب گواہ (ادائے شہادت کے لیے) بلائے جائیں تو  
 (حاضر ہونے سے) انکار نہ کریں اور معاملہ میا دی چھوڑنا  
 ہو یا بڑا اس کی دستاویز کے لکھنے میں کاہلی نہ کرو خدا کے

تدبیر و نہایت دینکم فلیس علیکم  
 جناح الا تکتبوا و اشہدوا  
 اذا نزلت علیکم ولا یضآر کاتب ولا  
 شہید وان تفعلوا فانه فوق  
 بکم و اتقوا اللہ وعلیکم اللہ واللہ  
 بکل شئی علیم وان کنتم علی سفر  
 ولم یجدوا کاتباً فممن مقبوضۃ  
 فان امن بعضکم بعضا  
 فلیؤد الذی اؤتمن امانۃ  
 ولیتیق اللہ ربہ ولا تکتوا الشہادۃ  
 و من یکتمھا فانه آثم قلبہ  
 واللہ بما تعملون علیم،

(بقرہ ۲۸)

نزدیکت بہت ہی مصفاۃ گزروالی، ہوا اور گواہی کیلئے  
 بھی ہی طریقہ بہت ٹھیک ہے اور زیادہ تر اس کے  
 قریب ہے کہ تم دائرہ کسی طرح کا شک (دشمنہ) کرو  
 مگر مدام نقد ہو جسکو تم (مختون) تھے آپس میں لیا دیا کرتے  
 ہو تو اس کی (دستاویز) کے نہ لکھنے میں تم پر کچھ گناہ  
 نہیں اور (ہاں) جب (اس طرح کی) خبر یہ فرشت  
 کر دو (احتیاطاً) گواہ کر لیا کرو، اور کاتب (دستاویز)  
 کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو،  
 اور ایسا کرو گے تو یہ تمہاری نافرمانی ہے اور اللہ سے ڈرو  
 اور اللہ تم کو تعلیم دیتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے اور اگر  
 تم سفر میں ہو اور تم کو کوئی لکھنے والا نہ ملے (اور نہ فرض ہو)  
 تو رہن یا قبضہ (رکھو) پس اگر تم میں سے ایک کا ایک  
 اعتبار کرے (اور بے رہن رکھے فرض دیدے) تو جس پر  
 اعتبار کیا گیا ہے (یعنی فرض لینے والا) اس کو چاہیئے  
 کہ فرض دینے والی کی امانت (یعنی فرض) کو ادا کرے  
 اور خدا سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرے اور اگر ہی  
 کو نہ چھپاؤ اور جو اس کو چھپائیگا تو وہ دل کا کھوٹا ہے  
 اور جو کچھ (بھی) تم لوگ کرتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے،

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں میں بہت سے معاملات احادیث میں مذکور ہیں

اور وہ سب کے سب یا تو قرآن مجید کے عام احکام کے مطابق ہیں یا اس کے محل احکام کی تفصیل ہیں یا اس کے مطلق کو مقید کیا گیا ہے، چنانچہ جہاں استنباط احکام کے متعلق ہم مسلمانوں کے اجتہاد کا ذکر کریں گے ان کا ایک حصہ نقل کریں گے،

## تعزیرات

قرآن مجید نے مجرموں کو جن سزاؤں کی دھمکی دی ہے ان میں اکثرہ اخروی سزائیں ہیں اور جو جرائم اس نے بیان کیے ہیں ان ہی کے ساتھ اکثر ان کا بھی ذکر کیا ہے، البتہ دنیوی سزاؤں میں صرف پانچ سزائیں خدا نے اپنی کتاب میں مقرر کی ہیں (۱) قصاص

عادت و تعلید نے عرب میں قصاص کا یہ نظام قائم کر دیا تھا کہ پورا قبیلہ کا قبیلہ اپنے ایک فرد کے جرم کا ذمہ دار ہوتا تھا، البتہ جب عام مجالس میں کوئی قبیلہ کسی شخص کی آوارگی اور اذیاتی کا اعلان کر دیتا تھا تو وہ اس کے جرائم کی ذمہ داریوں سے بری ہو جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ مقتول کا ولی صرف قاتل سے بہت کم قصاص لیتا تھا، بالخصوص جب مقتول شریف یا اپنی قوم کا سردار ہوتا تھا، اُس وقت قصاص کا مطالبہ اس قدر وسعت اختیار کرتا تھا کہ دو قبیلوں میں جنگ چھڑ جاتی تھی اور چونکہ اکثر قاتل کا قبیلہ اس کی حمایت کرتا تھا اس لیے اُس سے ایسے فسادات و محاربات قائم ہو جاتے تھے جن کا سلسلہ بہت طویل زمانے تک قائم رہتا تھا، اس بنا پر قرآن مجید نے قصاص کی ذمہ داری کی تحدید کر دی اور اس کو صرف قاتل تک محدود رکھا، چنانچہ فرمایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَكُمْ عَلَيْكَ الْقُصَاصُ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ (مائدہ ۴۵) (۱) مسلمانو! جو لوگ (تم میں) مارے جائیں ان کے بارے میں

فی القتل الحری بالحر والعبد  
بالعبد والاقتی بالانثی،  
میں تم کو جان کے بدلے جان کا حکم دیا جاتا ہوا آزاد  
کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ صرف قاتل سے اُس کے جرم کا  
مواخذہ کرنا چاہیے، اُس کے بعد نہایت مختصر اور دقیق الفاظ میں اس زندگی میں نظام قصاص  
کی ضرورت بتائی، اور فرمایا،

ولکم فی القصاص حیاة یا اوطی الالباب  
لعلکم تتقون  
اور عقل مندو! قصاص کے قاعدے میں تمہاری زندگی کو  
(اور اس غرض سے جاری کیا گیا ہے تاکہ تم دھوڑیں نہ)

باز رہو،

اور اجمالی طور پر یہی مفہوم کی سورہ اسراء کی اس آیت کا بھی ہوا

ومن قتل مظالمًا فقد جعلنا  
لہ لیة سلطانًا فلا یسرف فی القتل  
انہ کان منصورا  
اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے والی،  
(وارث) کو قاتل سے قصاص لینے کا اختیار دیا تو  
اس کو چاہیے کہ خون کا بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے  
(وہی بدلہ لینے میں بھی اس کی حیرت ہے)

اہل عرب کے یہاں نظام دیت پر عام طور پر عمل درآمد جاری تھا، قرآن مجید نے بھی  
اس کو قائم رکھا اور اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا،

ومن قتل مومنًا خطًا فتحریر  
رقبة مومنہ ودية مسلمة الی  
اہلہ الا ان یصد قوافل ان کان  
من فتوم عدا وکم دھوم مؤمن  
اور جو مسلمان کو غلطی سے بھی مارے تو ایک مسلمان غلام  
آباد کرے اور دار ثانی مقتول کو خون بہادے (سوالگ)  
گر یہ کہ دار ثانی مقتول خون بہا معاف کر دین پھر اگر  
مقتول ان لوگوں میں کا ہو جو تم مسلمانوں کے دشمن ہیں



فخریر رقبۃ مومنتہ وان کان  
من قوم مبینکم و بینہم مینائی  
فادیۃ مسلمۃ الی اہلہ و تخزیر  
رقبۃ مومنتہ من لم یجد  
فصیلاً م شہرین متناً لعین  
توبۃ من اللہ و کان اللہ علیہا  
حکیم

اور وہ خود مسلمان ہو تو بس، ایک مسلمان غلام آزاد  
کرنا ہوگا اور اگر (مقتول) ان لوگوں میں کا ہر جن میں  
اور تم میں (صلح) کا عہد (و بیان) ہو تو قاتل کو  
چاہیے کہ (دارثان) مقتول کو خون بہا ہو چکے اور  
(اس کے علاوہ) ایک مسلمان غلام (بھی) آزاد کرے  
اور جبکہ مسلمان غلام آزاد کرنے کا مقدور نہ ہو تو لگاتار  
دو مہینے کے روزے رکھے کہ توبہ کا یہ طریقہ اللہ کا حکم  
ہو اور اللہ (سب کے حال سے) واقف ہے (اور)

اس کا انتظام (ڈٹا) بچا انتظام ہو  
اور احادیث نے نظام دیت کی رضا حسرت کردی ہو اور بعض دیتوں کا ذمہ ار  
حافلہ (یعنی اہل قبیلہ یا اہل خاندان یا اہل محلہ) کو بھی ٹھہرایا ہے اور یہ اہل عرب کا دینی سبب  
مواخذہ ہے جو اس صورت میں قائم رہ گیا ہے

اور اعضاء کے قصاص میں قرآن مجید نے توراۃ کا یہ نظام بتایا ہو  
وکتبنا علیہم فیہا ان النفس  
بالنفس والعین بالعیۃ والافت  
بالافت والاذن بالاذن واللسن  
باللسن والجروح قصاص فمن  
تصدق بید فہو کفارۃ لہ

اور ہم نے توراۃ میں یہود کو تحریری حکم دیا تھا کہ جان کے  
بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک  
اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت  
اور زخون کا بدلہ (ویسے ہی زخم) پھر جو ظلم (بدلتا)  
کر دے تو وہ اس (کے گناہوں کا) کفارہ ہوگا

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں بلا تفصیل زانی کی سزا سو دس مقرر کی ہے چنانچہ سورہ نور میں فرماتا ہے

الزانیۃ والزانی فاجلدوا  
کل واحد منهما مائة جلدة  
ولا تأخذکم بهما رافعة  
حین الله ان کنتم فی منون بالله  
والیوم الآخر ولینته هذا جملہ طائفہ من الموبین

عورت اور مرد زنا کر میں تو ان دونوں میں سے ہر ایک  
کو سو دس مارو اور اگر اللہ اور روزِ آخرت کا یقین رکھتے  
ہو تو اللہ کے حکم کی تعمیل میں تم کو ان کے حال پر  
کسی طرح کا ترس دامنگیر نہ اور نیز ان کے سر دیتے  
وقت مسلمانوں کی ایک جماعت (عبرت کے لیے ہو چکا ہے

لیکن زانیہ نو بیڑی کی سزا اس کی آدھی مقرر کی چنانچہ سورہ نسا میں فرمایا،

فاذا احصن فان امتین بعنا حنۃ  
فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب

پھر اگر قید (نکاح) میں آئے پیچھے کوئی بیوی کا کام  
کرے تو جو سزا بی بی کی اسکی آدھی نو بیڑی کی

لیکن حدیث میں ایک نکاح شدہ زانی کی سزا رجم (یعنی سنگسار) کرنا ہے اور صحیح مسلم  
میں ہے کہ ابو اسحاق غیبیانی نے عبداللہ بن ابی اوفی سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
رجم کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا "ہاں" انھوں نے پوچھا کہ "سورہ نور کے نازل ہونے  
بعد یا اس سے پہلے؟" بولے "میں نہیں جانتا"

(۳) حدیث نافذ

جو شخص کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے، خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں  
اُس کی سزا اسی دس مقرر کی چنانچہ سورہ نور میں فرمایا،

والذین یسیرمون المحصنات  
ثم لم یأتوا ببعۃ فشدۃ علیہم

اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں  
اور چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اسی دس مارو، اور

تَمَایِن جِلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً  
 اٰمِدُوا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ  
 تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاصْلُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ  
 اگر خود شوہر اپنی بی بی پر زنا کی تہمت لگائے، تو اس کے لیے ایک خاص نظام  
 مقرر فرمایا، چنانچہ اسی سورہ میں فرمایا،  
 وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَّلَمْ یَكُنْ لَهُمْ  
 شَہِدَةٌ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ  
 اَرْبَعٌ شَهَادَاتٌ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ  
 وَالْخَامِسَةُ اَنْ لَّعْنَتُ اللّٰهُ عَلَیْهِ  
 اَنْ كَانَ مِنَ الْكَٰذِبِیْنَ،  
 اور جو نکمہ شوہر کی یہ چار قسمیں چار گواہوں کی قاطع مقام ہیں اس لیے قرآن مجید نے  
 عورت کی برائت کا بھی ایک خاص طریقہ مقرر کیا،

اس پر اللہ کی لعنت

اور اس کے بعد فرمایا،  
 وَیَدْرُوْنَ عَنِ الْعَذَابِ اَنْ تَشْهَدَ  
 اَرْبَعٌ شَهَادَاتٌ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الْكَٰذِبِیْنَ  
 وَالْخَامِسَةُ اَنْ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهَا اَنْ  
 كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ،  
 اور دوسرے قسم کھائے پیچھے عورت (کے سر پر) سے  
 اس طرح پر سزا مل سکتی ہے کہ وہ چار بار خدا کی قسم کھا کر  
 بیان کر دے کہ یہ شخص سزا سزا جھوٹا ہے، اور پانچویں (دہم)  
 یوں (کے) کہ اگر یہ شخص اپنے دعوے میں سچا ہو  
 تو مجھ پر خدا ہی کا غضب پڑے،

تو مجھ پر خدا ہی کا غضب پڑے،

ان دونوں آیتوں پر تھوڑے سے غور و فکر کرنے کے بعد یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کا ضروع یہ ہے کہ شوہر کی طرف سے زنا کا الزام ثابت کیا جائے اور بی بی اُس سے اپنی برائت کرے اُس کو نکاح اور اولاد سے کوئی تعلق نہیں ہو،

(۴) حدیث باریق،

خداوند تعالیٰ نے چور کی سزا یہ مقرر کی کہ اُس کے ہاتھ کاٹے جائیں چنانچہ سورہ

مائدہ میں فرمایا،

والسارق والسارقة فاقطعوا  
امید بھیہا جزاء بما کسبا نکالامن اللہ  
واللہ عزیز حکیم فمن تاب من بعد  
ظلمہ واصلح فان اللہ یتوب علیہ  
ان اللہ غفور رحیم

اور مسلمانوں! مرد چوری کرے تو اور عورت چوری کرے  
اُن کے دونوں (دھپنے) ہاتھ کاٹ ڈالو یہ سزا اُن کو  
کر توں کے بدلے میں عبرت کے لیے خدا کی طرف سے  
مقرر ہے، اور اللہ زبردست اور حکیم ہے تو جو اپنے قصور  
کے پیچھے توبہ کر لے اور اپنی عادت، سنو اے تو اللہ  
اسکی توبہ قبول کر لیتا ہے، دیکھ (اللہ بندوں کے)

نہایت بخشنے والا مہربان ہے

(۵) حدیث طاع الطریق،

خداوند تعالیٰ نے سورہ مائدہ میں ڈاکوؤں کی یہ سزا مقرر کی ہے،

انما جزاء الذین یحیا ربین اللہ  
ورسلہ وسیعون فی الارض فسادا  
ان یقتلوا اول یصلبوا و تقطع امید یہم  
وارجلہم من خلاف اذینفوا  
من الارض ذلک لہم خزئی فی النبا

اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے لڑتے، اور فساد  
(پھیلانے کی غرض سے ملک میں دوڑنے دوڑے پھرتے  
ہیں اُن کی سزا تو بس یہی ہے کہ ان کو ڈھونڈو، ڈھونڈ کر قتل  
کر دیے جائیں یا ان کو سولی دی جائے یا اُن کے ہاتھ کاٹ  
اُسے سیدھے کاٹ دیے جائیں یا ان

ولہم فی الاخوۃ عذاب عظیم  
الا الذین تابوا من قبل ان یقتلوا  
علیہم فیما علموا ان اللہ غفور رحیم  
جائے یہ تو دنیا میں اُن کی رسوائی ہوئی اور اس کے علاوہ  
آخرت میں اُن کے لیے بڑا عذاب (تیار) ہو، مگر  
مسلمانو! جو لوگ اس سے پہلے کہ تم اُن پر قابو پاؤ تو  
کر لیں (تو اُن کے حال سے تعرض نہ کرو اور جانے دو)

کہ اللہ (لوگوں کے قصور) معاف کرنے والا مہربان ہے

ان سزاؤں کے علاوہ قرآن مجید میں اور کوئی سزا مذکور نہیں ہے البتہ حدیث میں ایک  
چھٹی سزا بھی بیان کی گئی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوش کو بھی سزا دی ہے  
قرآن مجید نے سزاؤں کا دار مدار جن اصول پر رکھا ہے وہ حسب ذیل ہیں  
(۱) قوم کی بھلائی، چنانچہ قصاص کے متعلق فرمایا،

ولکم فی القصاص حیۃ یا ادنی الالباب  
لعلکم تتقون،  
(خوڑی سے) باز رہو

(۲) جہرم کی تنبیہ تاکہ وہ دوبارہ جہرم نہ کر سکے، چنانچہ چور اور چوکی سزا کے متعلق فرمایا،  
جزاء بما کسب انکالا  
یہ سزا اُن کے اعمال کے بدلے میں عبرت و سزاؤں کیلئے  
خدا کی طرف سے مقرر کی گئی ہو،

اور رڈ اکوئن کی سزا کے متعلق ارشاد ہوا،

ذاک لہم حشری فی الدنیا  
یہ اُن کے لیے دنیا میں رسوائی ہو،

(۳) جہانی سزائیں جن کا اثر نہایت سخت ہوتا ہے

اور حدیث میں اُن سزاؤں کے عمل میں لانے کے لیے احتیاط کا حکم دیا گیا ہے  
ان سزاؤں میں سختی کرنا چاہیے اسکو تنبیہ ہو جائے اور وہ احتیاط کے ساتھ

اثبات جرم میں رعایت کرے چنانچہ ترمذی میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کی روایت سے  
یہ حدیث مذکور ہے

اددوا الحدود عن المسلمين ما  
استطعتم فان كان له مخرج ففعلوا  
مسببہ فان الامام ان یخطی فی الحق  
خیر من ان یخطی فی القویۃ،  
مسلمانوں کو سزاؤں سے جہاں تک تم سے ہو سکے  
بچاؤ اور اگر کوئی گنجائش ہو تو اس کو چھوڑ دینا  
راہی میں امام کا غلطی کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ حق میں  
غلطی کرے

یہ وہ احکام ہیں جو خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل فرمائے تھے  
اور آپ کو حکم دیا تھا کہ لوگوں تک ان کو پہنچا دیں اور ان کے لیے ان کی توضیح و تشریح  
کر دیں چنانچہ اس حکم کے مطابق آپ نے ان کی تبلیغ کر دی اور لوگوں کے لیے جو احکام  
نازل ہوئے تھے، عملی اور قولی حدیثوں سے ان کی تشریح فرمادی

6-9-49  
در ذیل حدیث

ع

# دوسرا دور

## فقہ بہ عہد کبار صحابہ

### ۱۱ھ سے ۴۰ھ ہجری تک

### اجمالی طور پر سیاسی صورت حال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین ہوئے، سوہ اتفاق سے اُن کے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اکثر اہل عرب مرتد ہو گئے، لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عزم صادق اور ماجرین اور انصاف کی قوت ایمانیہ نے اس حالت میں نہایت کامیاب طریقہ پر ستون اسلام کو قائم رکھا، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے متعدد فوجیں روانہ کیں اور اُن کے ذریعہ سے اہل عرب کی کج رفتاری کو سیدھے راستہ پر لگایا، اور دوبارہ اتحاد عربی کو قائم کیا، اس مہم کے سر ہونے کے بعد انھوں نے ایرانی اور رومی سلطنتوں میں اشاعت اسلام کیلئے عراق و شام میں فوجیں بھیجنے لگیں ابھی تک اس مہم کا فیصلہ نہ ہوا تھا کہ انھوں نے وفات پائی، اس کے بعد حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت آیا، اور اُن کے ذریعہ سے یہ فتح مکمل ہو گئی، اور مشرقی جانب سے مسلمان اکثر ایرانی شہروں پر غلبہ حاصل کرتے ہوئے ہنرجیون (آمودار) تک پہنچ گئے، شمالی جانب سے انھوں نے شام

اور بلاد آرمینیا پر قبضہ کر لیا، اور مغربی جانب سے مصر پر مسلط ہو گئے، انہی کے زمانے میں اسلام بڑے بڑے شہر مثلاً فسطاط، کوفہ اور بصرہ آباد ہوئے اور وہاں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت جن میں بہت سے صحابہؓ تھے آباد ہوئی، اور عرب کے علاوہ اور بہت سی دوسری قومیں حلقہ اسلام میں داخل ہوئیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اسلامی فتوحات نے مشرق و مغرب میں نہایت وسعت حاصل کی، لیکن ابھی تک یہ عمارت مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ ان کو ایک سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا، یعنی اُن کے دشمنوں کے اتفاقِ رائے سے اُن کے خلاف ایک شورش برپا ہوئی، جبکہ نتیجہ یہ ہوا کہ مصر، شام، اور عراق سے چند جماعتیں مدینہ میں آئیں اور اُن کو تشدید کر دیا جس سے مسلمانوں میں اختلاف کی بنیاد پڑی اور ان کے دو فرقے ہو گئے، ایک فرقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اترتے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تھی، دوسرا فرقہ اُن کے قاتلون کاؤٹن تھا اور اسی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت کی تھی، پہلا فرقہ عراق کے دار السلطنت کوفہ میں اور دوسرا فرقہ شام کے پایہ تخت دمشق میں رہتا تھا، ان دونوں فرقوں کے بغض و عداوت اور لعن و طعن کا یہ نتیجہ ہوا کہ صفین کے رگستان میں دونوں میں باہم عظیم الشان معرکہ ہوا اور عالمِ اسلامی کے چیدہ مسلمان فریقین کی جانب سے اس معرکہ میں باہم نبرد آزما ہوئے، لیکن کسی فریق کے لیے اس معرکہ کا کوئی فیصلہ کن نتیجہ نہیں نکلا، کیونکہ اہل شام نے کتاب اللہ کو حکم بنایا اور اکثر اہل عراق نے بھی اس کو قبول کیا، لیکن یہ حکم ایک فریق یعنی حامیان معاویہ کی طاقت اور دوسرے فریق یعنی حامیان علی کے ضعف کا ذریعہ بن گئی، کیونکہ انکی



فوج میں ایسے اشخاص پیدا ہو گئے، جنھوں نے تحکیم پر اعتراض کیا، اور جن لوگوں نے اس کو قبول کیا تھا ان پر سن و طعن کرنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے فریق کو جس نے تحکیم کے ذریعہ سے اپنی قوت میں اضافہ کر لیا تھا چھوڑ کر خود اپنی فوج کی خلافت میں مصروف ہو گئے، اور آخر کار انہی خوارج میں سے ایک خارجی نے ان کو ناگہانی طور پر شہید کر دیا اور اب ان کی شہادت سے مسلمانوں کی عام جماعت نے امیر معاویہ کی خلافت پر اتفاق عام کر لیا، الغرض یہ دور ختم ہوا تو مسلمان سیاسی حیثیت سے تین فرقوں میں منقسم ہو گئے،

(۱) جمہور مسلمان، جو امیر معاویہ اور ان کی خلافت کو پسند کرتے تھے،

(۲) شیعہ، جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اہلبیت کی محبت پر قائم تھے،

۳۔ خوارج، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور میرٹھ

(۴) سے ان کے پیروں،

تینوں سے بغض رکھتے تھے۔ اسی لیے یونین کے عزم صادق اور یہ

اور ان تینوں فرقوں نے جیسا کہ آئندہ دور سے معلوم ہو گا فقہ اسلامی پر

خاص اثر ڈالا ہے

## قرآن و حدیث

(دوسرے دور میں)

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ قرآن مجید بجا بجا یعنی ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل ہوا، چنانچہ جب قرآن مجید کا کوئی ٹکڑا نازل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام مسلمانوں تک اس کو پہنچا دیتے تھے، اور اپنے کاتبان وحی کو اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے، عام لوگوں کو

میں بعض لوگ صرف اُس کے حفظ پر اکتفا کرتے تھے لیکن بعض لوگ اس کو لکھ لیتے تھے،  
 آیات و سورت کی جو ترتیب ہوتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیتے تھے لیکن رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم کی وفات کے زمانے تک قرآن مجید ایک مصحف میں جمع نہیں ہوا تھا بلکہ حفاظ  
 قرآن کے سینوں، کتابان وحی اور دوسرے کتابوں کے صحیفوں میں محفوظ تھا، رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بہت سے لوگ حافظ قرآن تھے، جن میں بعض لوگوں کو پورا قرآن  
 یاد تھا، لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں ایک ایسا  
 واقعہ پیش آیا جس نے ان کو ایک مصحف میں پورے قرآن کے جمع کرنی ضرورت کی بات  
 متوجہ کیا، کیونکہ پیام کی فوج میں بہت سے حفاظ قرآن نے شہادت پائی جس سے  
 حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو قرآن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہوا چنانچہ  
 صحیح بخاری میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل پیام کی  
 شہادت کے بعد مجھ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بلوایا، میں ہو چکا تو حضرت  
 عمر بن الخطاب بھی اُن کے پاس موجود تھے، تو مجھ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے  
 فرمایا کہ عمرؓ نے مجھ سے آکر بیان کیا کہ جنگِ یمامہ میں بہ کثرت حفاظ قرآن شہید ہوئے  
 اگر اسی طرح اور لڑائیوں میں بھی حفاظ نے شہادت پائی تو مجھے خوف ہو کہ قرآن کا  
 بہت سا حصہ ضائع ہو جائیگا اس لیے میری رائے یہ ہو کہ آپ قرآن کے جمع کرنے کا  
 حکم دین میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ کیا ہم وہ کام کریں جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں  
 کیا؟ بولے خدا کی قسم یہی بہتر ہے، غرض وہ بار بار مجھ سے یہی کہتے رہے یہاں تک  
 کہ خدا نے اس کے لیے میرے دل کو کھول دیا اور میں نے بھی وہی رائے قائم کر لی جو حضرت  
 عمرؓ کی تھی "زیر بنیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ تم جو ان حائل آدمی ہو

ہم تم میں کوئی قابل الزام عیب نہیں پاتے، اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی تھے اس لیے قرآن مجید کو ڈھونڈو اور جمع کرو، تو خدا کی قسم اگر وہ لوگ مجھے پہاڑ کو اپنی جگہ سے سرکانے کی تکلیف دیتے تو وہ مجھ کو ان کے ارشاد یعنی جمع قرآن سے زیادہ گراں نہ ہوتا، میں نے کہا آپ لوگ وہ کام کیونکر کرتے ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، بولے خدا کی قسم یہی بہتر ہے، الغرض حضرت ابوبکرؓ بھی مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ خدا نے میرے دل کو بھی اس چیز کے لیے کھول دیا جس کے لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دلوں کو کھول دیا تھا، تو میں نے قرآن کو تلاش کر کے کچھور کی شاخوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے اکٹھا کر کے جمع کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ مجھ کو ابوخریمہ انصاری سے ملا، ان کے علاوہ میں نے ان کو کسی دوسرے کے یہاں نہیں پایا، اللہ جاکم رسول، آخر سورہ براءہ تک تو یہ صحیفے تادمِ وفات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے پاس پھر حضرت حفصہؓ کے پاس رہے،

بروایت سیوطی حارث مخاسبی نے اپنی کتاب فہم السنن میں لکھا ہے کہ قرآن مجید کا لکھنا بدعت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے، البتہ وہ مختلف ٹکڑوں، ٹریوں اور کچھور کی شاخوں پر متفرق طریقے سے لکھا ہوا تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صرف یہ کیا کہ اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ مجموعی صورت میں نقل کرنے کا حکم دیا، گویا اس کی صورت یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ مبارک میں چند اوراق جن میں قرآن متفرق طور پر لکھا ہوا تھا پائے گئے

اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کی شیرازہ بندی کر دی تاکہ ان میں سے کوئی ورق ضائع نہ ہونے پائے،

حضرت زید بن ثابتؓ اگرچہ خود حافظ قرآن اور کاتبِ وحی تھے، تاہم انھوں نے صرف اپنی یاد اور اپنے لکھے ہوئے اجزاء پر قناعت نہیں کی بلکہ انھوں نے اور حفاظ کی یاد و دوسرے کا تبوں کے صحیفے، اور ان اجزاء سے بھی مدد لی جو رسول اللہ ﷺ کے گھر میں لکھے ہوئے محفوظ تھے، اور ہاجرین و انصاریہ کے اتفاق سے اس مجموعہ کو مکمل کیا اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اس طریقِ عمل کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ نے اپنی اس ضمانت کو پورا فرمایا،

انما نحن منزلنا الذکر وانما ہمین نے ذکر کو امارا اور ہمین اس کے نگہبان  
لہ لحاظ فطون ہیں،

یہ تمام صحیفے جیسا کہ اوپر گزرا بہ ترتیب یکے بعد دیگرے حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے پاس محفوظ رہے،

حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں بڑے بڑے اسلامی شہروں میں اس مصحف کی اشاعت کی ضرورت محسوس کی، اور ان کو جس چیز نے اس ضرورت کی طرف متوجہ کیا وہ یہ تھی کہ ان شہروں میں حفاظ قرآن پھیل کر لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے لگے تھے، لیکن ان کی زبان کے اختلاف کے لحاظ سے ان کے درمیان قرآن مجید کے بعض حروف میں کسی قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے، جبکہ نتیجہ یہ تھا کہ بعض قاری اپنی قرأت کو دوسرے قاری کی قرأت پر ترجیح دیتے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اس کو ایک سخت اور قابل

تدارک خطرے کا ذریعہ خیال کیا، امام بخاریؒ حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ جس زمانہ میں حضرت عثمانؓ اہل شام کی فوج کو اس غرض سے بھیج رہے تھے کہ اہل عراق کے ساتھ مشرک جنگ ہو کر ارسینیا اور آذربائیجان کی فتح میں حصہ لے، حضرت حذیفہ بن یمانؓ ان کی خدمت میں آئے اور ان لوگوں نے قرآن کی قراءت میں جو کچھ اختلاف کیا تھا اُس کے متعلق اپنی پریشانی ظاہر کی اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ قبل اس کے کہ امت محمدیہ یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف کرے آپ اس کا تدارک فرمائیے، چنانچہ ان کے کہنے کے بموجب حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ حضرت ابوبکرؓ نے جو غیر مرتب صحیفے لکھوائے تھے وہ ہمارے پاس بھیج دیجیے تاکہ ہم ان کو مصاحف میں نقل کر دے آپ کو واپس بن حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے اُن کی خدمت میں بھیج دیے، اور انھوں نے حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمان بن حارث بن ہشامؓ رضوان اللہ علیہم کو اس کے نقل کرنے کا حکم دیا، اور ان لوگوں نے ان کو مصاحف میں نقل کیا، حضرت عثمانؓ نے تینوں قریشی انخاص یعنی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمان بن حارثؓ سے فرمایا کہ جب تم میں اور زید بن ثابتؓ کے درمیان قرآن مجید کی کسی چیز میں کوئی اختلاف پیش آئے تو اُس کو قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ وہ قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے، ان لوگوں نے اُس پر عمل کیا، یہاں تک کہ جب اُن غیر مرتب صحیفوں کو مصاحف میں نقل کر چکے تو حضرت عثمانؓ نے ان کو حضرت حفصہؓ کی خدمت میں واپس کر دیا اور ان نقل شدہ مصاحف میں سے ہر صوبے میں ایک ایک مصحف

بھیجا یا اور حکم دیا کہ اس مصحف کے علاوہ قرآن مجید جس صحیفہ اور جس مصحف میں لکھا ہوا ہو وہ جلادیا جائے، یہ کام ۲۵ھ میں انجام پایا اور جو مصاحف اس مصحف سے لکھے گئے، وہ کوفہ، بصرہ، دمشق، مکہ اور مدینہ میں روانہ کئے گئے اور حضرت عثمانؓ نے خود اپنے لیے ایک مصحف رکھ چھوڑا جس کا نام مصحف امام تھا، یہ تمام مصاحف ان شہروں کی جامع مسجدوں میں رکھے گئے جن کو دیکھ کر قرار پڑھتے تھے اور حفاظ انکی طرف رجوع کرتے تھے، غرض حضرت عثمانؓ کے اس طرز عمل سے قرآن مجید کا حرف حرف اختلاف کے خطرے سے محفوظ ہو گیا،

لیکن قوی حدیثوں کے جمع و ترتیب کی طرف اس قدر توجہ نہ تھی بلکہ اس کے برخلاف تفصیل روایت کی کوشش کی جاتی تھی، چنانچہ اس سلسلے کو مشنوں کے متعلق چند تصریحات حسب ذیل ہیں

(۱) حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں مراسیل ابن ابی ملیک سے یہ روایت کی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیثیں روایت کرنے ہو جن میں تم لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے اور تمہارے بعد لوگ ہوں گے ان میں اس سے بھی زیادہ اختلاف ہوگا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نہ روایت کرو جو شخص تم سے سوال کرے اس سے کہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے اس کے حلال کیے ہوئے کو حلال اور اس کے حرام کیے ہوئے کو حرام سمجھو

(۲) حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ شعبہ وغیرہ نے بیان سے اور بیان نے شعبی سے اور شعبی نے قرظہ بن کعب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب ہکو عراق کی

طرح روانہ فرمایا تو ہمارے ساتھ خود بھی چلے اور فرمایا تم کو معلوم ہے کہ میں کیونکر تھائی  
 مشابعت کرتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہاں ہمارے عزت افزائی کے لیے بوسے  
 اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ تم ایسی آبادی کے لوگوں کے پاس جاتے ہو جو  
 ٹھنڈی کھینوں کی طرح لگنا لگنا کر قرآن مجید پڑھتے ہیں تو احادیث کی روایت کر کے  
 ان کی تلامذت قرآن میں رکاوٹ نہ پیدا کرنا صرف قرآن مجید پر بس کرو، اور رسول اللہ  
 ﷺ سے روایت کم کرو، اور اس میں میں بھی تھا اور شریک ہوں چنانچہ جب قطف آئے  
 تو لوگوں نے روایت حدیث کی خواہش کی، انھوں نے جواب دیا کہ ہم کو حضرت عمرؓ  
 نے اس کی ممانعت کی ہے

(۳) درادردی نے محمد بن عمرو سے اور محمد بن عمرو نے ابی سلمہ سے اور ابی سلمہ  
 نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ میں نے اُن سے کہا کہ تم حضرت عمرؓ کے زمانے  
 میں بھی اسی طرح روایت کرتے تھے؟ بولے حسب طرح میں تم سے روایت کرتا ہوں اگر  
 اسی طرح حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی روایت کرتا تو وہ مجھے اپنے کوڑے سے  
 مارتے

(۴) معن بن عیسٰی سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم کو مالک نے  
 عبداللہ بن ادریس کے ذریعہ سے اور عبداللہ بن ادریس نے شعبہ کے ذریعہ سے  
 اور شعبہ نے سعید بن ابراہیم کے ذریعہ سے اور سعید بن ابراہیم نے اپنے باپ کے ذریعہ  
 سے خبر دی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین شخص یعنی ابن مسعودؓ، ابوالدرداءؓ اور ابوسلمہؓ  
 کو قید کر دیا اور فرمایا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے بہت زیادہ روایتیں کر دیں  
 (۵) ابن علیہ نے رجاء بن ابی سلمہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم کو

یہ خبر پہنچی کہ حضرت امیر معاویہؓ یہ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ بھی حدیث کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کرو جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں جاری تھا، کیونکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث کرنے کے متعلق لوگوں کو دیکھایا ہی تھیں۔ (۶) سیوطی نے تنویر الحواکیم شرح موطا امام مالک میں ایک روایت میں جس کا سلسلہ حضرت عروہ بن زبیر تک منتھی ہوتا ہے، یہ نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے احادیث کو لکھوانا چاہا اور اس بارے میں اصحاب رسول اللہؐ سے مشورہ کیا تو عام صحابہؓ نے اس کا مشورہ دیا لیکن وہ ایک مہینہ تک خود غمگین طور پر اس معاملے میں استخارہ کرتے رہے، اس کے بعد ایک دن انھوں نے یقینی رائے قائم کر لی اور فرمایا کہ میں نے جیسا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے تم سے تحریر احادیث کا ذکر کیا تھا، پھر میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ تم سے پہلے اہل کتاب میں سے بہت لوگوں نے کتاب اللہ کے ساتھ اور کتابیں لکھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ انہی کتابوں میں مشغول ہو گئے، اور کتاب اللہ کو چھوڑ دیا، اس بنا پر خدا کی قسم میں کتاب اللہ کو کسی اور چیز کے ساتھ مخلوط نہ کروں گا، اس لیے انھوں نے تحریر احادیث کا کام چھوڑ دیا،

ابن سعد نے بھی طبقات میں اسی کے قریب قریب روایت کی ہے،

(۷) امام بخاری نے عمش سے انھوں نے ابراہیم سمعی سے، انھوں نے اپنے باپ سے، اور انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ہمارے پاس کچھ کتاب اللہ کے اور ان احادیث کے جو اس صحیفے میں درج ہیں پڑھنے کی اور کوئی کتاب نہیں اس کے بعد



انہوں نے اس صحیفے کو کھولا تو اس میں حسب ذیل حدیثیں درج تھیں:

مختلف عمر کے اونٹوں کے صدقات کا بیان

(۱) اسنان الاہل

مدینہ غیر سے یہاں تک حرم ہو جو شخص اس میں کوئی جرم کرے گا اس پر خدا کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت پڑے گی، اور اس کی سفارش اور اس کا فدیہ خدا نہ قبول کریگا،

(۲) المدینۃ حرم من غیر اہل کذا فمن احدث فیہا حدثا فعلیہ لعنتہ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صفا ولا عدلا،

مسلمانوں کی امان یا مسلمانوں کا قول و قرار ایک ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان اس کا مالک ہو تو جو شخص کسی مسلمان کا قول توڑ دے اس پر خدا کی فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت پڑے گی اور خدا اس کی سفارش اور اس کا فدیہ نہ قبول کریگا،

(۳) ذمۃ المسلمین واحداۃ یسعی بہا ادناہم فمن احقر مسلما فعلیہ لعنتہ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صفا ولا عدلا

جس شخص نے کسی قوم سے بغیر اس کے موالی کی اجازت کے مولات کی قواس پر خدا کی فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت پڑے گی اور خدا اس کی سفارش قبول کریگا، نہ فدیہ،

(۴) من دالی فتو ما بغیر اذن موالیہ فعلیہ لعنتہ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صفا ولا عدلا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تذکرے میں مذکور ہے کہ وہ حدیث کی بہت کم روایت کرتے تھے، اور الفاظ میں نہایت احتیاط ملحوظ رکھتے تھے (غالبا حضرت عمرؓ کا فیض تھا) ابو عمرؓ و الشیبانی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک سال تک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھا تھا لیکن وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہتے تھے،

اور جب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے تو کانپ اٹھتے تھے اور کہتے تھے  
”اس طرح“ یا اس کے مثل ”یا اس کے قریب“ یا ”یا“

ان ائمہ فتاویٰ اور پیشوایان اسلام سے جو روایتیں نقل کی گئیں ان پر سرسری  
نظر ڈالنے سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہو کہ وہ لوگ احادیث سے بہت زیادہ استدلال  
نہیں کرتے تھے اور ان کو احکام قرآنیہ کا مکمل نہیں سمجھتے تھے، لیکن احادیث سے  
استدلال کرنے کے متعلق جو روایتیں ان سے مروی ہیں اگر ہم ان پر نظر ڈالیں تو یہ معلوم  
ہو جائیگا کہ وہ کیوں صحابہ سے یہ خواہش کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
روایتیں کم کر لیں چنانچہ اس قسم کی چند روایتیں یہ ہیں،

(۱) ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں یہ سند روایت کی ہے کہ دادی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ  
کی خدمت میں اپنا حق وراثت مانگنے کے لیے آئی، لیکن انھوں نے کہا کہ  
میں کتاب اللہ میں تمھارا کوئی حصہ نہیں پاتا اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھارا کوئی حصہ مقرر فرمایا ہو، اس کے بعد انھوں نے لوگوں سے دریافت کیا  
تو بغیرہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو چھٹا حصہ دیتے  
تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تمھارا کوئی مویہ ہو؟ حضرت محمد بن مسلمہ نے بھی  
یہی شہادت دی تو انھوں نے اس کو بھی حصہ دلویا،

(۲) جریری نے ابولضرہ سے اور انھوں نے ابوسعید سے روایت کی ہے کہ  
حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے دروازے کے اوٹ سے حضرت عمرؓ کو تین بار سلام کیا،  
لیکن ان کو اندر آنے کی اجازت نہیں ملی، وہ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کے  
پیچھے آدمی بھیجے، اور بلوا کر کہا تم کیوں پلٹ گئے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم میں کوئی شخص تین بار سلام کر چکے اور اسکو اذن نہ ملے تو وہ واپس چلا آئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس پر میرے پاس ایک گواہ لاؤ ورنہ تم کو سزا دون گا، اب حضرت ابو موسیٰؓ تمہارے پاس حالت غم میں آئے اور ہم سب بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ انھوں نے ہم کو اس واقعہ کی خبر دی اور کہا کیا تم میں سے کسی نے اس حدیث کو سنا ہے؟ ہم نے کہا ہم میں سے ہر ایک نے اس کو سنا ہے، چنانچہ لوگوں نے ان کے ساتھ اپنا ایک آدمی کر دیا جس نے آکر حضرت عمرؓ کو اس حدیث کی خبر دی،

(۳) ہشام نے اپنے باپ مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے عورت کے ساقط کردہ حمل (یعنی جو کسی کے مارنے پیٹنے سے ساقط ہو جائے) کی دیت کے بارے میں مشورہ کیا تو مغیرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ایک لونڈی یا غلام دلوانی ہے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ایک اور آدمی کو بھی لاؤ جو اس کو جانتا ہو تو محمد بن مسلمہؓ نے بھی یہی شہادت دی،

(۴) حضرت ابی بنی نے حضرت عمرؓ سے چند حدیثیں بیان کیں تو انھوں نے کہا کہ اس پر میرے سامنے کوئی گواہی لاؤ، وہ اس غرض سے نکلے تو ان کو چند انصاری ملے جن سے انھوں نے یہ واقعہ بیان کیا، ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے تم پر ہمت نہیں لگائی، بلکہ میں نے یہ چاہا کہ اس معاملہ میں ثبوت طلب کروں، (۵) عثمان بن مغیرہؓ تقفی نے علی بن ربیعہؓ اور انھوں نے اسابنؓ

سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تھا تو خدا کو اس کے ذریعے مجھے حقیقتاً فائدہ پہنچانا ہوتا تھا پہنچا دیتا تھا، لیکن جب آپ کے علاوہ مجھ سے کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو میں اس سے قسم لیتا تھا اور جب وہ قسم کھا چکتا تو میں اس کی تصدیق کرتا تھا،

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور کے ائمہ مسلمین اور مشایخ اسلام صرف اس خوف سے تفصیل روایت کا مشورہ دیتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کذب و غلط بیانی کا رواج نہ ہونے پائے، یہی وجہ ہے کہ ان کے سامنے جو روایتیں کی جاتی تھیں اس پر ثبوت طلب کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما صرف اُنھیں حدیثوں کو قبول کرتے تھے، جن کی سبب دو شخص شہادت دیتے تھے کہ اُنھوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اسی بنا پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کو طلب کیا جو مغیرہ بن شعبہ کی روایت کی تائید کرے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہؓ حضرت ابو موسیٰؓ اور حضرت ابی کے منہ کی تلاش کی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی سے قسم لیتے تھے حالانکہ نعمت و عظمت کے لحاظ سے ان میں باہم کس قدر اعتماد تھا، لیکن جب قابل اطمینان طریقہ پر روایت کا ثبوت ہو جاتا تھا تو وہ لوگ اس پر عمل کرتے تھے اور اس کی مخالفت نہیں کرتے تھے، ان کے اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور میں حدیث کی روایت کم ہوئی اور صرف انہی حدیثوں پر اکتفا کیا گیا جن کی روایت دو گواہوں کی شہادت سے ثابت ہو جائے اور وہ بھی اس وقت جب کوئی ایسا واقعہ پیش آئے جس کے لیے

حدیث کے بیان کرنے کی ضرورت ہو،

## اس دور میں اجتہاد

اجتہاد کے معنی یہ ہیں کہ شارع کے معتبرہ دلائل یعنی قرآن و حدیث سے حکم شرعی کے استنباط میں پوری کوشش صرف کی جائے، اور اسکی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ قرآن و حدیث کے ظاہر الفاظ سے حکم کا استنباط کیا جائے، اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب یہ الفاظ اس حکم کے محل و موقع کو بھی شامل ہوتے ہیں، (۲) دوسرے یہ کہ حکم قرآن و حدیث کے عقلی مفہوم سے اخذ کیا جائے، مثلاً نص قرآن یا نص حدیث کی کوئی علت ہو جو یا تو مصرح طور پر بیان کر دی گئی ہو یا استنباط کے ذریعہ سے نکالی گئی ہو اور وہ محل حکم میں بھی پائی جاتی ہو لیکن قرآن و حدیث کے الفاظ اس کو شامل نہ ہوں اور اصطلاح میں اسی کو قیاس کہتے ہیں

اس دور میں استنباط صرف ان فتوؤں تک محدود تھا جنکو وہ لوگ دیتے تھے جن سے کسی واقعہ کے متعلق سوال کیا جاتا تھا، اور یہ لوگ مسائل کے اثبات اور ان کے جواب میں بہت زیادہ پافون نہیں پھیلاتے تھے، بلکہ اسکو مکروہ سمجھتے تھے، اور جب کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو جائے اس کے متعلق اپنی رائے نہیں ظاہر کرتے تھے، البتہ جب مسئلہ پیدا ہو جاتا تھا تو اس کے لیے استنباط حکم میں اجتہاد کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ کہا صحابہ سے جو فتوے منقول ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے،

یہ لوگ اپنے فتاویٰ میں صرف دو چیزوں پر اعتماد کرتے تھے،

(۱) ایک تو قرآن، کیونکہ وہی دین و ملت کی بنیاد ہے اور چونکہ وہ ان ہی کی

زبان میں نازل ہوا تھا اس لیے وہ اس کو نہایت واضح طور پر سمجھتے تھے، اس کے ساتھ ان کو خصوصیت کے ساتھ اسباب نزول کا علم تھا اور اس وقت عرب کے علاوہ اور کوئی شخص ان میں شامل نہیں ہوا تھا،

(۲) دوسرے حدیث، چنانچہ جب کوئی حدیث مل جاتی تھی، تو وہ لوگ بالفاظ اس کا اتباع کرتے تھے اور جو شخص اس کی روایت کی تصدیق کرنا تھا اس پر اعتماد کرتے تھے، اس بنا پر جب حضرت ابو بکرؓ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ پر نظر ڈالتے، اور اگر اس میں اس کا حکم ملتا تو اسی پر فیصلہ کرتے، لیکن اگر کتاب اللہ میں وہ حکم نہ ملتا تو حدیث پر نظر دڑاتے، اور اگر ان کے پاس کوئی قابل فیصلہ حدیث ہوتی تو اسی کے موافق فیصلہ کرتے، لیکن اگر تلاش کے بعد بھی حدیث نہ ملتی تو لوگوں سے دریافت فرماتے کہ اس مسئلہ میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے؟ اس حالت میں اکثر لوگ اٹھ کر کہتے کہ آپ نے اس معاملہ میں یہ فیصلہ کیا ہے،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے، لیکن اگر ان کو وہ مسئلہ قرآن وحدیث میں نہ ملتا تو اس کے متعلق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ دریافت فرماتے، اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا کوئی فیصلہ موجود ہوتا اور ان کو اس کے خلاف کوئی بات معلوم نہ ہوتی تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے، اسی احتیاطی قبول کے ساتھ جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا طرز عمل بھی یہی تھا، صحابہ کے سامنے ایسے مسائل بھی پیش ہوتے تھے، جن کے متعلق قرآن وحدیث

میں کوئی تصریح نہیں ہوتی تھی، اس حالت میں ان کو مجبوراً قیاس کرنا پڑتا تھا جسکو وہ لوگ رائے سے تعبیر کرتے تھے، اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید

کوئی تصریح نہ پاتے اور لوگوں کے پاس حدیث بھی نہ ملتی تو لوگوں کو جمع کر کے اُن سے مشورہ لیتے، اور جب کسی چیز پر ان کا اتفاق رائے ہو جاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل بھی یہی تھا، چنانچہ جب شریعت کو کوذ کا قاضی مقرر کیا تو اُن کو ہدایت کی کہ جو کچھ تھیں کتاب اللہ سے معلوم ہو سکے اسکو اسی میں دیکھو اور اُسکے متعلق کسی سے دریافت نہ کرو، اور جو چیز تکو اس میں نہ معلوم ہو سکے، اس کے متعلق حدیث نبوی کا تتبع کرو، اور جو چیز تم کو حدیث میں بھی نہ معلوم ہو اس میں اپنی رائے سے اجتہاد کرو، اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ تفسیرات فریضہ محکمہ یا سنت متبعہ کا نام ہے، لیکن جو چیز تکو قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تکو اسکی نسبت شبہ ہو تو اس پر غور کرو اور خوب غور کرو اس کے ہم صورت اور متشکل واقعات کو دریافت کرو، پھر اُن سے قیاس کرو، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مفوضہ اودہ عورت جسکو طلاق لینے کا اختیار دیا جائے، کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ میں اس کے بارے میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں اگر وہ صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری جانب سے اور شیطان کی طرف سے ہے خدا اور خدا کا رسول اس سے بری ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے سوال کیا کہ کتاب اللہ میں بقیہ کا ملٹ ہے یا اُنھوں نے کہا کہ میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اور تم اپنی رائے سے کہتے ہو، حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک آدمی سے ملے تو فرمایا کہ تمھارے معاملہ میں کیا ہوا اس نے کہا کہ علی اور زید نے فیصلہ کیا بولے اگر میں جانتا تو فیصلہ کرتا، اس نے کہا کہ آپ کو کس نے رد کیا ہے؟ خلیفہ تو خود آپ ہیں بولے اگر میں تم کو قرآن و حدیث کی طرف لوٹا سکتا تو انہی کی طرف لوٹاتا، لیکن میں تم کو اپنی رائے کی طرف لوٹاتا ہوں اور اے ایک مشترک چیز ہو اس بنا پر اُنھوں نے حضرت

اور حضرت زین کے فیصلہ کو منسوخ نہیں کیا،

لیکن با این ہمہ وہ لوگ اسے پر اعتماد کرنا پسند نہیں کرتے تھے تاکہ لوگ دین کے بارے میں بلا علم اسے زنی پر دلیر نہو جائیں اور اس میں ایسی چیزیں نہ شامل ہوں جو اس میں شامل نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہؓ نے اسے کی برائی بیان کی ہے لیکن یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ انھوں نے جس اسے کی بُرائی کی ہے وہ اس رائے سے الگ ہے جس پر انھوں نے خود عمل کیا ہے اس لیے قابلِ ذمہ اسے اگر ہے تو یہ ہے کہ فتویٰ میں خواہش نفس کی پیروی کی جائے اور اس کا استناد دین کی کسی اصل کی طرف نہ کیا جائے اور قابلِ ستائش اسے وہ ہو جسکو حضرت عمرؓ اپنے قاضی کیلئے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے ”ہم صورت اور ہم شکل دو تعات کو معلوم کرو، پھر ان سے قیاس کرو، کیونکہ اس صورت میں اسے پر عمل کرنا حقیقت قرآن وحدیث کے عقلی مفہوم پر عمل کرنا ہے، بہر حال جن فتاویٰ میں ان لوگوں نے اسے استناد کیا ہے وہ بہت کم ہیں“

شیخین یعنی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جب کسی حکم کے متعلق ایک جماعت سے مشورہ لیتے، اور وہ اس کے متعلق اپنی رائے سے مشورہ دیدیتی تو لوگ اس پر عمل کرتے اور کسی کی یہ مجال نہ ہوتی کہ وہ اس کی مخالفت کرتا، اظہارِ رائے کے اسی طریقہ کا نام اجماع تھا اور چونکہ اس وقت مہدین صحابہ کی تعداد محدود تھی اس لیے ان سے مشورہ لینا اور ان کی رائے کے نتیجے سے واقف ہو جانا ممکن تھا، اور اس لیے اجماع ایک آسان چیز تھی، الغرض اس طریقہ پر اس زمانے میں احکام کے ماخذ چار تھے،

(۱) قرآن اور یہی قابلِ اعتماد ماخذ تھا،



(۲) حدیث،

(۳) قیاس یا رائے یہ قرآن و حدیث ہی کی فرع تھا،

(۴) اجماع، اور یہ بدیہی بات ہے کہ وہ اپنے اجماع میں قرآن و حدیث

اور قیاس ہی سے استناد کرتے ہوں گے،

شیخین کی سیاست کا نتیجہ یہ ہوا کہ احکام میں بہت کم اختلاف ہونے پایا کیونکہ وہ یا تو شورہ کے بعد صادر کیے جاتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ اس صورت میں اختلاف نہیں ہو سکتا تھا یا وہ کتاب حکم اور سنت متبعہ معروفہ کے رد سے صادر ہوتے تھے ایسی حالت میں اختلاف کا سبب صرف وہ فتاویٰ ہو سکتے تھے جو رائے سے صادر کیے جاتے تھے، لیکن ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ ان کو رائے پر بہت کم اعتماد تھا، اس کے ساتھ لوگوں پر حضرت عمرؓ کی عام مہیت چھائی ہوئی تھی اس لیے فتویٰ دینا ان کے نزدیک کوئی آسان کام نہ تھا، بلکہ اس ذمہ داری کو لوگ ایک دوسرے کے سر پر ڈالنا چاہتے تھے،

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ اپنی رایوں کو خود اپنی طرف منسوب کرتے تھے شریعت کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے اس لیے علی حیثیت سے اُس کو لازمی نہیں قرار دیتے تھے، چنانچہ اسکی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ جب اپنی رائے سے کوئی اجتہاد کرتے تھے تو کہتے تھے کہ ”یہ میری رائے ہے اگر صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری جانب سے اور میں خدا سے استغفار کرتا ہوں“ حضرت عمرؓ کے ایک محرر نے لکھا کہ ”خدا کی رائے اور عمرؓ کی رائے ہے“ تو انھوں نے کہا کہ یہ نہایت بُری بات ہے یہ عمرؓ کی رائے ہے، اگر صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو عمرؓ کی جانب سے اور فرمایا سنت وہ ہے

جسکو خدا اور خدا کے رسولی نے مقرر کیا ہو، اسے کی غلطی کو امت کیلئے سنت نہ بناؤ۔  
 امام محمد بن حسن نے امام ابو حنیفہ سے اور انھوں نے حماد سے اور انھوں نے  
 ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا  
 مہر ستین نہیں کیا اور اس کے ساتھ مقاربت کرنے سے پہلے مر گیا، اب حضرت  
 عبداللہ بن مسعود نے عورت کیلئے پورے مہر مثل کا فتویٰ دیا، چنانچہ جب وہ یہ  
 فتویٰ دیکھے تو فرمایا کہ اگر یہ صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری جانب اور  
 شیطان کی جانب سے ہے، خدا اور خدا کے رسول اس کے ذمہ دار نہیں، اسپر ان کے  
 ہم نشینوں میں ایک آدمی (یعنی معقل بن سنان الاشجعی جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے)  
 نے کہا کہ "خدا کی قسم آپ نے وہی فیصلہ کیا جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برودع بنت  
 واشق الاشجعیہ کے معاملہ میں کیا تھا، چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہ فتویٰ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے فتویٰ کے مطابق پڑ گیا تھا اس لیے وہ اس قدر خوش ہوئے  
 کہ اس سے پہلے کبھی اس قدر خوش نہیں ہوئے تھے، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ  
 اس فتویٰ میں ان کے مخالف ہیں، وہ اس عورت کو وراثت دلواتے ہیں، اس کے  
 لیے حد لازمی قرار دیتے ہیں اور اس کو مہر نہیں دلواتے اور کتاب اللہ کے  
 مقابلے میں قبیلہ اشجعی کے ایک بڑے کا قول تسلیم نہیں کرتے، جسکی وجہ یہ ہے کہ اس  
 عورت کو طلاق دیجاتی تو اس کو مہر نہ ملتا، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ

يَمْسَسْنَ بَعْضُهُنَّ بَعْضًا فَرِيقَتُهُمْ

وَيَدُّوهُمُ يُرْكَوْنَ لَكُمْ إِنَّمَا

اس بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ موت کو طلاق کے مثل قرار دیتے ہیں اور چونکہ

وہ قبولِ روایت میں نہایت متشدد تھے، اس لیے اس حدیث کو قبول نہیں کرتے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ موت کو طلاق کے مثل نہیں سمجھتے، اور عقل کی روایت سے اپنی رائے کی تائید کرتے ہیں

اس موقع پر ان چند مسائل کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جن میں اس دور کے بڑے بڑے مفتیوں نے اختلاف کیا ہے، تاکہ ان سے ان کے اختلاف کے اسباب ظاہر ہو جائیں

(۱) حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک مطلقہ عورت نے اپنی عدت کے زمانے میں نکاح کر لیا (اور قرآن مجید میں اس کی ممانعت آئی ہے) اس بنا پر حضرت عمرؓ نے شوہر کو چند کوڑے لگائے، اور دونوں میں علیحدگی کرادی اور فرمایا جو عورت اپنی عدت میں نکاح کرے تو جس شخص نے اس سے نکاح کیا ہے، اگر اس کے ساتھ مقاربت نہیں کی ہے تو ان دونوں میں علیحدگی کرادی جائے گی اور اسکو اپنے پہلے شوہر کے طلاق کی بقیہ عدت گزارنی پڑے گی، اس کے بعد دوسرا شوہر اس کے ساتھ گنجی کر سکے گا، لیکن اگر اس نے اس سے مقاربت کر لی ہے تو دونوں میں علیحدگی کرادی جائیگی اس کے بعد عورت کو پہلے شوہر کی طلاق کی عدت گزارنی ہوگی پھر وہ دوسرے شوہر کی علیحدگی کی عدت گزارے گی اس کے بعد وہ اس سے کبھی نکاح نہ کر سکے گا، لیکن حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے نزدیک جب پہلے شوہر کی طلاق کی عدت گزر چکی تو دوسرا اگر چاہیگا تو اس کے ساتھ نکاح کر سکے گا، اس مسئلہ میں ان دونوں بزرگوں میں اختلاف یہ ہے کہ جب شوہر ثانی نے زوجہ بے عتدہ کے ساتھ مقاربت کر لی تو وہ اس کے لیے دائمی طور پر حرام ہوگئی یا نہیں؟ قرآن مجید کی کوئی آیت دونوں میں سے کسی کی بھی تائید نہیں کرتی، لیکن حضرت عمرؓ

بجرو تا دیب کے قاعدے پھیل فرمایا ہے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اصولِ عائشہ (۲) حضرت عثمان بن عفان اور حضرت زبید بن ثابت رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ جو آزاد عورت غلام کی بی بی ہو جائے وہ صرف دو طلاقوں سے دالمی طور پر حرام ہو جائے گی لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان دونوں بزرگوں کی مخالفت کی اور فرمایا کہ وہ تین طلاق سے کم میں دالمی طور پر حرام نہ ہوگی، البتہ جو لونڈی آزاد مرد کی بی بی ہو وہ صرف دو طلاقوں سے دالمی طور پر حرام ہو جائے گی تو ان مفتیوں نے اس پر توافق کر لیا ہے کہ غلام کے حقوق بہ نسبت آزاد آدمی کے آدھے ہیں، البتہ ان میں یہ اختلاف ہے کہ طلاق کا اعتبار شوہر کے لحاظ سے کیا جائیگا یا بی بی کے لحاظ سے؟ حضرت عثمانؓ اور حضرت زینبؓ کے نزدیک چونکہ شوہر طلاق دینے والا ہے اس لیے طلاق کا اعتبار اسی کے لحاظ سے کیا جائیگا، لیکن حضرت علیؓ کے نزدیک چونکہ طلاق بی بی پر پڑتی ہے اس لیے اس کا اعتبار بی بی کے لحاظ سے کرتے ہیں،

(۳) حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے اپنی بی بی کو حالتِ مرض میں طلاق نہی کی حضرت عثمانؓ نے اس کی عدت گزرنے کے بعد اُس کو اُن کے ترکہ سے وراثت دلائی، لیکن ایک روایت ہے کہ شریعتؐ نے ایک شخص کے بارے میں جس نے اپنی عورت کو حالتِ مرض میں تین طلاق دی تھی حضرت عمر بن الخطابؓ کو لکھا تو اُنھوں نے ان کو لکھا کہ جب تک وہ اپنی عدت میں ہے اس کو وراثت دلاؤ لیکن اگر عدت گزر جائے تو وراثت میں اس کا کوئی حق نہیں، ان دونوں بزرگوں کا سپر توافق ہے کہ بعض کی طلاق زوجیت کا رشتہ اس طرح نہیں منقطع کر دیتی کہ وہ وراثت کا سبب نہ ہو سکے لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی ایک حد مقرر کی ہے یعنی تا زمانہ عدت اور حضرت عثمانؓ نے اس کی

حد مقرر نہیں فرمائی اور اس مسئلہ میں قرآن و حدیث کا کوئی صریح حکم جس کی طرف رجوع کیا جاسکے نہیں ہے

(۴) جس حاملہ عورت کا شوہر مر جائے اس کی عدت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے وضع حمل مقرر کی ہے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ وضع حمل اور چار مہینے دن دن کی مدت میں جو زمانہ زیادہ طویل ہوگا وہی اس کی عدت کا زمانہ ہوگا، اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اگر کسی حاملہ عورت کو طلاق دی جائے تو زمانہ وضع حمل کو خداوند تعالیٰ نے اُس کی عدت مقرر کیا ہے اور جس عورت کا شوہر فضا کر جائے اُس کی عدت کا زمانہ چار مہینے دن دن قرار دیا ہے اور اس میں حاملہ اور غیر حاملہ کی تفصیل نہیں کی ہے، اس بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس عورت جس کا شوہر مر جائے اُس کے معاملہ میں دونوں آیتوں پر عمل کیا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت طلاق کو آیت وفات کا مخصوص ٹھہرایا ہے، اس معاملہ میں ایک حدیث بھی ہے اور وہ یہ کہ بئیسۃ بنت الحارث الاسلمیہ کے شوہر نے انتقال کیا تو اُن کی وفات کے ۲۵ دن کے بعد اُن کے یہاں ولادت ہوئی ولادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عدت کے گزر جانے کا فتویٰ دیا لیکن روایات کے قبول کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جو مشورہ اسے ہے وہ ہم کو معلوم ہو چکی ہے

(۵) امام مسلم اور امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دس سال تک اگر ایک ساتھ تین طلاقیں دی جاتی تھیں تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی تھیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو کام تہل و تامل کا تھا اس میں لوگوں نے جلد بازی کر دی تو ہم بھی ان کی سزا کے لیے اسکو نافذ کر دیں، چنانچہ انھوں نے اسکو نافذ کر دیا لیکن اوجھا

اس پر اتفاق نہیں کیا بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے اس کے خلاف روایت موجود ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسکو تعزیراً نافذ کیا ہے، اور جن لوگوں نے اس کی مخالفت کی ہے انھوں نے طواہر نصوص کی پیروی کی ہے،

(۶) اگر شوہر ایلا کرے یعنی اپنی بی بی سے مقاربت کرنے کی قسم کھائے اور بغیر رجعت کیے ہوئے اس پر چار مہینے گزر جائیں تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ بی بی پر طلاق بائن پڑ جائے گی، اور اب اگر شوہر اس سے نکاح کرنا چاہے تو اسکو نئے سرے سے منگنی کرنا ہوگی، لیکن اور صحابہؓ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جب یہ مدت گزر جائے گی تو شوہر کو دوبار تون مین سے ایک کا اختیار ہوگا یا تو رجعت کرے یا طلاق دیدے، صرف چار مہینے کا گزر جانا طلاق نہ شمار کیا جائے گا، اور قرآن مجید کی آیت مین ان دونوں فتوؤں کا احتمال ہے،

لذین یثقلون من نساء یتیم مترجھن جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلا کرتے ہیں ان کو چار مہینے  
اس بعتہ اشھر فان فاء وا فان اللہ انتظار کرنا ہوگا، اس کے بعد اگر رجعت کر لیں تو اللہ  
غفور رحیم وان عن مو الطلاق بخشے والا مہربان ہے، اور اگر طلاق کی ٹھان لیں تو  
فان اللہ سمیع علیم اللہ سننے والا جاننے والا ہے

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ ہے اور اس میں حضرت عمرؓ بھی ان کے موافق ہیں کہ مطلقہ عورت جب تک تیسرے حیض کے بعد غسل کر کے پاک نہ ہو جائے اپنی عدت سے نہیں نکل سکتی لیکن حضرت زید بن ثابتؓ کے نزدیک تیسرے حیض کے شروع ہونے کے ساتھ ہی وہ عدت سے نکل جائے گی اور اس اختلاف کا نشانہ یہ ہے

کہ لفظ "قرار" کے متعلق ان میں باہم اختلاف ہے حضرت زید بن ثابتؓ کے نزدیک اس کے معنی طہر یعنی پاکی کے ہیں، (اس لیے تیسرے حیض کے شروع ہونے کے ساتھ تین پاکیزوں کا زمانہ گزر گیا) لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کے معنی حیض کے لیتے ہیں (اس لیے جب تک وہ تیسرے حیض سے پاک نہ ہو جائے تین حیض کا زمانہ گزر نہیں سکتا)۔

(۸) اگر ایک عورت کو جبکہ معمولاً حیض آتا ہے طلاق دی جائے اور طلاق دینے کے بعد اس کا حیض بند ہو جائے تو اس کی نسبت حضرت عمرؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ نو مہینے تک انتظار کرے گی اس زمانہ انتظار میں اگر یہ معلوم ہو گیا کہ وہ حاملہ ہے تو بھی اس کی عدت کا زمانہ ہوگا ورنہ نو مہینے کے بعد اُسکو تین مہینے تک عدت میں رہنا ہوگا، لیکن ان کے علاوہ اور لوگوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اس کو اپنے آئسہ (یعنی بالکل حیض سے ناامید) ہونے کا انتظار کرنا ہوگا، اس کے بعد وہ مہینوں کے حساب سے عدت گزارے گی، حضرت عمرؓ کے علاوہ جن لوگوں نے فتویٰ دیا ہے اس میں عدت کے متعلق قرآن مجید کے ظاہری الفاظ کا لحاظ رکھا گیا ہو، کیونکہ اس عورت کو پہلے معمولاً حیض آتا تھا، اس لیے قرآن مجید کی آیت کے رو سے اُسکی عدت کا زمانہ تین حیض ہے اور اب تک وہ آئسہ نہ تھی کہ اُسکو مہینوں کے حساب سے عدت بسر کرنا پڑے، لیکن حضرت عمرؓ کے فتویٰ میں عدت کے معنی کا لحاظ رکھا گیا ہو یعنی اس بات کا ثبوت کہ عورت کو حمل نہیں ہے اور حمل کی غالب مدت کے گزرنے کے بعد اس کا شبہ باقی نہ رہ جائے گا، اس لیے وہ مہینوں کے حساب سے عدت بسر کرے گی۔

(۹) جس عورت کو تین طلاق دی جائے اس کی نسبت حضرت عمرؓ نے یہ فتویٰ دیا کہ

اس کو نفقہ اور سکونت کا حق حاصل ہو، لیکن جب اُن کو حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی یہ حدیث معلوم ہوئی کہ تیسری طلاق کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اُن کو حق نفقہ اور حق سکونت سے محروم کر دیا تو فرمایا کہ ”ہم اپنے پروردگار کی کتاب اور اپنے پیغمبر کی سنت کو ایک عورت کی قول کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتے“ معلوم نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی؟ اور خدا کی کتاب سے یہ آیت مراد ہے؟

لا تخرجوا من بیوتکم ولا  
تخرجوا الا ان یتین بصلحتہ  
مبینة  
(عدت میں) ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور  
وہ (خود بھی) نہ نکلیں مگر یہ کہ تم کھلا کوئی بے حیائی  
(کا کام) کر بیٹھیں (تو ان کے نکال دینے میں کوئی  
مضافہ نہیں)

لیکن اور لوگوں نے یہ فتویٰ دیا کہ اس کو نفقہ اور سکونت کا حق حاصل نہیں ہے، اور ان لوگوں نے اولاً تو حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، اور دوسرے اس آیت کے آخری کلمے سے بھی دلیل لائے ہیں،

لا تخرجوا من بیوتکم بعد  
ذلك امرا  
(اے شخص جو بی بی کو طلاق دیتا ہے) تو نہیں جانتا  
شاید اسد طلاق کے بعد (ملاپ کی) کوئی صورت  
پیدا کر دے،

لیکن یہ عورت جب کو تین طلاق دی جا چکی اور وہ اپنے طلاق دینے والے پر حرام ہو چکی اس کے بارے میں خدا ملاپ کی کیا صورت پیدا کر سکتا ہے؟ اُن کے علاوہ اور لوگوں کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کو نفقہ کا تو نہیں لیکن سکونت کا حق حاصل ہے، ان لوگوں نے حق نفقہ کا انکار اس آیت کے مفہوم سے کیا ہے،



وان کن ایالات حمل فم نفقتوا اور اگر مطلقہ عورتین عالمہ ہوں تو بچے جننے تک اُن کا

علیحدہ حتیٰ بضع حملہن خراج اٹھاتے رہیں

یہ لوگ کہتے ہیں کہ غیر عالمہ عورت کو حق نفقہ حاصل نہیں،

(۱۰) دادا کی موجودگی میں حضرت ابو بکرؓ بھائیوں کو وراثت نہیں دلو اتے تھے،

لیکن حضرت عمرؓ نے دادا کی موجودگی میں بھی بھائیوں کو وراثت دلوائی، حضرت ابو بکرؓ

نے دادا کو باپ تسلیم کیا ہے اور باپ کی موجودگی میں یہ نص قرآن بھائیوں کو وراثت

نہیں ملتی، لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو باپ نہیں تسلیم کیا، اور حضرت زید بن ثابتؓ بھی

اُن کے ساتھ متفق الہے ہیں

(۱۱) امام مالک نے موطا میں روایت کی ہے کہ ایک جدہ (یعنی نانی) حضرت

ابو بکرؓ کی خدمت میں اپنی میراث (یعنی نواسے کے ترکے سے) مانگنے آئی، انھوں نے

فرمایا کہ قرآن مجید میں تمھارا کوئی حصہ نہیں، اور حدیث میں بھی ہم کو تمھارا حصہ معلوم نہیں

ہوتا، اس وقت واپس جاؤ تا کہ ہم لوگوں سے دریافت کر لیں انھوں نے لوگوں سے

دریافت کیا تو مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ میرے سامنے رسول اللہ ﷺ نے نانی کو چھٹا

حصہ دیا ہے، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کیا تمھارے علاوہ بھی کوئی اسکی شہادت دے سکتا ہے؟

حضرت محمد بن مسلمہؓ نے بھی کھڑے ہو کر یہی بات کہی اور حضرت ابو بکرؓ نے اُسکو چھٹا حصہ

دلوایا، اُس کے بعد دوسری جدہ (یعنی حقیقی دادی) حضرت عمر بن الخطابؓ کی خدمت

میں اسی غرض سے حاضر ہوئی تو انھوں نے فرمایا قرآن مجید میں تمھارا کوئی حصہ نہیں

اور رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کا فیصلہ تمھارے لیے نہ تھا بلکہ نانی کے لیے تھا، میں

بذات خود فرائض میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا، البتہ اسی چھٹے حصے میں اگر تم دونوں

شریک ہو تو برابر تقسیم کرو، ورنہ جو تنہا ہو وہ اسی کا حق ہے، امام مالکؒ نے موطا میں روایت کی ہے کہ ضحاکؒ بن خلیفہ نے عریض (مدینہ کی ایک اوی کا نام ہے) سے ایک چھوٹی سی نہر نکالی اور اسکو حضرت محمد بن مسلمہؒ کی زمین میں یوں بجانا چاہا لیکن محمد بن مسلمہؒ نے اس سے انکار کیا، اس پر ضحاکؒ نے کہا تم مجھے کیوں روکتے ہو؟ وہ تو تمھارے ہی فائدے کی چیز ہے، تم اس سے ہر طرح پر فائدہ اٹھا سکتے ہو، لیکن اب بھی اُنھوں نے انکار کیا، اب اُنھوں نے اس معاملے میں حضرت عمر بن الخطابؓ سے گفتگو کی، اُنھوں نے محمد بن مسلمہؒ کو بلوایا اور حکم دیا کہ ان کو نہر بجانے دو، لیکن اُنھوں نے اب بھی انکار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے فائدے کی چیز میں کیوں رکاوٹ پیدا کرنے ہو، حالانکہ وہ تمھارے لیے بھی مفید ہے، تم اس سے ہر قسم کا فائدہ اٹھا سکتے ہو اور تم کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، لیکن محمد بن مسلمہؒ نے کہا خدا کی قسم نہیں اب حضرت عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم وہ نہر تمھارے پیٹ پر سے ہو کر گزرے گی، چنانچہ ضحاکؒ کو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ وہ محمد بن مسلمہؒ کی زمین میں سے نہر کو نکال بجاوین

۱۳۱ امام مالکؒ نے ابن شہابؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھولے بھٹکے اونٹ بالکل آزادانہ چھوٹے ہو رہتے تھے بچے جنتے تھے، اور ان کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا، لیکن حضرت عثمان بن عفانؓ کا زمانہ آیا تو اُنھوں نے ان کی تعریف (یعنی مالک کی تلاش کیلئے اعلان) کا حکم دیا، اس کے بعد وہ فروخت کر دیے جاتے تھے، اور جب ان کا مالک آتا تھا تو اس کو ان کی قیمت دیدی جاتی تھی،

(۱۴) عراق اور شام کی فتح کے بعد صحابہؓ کے دور میں سب سے اہم مسئلہ جو پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ یہ زمین جو فوجی طاقت سے فتح ہوئی ہے اس کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کریں؟ قرآن مجید کے ظاہری الفاظ کے لحاظ سے اس کو مال غنیمت میں محسوب کر کے اس کا چار خمس مجاہدین پر تقسیم کر دینا چاہیے، اور ایک خمس ان مصلح عامہ پر صرف کرنا چاہیے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں چنانچہ جب ان لوگوں نے یہ مطالبہ کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ زمین مع ذمی رعایا کے تقسیم کر دی جائے اور اس میں وراثت جاری ہو تو اس کے بعد کے آنے والے مسلمانوں کا کیا حال ہوگا؟ میری یہ رائے نہیں ہے، سپر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا تو کیا رائے ہے؟ زمین اور رعایا دونوں کو خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کو بطور مال غنیمت کے دیا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا بات تو وہی ہے جو تم کہتے ہو لیکن میری رائے یہ نہیں ہو خدا کی قسم میرے بعد جو ملک فتح ہوگا اس میں کوئی بڑا فائدہ نہ ہوگا، بلکہ ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کے سر کا وبال ہو جائے اگر عراق کی زمین مع ذمی رعایا کے تقسیم کر دی جائے اور اسی طرح شام کی زمین مع ذمی رعایا کے بانٹ دیا جائے تو سرحد کی حفاظت کیونکر ہوگی؟ شام، عراق اور دوسرے شہروں کے چھوٹے بچوں اور یہود عورتوں کو کیا ملے گا؟ لیکن لوگوں نے حضرت عمرؓ سے بڑا مباحثہ کیا اور کہا کہ خدا نے ہماری تلواروں کے ذریعہ سے ہم کو جو مال غنیمت عطا فرمایا ہے، اس کو آپ ایسے لوگوں پر وقف کرنا چاہتے ہیں جو شریک جنگ نہیں ہوئے، آپ اس کو ایسے لوگوں کے لڑکوں اور پوتوں کو دینا چاہتے ہیں جو جنگ میں موجود نہ تھے، لیکن یا اہل بیت حضرت عمرؓ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہتے تھے کہ یہ رائے ہے اب ان لوگوں نے کہا کہ اس معاملہ میں مشورہ کیجیے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہاجرین اولین سے مشورہ طلب کیا،

ان لوگوں نے بھی اختلاف کیا، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کی رائے یہ تھی کہ ان کے حقوق تقسیم کر دیے جائیں، اور حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم حضرت عمرؓ کے ہم رائے تھے، اب حضرت عمرؓ نے دس اوصیاء کو طلب فرمایا جن میں پانچ آدمی شرفائے اوس کے اور پانچ آدمی شرفائے خزرج کے تھے، یہ لوگ جمع ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں کو صرف اس لیے تکلیف دی ہو کہ آپ لوگ میری ذمہ داریوں میں شریک ہوں کیونکہ میں بھی آپ ہی لوگوں کا ایک معمولی فرد ہوں، اور آج آپ ہی لوگ حق کو قائم رکھ سکتے ہیں کہ میری مخالفت کی اور کسی نے میری موافقت میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ لوگ میری اس خواہش نفسانی کی تقلید کریں، آپ کے ساتھ خدا کی حق گو کتاب ہے اگر میں کوئی ایسی بات کہوں جسکو میں کرنا چاہتا ہوں، تو اس سے میرا مقصد صرف حق ہو گا۔

ان لوگوں نے کہا اے امیر المومنین فرمائیے ہم سنیں گے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ لوگوں نے ان لوگوں کی بات سن لی جو خیال کرتے ہیں کہ میں ان کے حقوق کو ظلماً لینا چاہتا ہوں اور میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں ظلم کا ارتکاب کروں، اگر میں ان سے ظلماً کوئی ایسی چیز لے لوں جو ان کی ہو اور اس کو دوسروں کو دیدوں تو میں بدبخت ہوں گا، لیکن میری رائے یہ ہے کہ ملک کسری کی فتح کے بعد اگر تمام مال، جائیداد اور عیال کو مالِ شہنشاہیت سمجھ کر تقسیم کر دیا جائے، اور خمس کو میں اس کے مصارف میں صرف کروں تو کوئی دوسرا ملک فتح نہ ہو سکے گا، میری رائے یہ ہو کہ میں تمام اراضی کو مع رعایا کے وقف قرار دوں اور ان پر خراج اور جزیہ مقرر کروں تاکہ وہ شرکائے جنگ ہر سال بچوں اور ان کے بعد کے مسلمانوں کے لیے وقف عام ہو، کیا آپ لوگوں کو یہ نہیں

معلوم کہ ان سرحدوں کی حفاظت کے لیے بہت سے اشخاص کی ضرورت ہے جو وہاں جمع رہیں؛ کیا آپ لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ ان بڑے بڑے شہروں یعنی شام، جزیرہ کوفہ، بصرہ اور مصر کیلئے یہ ضروری ہے کہ فوجوں کے ذریعہ سے ان کی حفاظت کی جائے اور ان کو وظائف دیے جائیں؛ لیکن اگر زمین اور رعایا تقسیم کر دی گئی تو ان کو کہاں سے وظیفہ دیا جائیگا؟ اب ان لوگوں نے کہا کہ آپ ہی کی رائے ٹھیک ہے اور آپ نے یہ بہت صحیح فرمایا کہ اگر یہ سرحدیں اور یہ شہر فوجوں کے ذریعہ سے محفوظ نہ رکھے جائیں اور ان کے وظائف نہ مقرر کئے جائیں، تو تمام کفار اپنے اپنے شہروں میں واپس چلے جائیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب میرے لیے معاملہ صاف ہو گیا اور زمین کو خود اُس کے اصلی مالکوں کے ہاتھ میں رہنے دیا اور ان پر خراج مقرر کیا، ان کی یہ رائے صحیح تھی اور عام رائے کی پیروی میں خالفین خاموش ہو گئے،

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں پر برابر مال تقسیم فرماتے تھے اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیتے تھے، لیکن اُن سے کہا گیا کہ آپ نے تقسیم مال میں تمام لوگوں کو برابر کر دیا، حالانکہ بہت سے لوگ فضیلت رکھتے ہیں، ان کو قدرت حاصل ہے، اور ان کے اگلے کارنامے ہیں، ان لوگوں کو ترجیح دینی چاہیے، لیکن اُنھوں نے کہا کہ اُن چیزوں کا ثواب تو خدا کے یہاں ہے گا، معاش کے معاملہ میں مساوات ہی بہتر ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتوحات کو وسعت ہوئی تو اُنھوں نے ترجیحی حقوق قائم کیے، اور فرمایا کہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی جو میں اُن کو ان لوگوں کے برابر نہیں کر سکتا جو آپ کے ساتھ شریک جہاد ہوئے ہیں اور اسی اصول پر اُنھوں نے فوجی دفتر مرتب کیا،

ہمارا مقصد یہ نہیں کہ اُس دور کے تمام مفتیوں کے فتاویٰ کا استقصاء کریں اور اُن کے تمام اختلافی مسائل کو بیان کریں ہم نے صرف چند مثالیں اس غرض سے درج کی ہیں کہ اُن کے استنباط کا طریقہ معلوم ہو جائے، اور باوجود قریب عہد رسالت کے اُن کے اختلاف کے اسباب ظاہر ہو جائیں چنانچہ ان مسائل سے اختلاف کے یہ تین سبب معلوم ہوتے ہیں

(ایک) تو قرآن کے سمجھنے میں اختلاف ہوا اور اس کی وجہ سے فتویٰ میں بھی اختلاف ہو گیا، چنانچہ اس کی چند صورتیں ہیں  
(۱) قرآن مجید میں ایک ایسے لفظ کا آنا جس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، مثلاً اس آیت میں

والمطلقات يتزينن بانفسهن  
مطلقة عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے  
ثلاثة فتروء، رکھیں

لفظ "قرء" کے معنی کے سمجھنے میں اختلاف ہوا، اور حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی حیض کے، اور حضرت زید بن ثابتؓ نے طہر یعنی پاکی کے سمجھے اور ہر ایک نے دلائل سے اپنے اپنے مفہوم کی تائید کی، اس طرح آیت ایلا، میں خداوند تعالیٰ نے مٹولی یعنی بی بی کے پاس جانے کی قسم کھانے والے کے لیے چار مہینے کی مدت مقرر کی جس میں اس کو انتظار کرنا چاہیے اُس کے بعد فرمایا فان فاء وان فان اللہ غفور رحیم اگر قسم سے رجوع کر جائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیعٌ علیم

جانتے والا ہے

جس میں یہ بھی احتمال ہے کہ رجوع کرنے یا طلاق دینے کا مطالبہ مدت معینہ کے گزرنے کے بعد ہوا اور یہ بھی احتمال ہے کہ حجت صرف مدت معینہ میں ہو سکتی ہے اور جب وہ مدت گزر گئی تو رجعت نہیں ہو سکتی بلکہ اُس کے گزرنے کے ساتھ ہی طلاق پڑ جائے گی،

(۲) دو الگ الگ چیزوں کے متعلق دو مختلف حکموں کا آنا جس سے یہ گمان پیدا ہو کہ ان میں ایک حکم دوسری چیز کے بعض اجزاء کو بھی شامل ہے اور اس طرح وہ دونوں حکم اس جز میں باہم متعارض ہو جائیں مثلاً جس عورت کا شوہر مر گیا ہو اسکی عدت کے متعلق جو آیت نازل ہوئی ہے اس نے اُس پر چار مہینے و سول دن کا اشتراط واجب کیا ہے اور اس سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکم حاملہ عورت کو بھی شامل ہے لیکن جس حاملہ عورت کو طلاق دی جائے اس کی مدت کے متعلق جو آیت نازل ہوئی ہے اس نے اس کی عدت وضع حمل کو قرار دیا ہے، اس بنا پر جس حاملہ عورت کا شوہر مر گیا ہو وہ دونوں آیتوں کے تحت میں داخل ہو سکتی ہے پہلی آیت کے رو سے اگر چار مہینے دس دن سے پہلے ہی وضع حمل ہو جائے تب بھی اس کو اس مدت میں عدت گذارنی چاہیے لیکن دوسری یعنی مطلقہ عورت کی عدت والی آیت کے رو سے اگر اس مدت کے گزرنے سے پہلے لڑکا ہو جائے تو اس پر اس مدت کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا بلکہ اس کی عدت زمانہ وضع حمل کو قرار دیا جائیگا، چنانچہ بعض کبار صحابہؓ نے ان دونوں راویوں کے مطابق فتویٰ دیا ہے،

(دوسرے) حدیث کی وجہ سے فتوؤں میں اختلاف پیدا ہوا چنانچہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ بعض حدیثیں عام طور پر معلوم حکمتیں اور صحابہ کے ایک جم غفیر کے

سامنے یا تو ان پر عمل کیا گیا تھا یا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئی تھیں  
 مثلاً نماز، کیفیت نماز، تعداد رکعات، نماز حج اور شعاہ حج کے متعلق جو حدیثیں تھیں وہ  
 اسی قسم کی تھیں، لیکن بعض حدیثوں پر صرف ایک یا دو آدمیوں کے سامنے عمل  
 کیا گیا تھا یا آپ کی زبان مبارک سے وہ انہی اشخاص کے سامنے ادا ہوئی تھیں  
 اس بنا پر ان کی روایت صرف انہی لوگوں تک محدود تھی جو اس وقت موجود تھے  
 چنانچہ اکثر قوی حدیثیں اسی قسم کی ہیں، اور وہی منشاء اختلاف ہیں کیونکہ اس میں  
 میں روایت حدیث کا رواج نہ تھا، اور حدیثیں کسی ایسی کتاب میں نہ تھیں گئی تھیں  
 جس کی طرف رجوع کیا جاسکے اس لیے جب مفتیوں کے سامنے کوئی واقعہ آتا  
 تھا اور ان کو اس کے متعلق قرآن مجید میں کوئی آیت نہیں ملتی تھی، تو وہ لوگ اپنے  
 رفقاء سے اُس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ دریافت فرماتے تھے، اور اُس  
 حالت میں بعض لوگ ایسے نکل آتے تھے جو ان کے لیے حدیث بیان کر دیتے تھے  
 اور وہ لوگ کافی احتیاط کے بعد اس کے مطابق فتویٰ دیدیتے تھے، چنانچہ حضرت  
 عمرؓ راوی سے ایک ایسے شخص کا مطالبہ کرتے تھے جو سماع حدیث میں اس کا  
 شریک ہو، اور حضرت علی بن ابی طالبؓ راوی سے قسم لیتے تھے لیکن جو حدیث  
 ایسی روایت کی جاتی تھی جسکی صداقت پر ان کو کافی اطمینان نہیں ہوتا تھا اُس پر  
 وہ عمل نہیں کرتے تھے، مثلاً حضرت عمرؓ نے فرمایا ”ہم اپنے خدا کی کتاب اور اپنے  
 پیغمبر کی سنت کو ایک عورت کے قول سے نہیں چھوڑ سکتے ہم کو کیا معلوم کہ وہ صحیح  
 کہتی ہے یا غلط، اس نے یاد رکھا یا بھول گئی“ غرض عدم روایت کے رواج اور  
 روایت کردہ حدیثوں کے قبول کرنے میں چھان بین کی بنا پر وہ لوگ بھی اس مفہوم



رو سے فتویٰ دیتے تھے جو آیات قرآنہ کے عموم سے سمجھا جاتا تھا حالانکہ اس موقع پر ایسی حدیث موجود ہوتی تھی جو اس عموم کی تخصیص کرتی تھی لیکن جب کوئی نص موجود نہ ہوتی تو وہ لوگ اسے اور اجتہاد سے فتویٰ صادر کرتے تھے

(تیسرے) اسے کی وجہ سے فتوے میں اختلاف پیدا ہوا، چنانچہ ہم ابھی اوپر بیان کر چکے ہیں کہ جب واقعہ کے متعلق قرآن پاک یا حدیث کی کوئی نص نہیں ہوتی تھی تو وہ لوگ اسے سے فتویٰ دیتے تھے لیکن اسے کے متعلق وہ یہ لحاظ نہیں کرتے تھے کہ اس واقعہ کی کوئی معین اصل ہے یا نہیں بلکہ جو چیز عملاً موافق مصلحت اور فقہ اسلامی کی روح سے قریب تر ہوتی تھی اسی کا نام انھوں نے اسے رکھا تھا، مثلاً حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کے خلاف یہ فیصلہ کیا کہ ان کے پڑوسی کی ہزارن کی زمین میں سے نکالی جاسکتی ہے، کیونکہ اس میں یقین کا فائدہ تھا، اور محمد بن مسلمہؓ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا، یا مثلاً انھوں نے دفعۃً واحدۃً تین طلاق کے پڑ جانے کا فتویٰ دیا کیونکہ جو معاملہ غور و فکر کا محتاج تھا اس میں لوگ جلد بازی سے کام لینے لگے تھے، یا مثلاً جس شخص نے زمانۃ عدت میں کسی عورت سے نکاح کر لیا، علحدگی کے بعد انھوں نے دوبارہ تعزیری طور پر اس کے نکاح کو اس کے لیے حرام قرار دیا، لیکن مصالح پر مختلف لوگ مختلف حیثیتوں سے نگاہ ڈالتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بعض مفتیوں نے ان کی اسے کی مخالفت کی، اور چند مسائل میں جیسا کہ ہم ”بھائیوں کے ساتھ دادا کی میراث“ اور عطیہ میں باہمی ترجیح کے متعلق بیان کر چکے ہیں حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی مخالفت کی اور ان کے فیصلہ سے الگ فیصلہ کیا، حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے بھی چند مسائل میں اس دور کے مفتیوں کے خلاف فتویٰ دیے

چنانچہ جو یتیم ان کی کفالت میں ہوتے تھے وہ اُن کے مال سے زکوٰۃ نکالتے تھے لیکن اُن کے علاوہ اور صحابہ کا فتویٰ یہ تھا کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے، لیکن ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اس دور میں اختلاف بہت زیادہ نہ تھا، کیونکہ جتنے مسائل و واقعات پیدا ہوتے تھے، اسی قدر وہ فتوے دیتے تھے، اور ان کے زمانے میں فتاویٰ مدون نہیں کیے گئے تھے، غرض اس دور تک فقہ حسب ذیل چیزوں کا نام تھا،

(۱) قرآن مجید کے احکام و آیات،

(۲) وہ حدیثیں جو عام طور پر معلوم تھیں اور ان پر عموماً عمل کیا جاتا تھا، ان کے علاوہ وہ حدیثیں جنکو دوسرے صحابہ نے روایت کیا تھا اور کبار صحابہ نے اُن کو قبول کر لیا تھا، یا وہ حدیثیں جنکو کبار صحابہ نے خود سنا تھا،

(۳) چند فتاویٰ جو اجتہاد و بحث کے بعد اُن کی رائے سے صادر ہوئے

اس دور کے مشہور ترین مفتی خلفاء اربعہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت

ابو موسیٰ اشعری، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت

ہیں، لیکن ان میں حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ

بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت نے زیادہ تر فتویٰ دیے ہیں اور حضرت زید

بن ثابت خصوصیت کے ساتھ فرائض کے مفتی ہیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات تو اس قدر

واضح ہیں کہ اس موقع پر اُن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، البتہ ان کے

علاوہ ہم دو بزرگوں کے حالات درج کرتے ہیں

## حضرت عبداللہ بن مسعود رضی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہندی بنو زہرہ کے حلیف اور قدیم الاسلام ہیں انکا بیان ہے کہ میں نے اپنے آپ کو چھ مسلمانوں میں کا چھٹا مسلمان پایا اس وقت سطح زمین پر ہم لوگوں کے سوا کوئی اور مسلمان نہ تھا کہ میں سب سے پہلے انھین نے باعلان قرآن مجید پڑھا جب وہ اسلام لائے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو لے لیا، اور وہ آپ کی خدمت کرنے لگے، آپ نے فرمایا کہ تم کو اندر آنے کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہیں تمھاری اجازت صرف یہ ہے کہ تم میری بات سن لو اور پردہ اٹھا ہوا ہو، چنانچہ وہ آپ کے پاس اندر آتے جاتے آپ کو جوتا پہنا تے آپ کے ساتھ اور آپ کے آگے آگے چلتے جب آپ غسل فرماتے تو پردہ کرتے، اور جب آپ سوئے تو آپ کو بیدار کرتے، حبشہ اور مدینہ دونوں جگہ ہجرت کی اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر، احد، خندق، بیعتہ الرضوان اور تمام لڑائیوں میں شریک ہوئے اور آپ کے بعد سرکہ پر موک میں شرکت کی ان سے بہت سے صحابہ کرام تابعین نے حدیث کی روایت کی ہے، حضرت حذیفہؓ سے کہا گیا کہ ہم کو ایسا شخص بتائیے جو طور و طریقے میں رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ قریب تر ہوتا کہ ہم اس سے حدیث سنیں اور اخذ کریں، بولے طرز و روش میں رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ قریب ابن مسعودؓ ہیں اصحاب محمدؐ میں جو لوگ محفوظ ہیں وہ جانتے ہیں کہ ابن ام عبد اللہ عبداللہ بن مسعودؓ سب سے زیادہ مقرب بارگاہ الہی ہیں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ خلیفہ بنانا تو ابن ام عبد اللہ کو بناتا،

حضرت عمر بن الخطابؓ نے اُن کو کوفہ بھیجا اور باشندگان کوفہ کو لکھا کہ میں نے  
 عمار بن یاسرؓ کو امیر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے یہ دونوں  
 رسول اللہ ﷺ کے شریف ترین بدری صحابی ہیں، ان کی پیروی اور اطاعت کرو  
 اور ان کا کہنا مانو، میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ اپنے آپ پر نیکو ترجیح دی ہے، اور  
 انھوں نے اہل کوفہ کے معلم اور قاضی کی حیثیت سے وہاں قیام کیا اور وہاں کے  
 باشندے اُن سے حدیث اخذ کرتے رہے، اور انھوں نے جیسا کہ اُن کے متعلق حضرت  
 علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے قرآن کو پڑھا اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو  
 حرام سمجھا، مذہب کے فقیہ اور حدیث کے عالم تھے

اُن کی زندگی کے اخیر حصہ میں حضرت عثمانؓ سے اُن کے تعلقات خراب ہو گئے  
 اور انھوں نے ان کو مدینہ میں بلالیا، چنانچہ وہ مدینہ میں آئے اور تا دم وفات وہیں  
 مقیم رہے، ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اُن کے  
 جنازہ کی نماز پڑھائی، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات سے پہلے جو ۳۲ھ  
 میں واقع ہوئی، ہر ایک نے دوسرے کیلئے طلب مغفرت کی

### حضرت زید بن ثابتؓ

ان کے باپ کا نام ضحاک تھا اور انصار کے قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے  
 رسول اللہ ﷺ جب مدینہ میں آئے تو اُن کی عمر ۱۱ سال کی تھی، سب سے پہلے انھوں نے  
 غزوہ خندق میں شرکت کی، تبوک کی جنگ میں بنو مالک بن النجار کا جھنڈا حضرت  
 عمارہ بن حزمؓ کے ہاتھ میں تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان سے لیکر حضرت زید بن ثابتؓ

کے حوالے کر دیا، عمارہ نے کہا یا رسول اللہ کیا میرے متعلق آپ کوئی بات معلوم ہوئی ہے؟ فرمایا: نہیں، لیکن قرآن مقدم ہے اور زید نے تم سے زیادہ قرآن پڑھا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وحی وغیرہ لکھا کرتے تھے، آپ کے پاس سریانی زبان میں بہت سے خطوط آتے تھے، اس لیے حضرت زید بن ثابتؓ نے آپ کے ارشاد سے سریانی زبان سیکھی، آپ کے بعد وہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بھی کاتب رہے، اور حضرت عمرؓ نے ان کو تین بار مدینہ ہی میں اپنا جانشین بنایا اور حضرت عثمانؓ بھی جب حج کو جاتے تھے تو ان کو اپنا جانشین بناتے تھے، وہ صحابہؓ میں سب سے زیادہ فرائض کے عالم تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زید تم میں سب سے زیادہ علم فرائض کو جانتے ہیں، وہ صحابہؓ میں بہت بڑے عالم اور راسخین فی العلم میں تھے، جب وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ تنہا ہوتے تھے تو نہایت خوش طبع تھے، لیکن قوم کے مجمع میں نہایت باوقار رہتے تھے، وہ عثمانی تھے، اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی حمایت میں کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے، لیکن ان کے فضل اور ان کی تعظیم کا اظہار کرتے تھے، بہت سے صحابہؓ اور تابعینؓ ان سے حدیث کی روایت کی ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن مجید کو انہی نے جمع کیا، اور حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں اس کام کیلئے چند لوگوں کو مقرر کیا تھا ان کے ساتھ بھی وہ شریک رہے،

## تیسرا دور

صِغَارِ صَحَابَہؓ اور اُن کے نُلَامَۃِ تَابِعِیْنَ کے عَمَلِ دِیْنِ فِیْقِ

یہ دور حکومت معاویہؓ یعنی ۴۰ھ سے شروع ہوا اور اس وقت تک قائم رہا جب تک  
سلطنت میں ضعف کے آثار ظاہر ہونے لگے یعنی دوسری صدی ہجری کے آغاز تک

## سیاسی صورت حال

یہ دور اس زمانہ سے شروع ہوا جب عام اسلامی جماعت نے حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت پر اتفاق عام کر لیا، یہی وجہ ہے کہ ہجرت کے اکتالیسویں سال کو عام الحاقہ یعنی جماعت کا سال کہا جاتا ہے، لیکن بائینہما ابھی تک سیاسی اختلافات کی جھلکی نہیں ہوئی تھی بلکہ کچھ لوگ ایسے باقی رہ گئے تھے جو حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے خاندان کے ساتھ دلیمن بغض و اختلاف رکھتے تھے، یہ لوگ دو گروہ میں منقسم تھے جن میں پہلا فرقہ خارجیوں کا تھا جو اپنے سیاسی اصول کے موافق استبدادی سلطنت اور مستبد بادشاہ کا دشمن تھا، اور اُس کے نزدیک خلافت اسلامیہ کسی خاص خاندان اور کسی خاص شخص کی ذات میں محدود نہ تھی، بلکہ اس کا دار و مدار جمہور کے ارادہ پر تھا، اور وہ اپنی سیاست اور حکومت کیلئے خود موزون شخص کا انتخاب کر سکتے تھے، یہ لوگ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو رم اسد وجہ اور حضرت امیر معاویہؓ سے بالکل اپنی علیحدگی

ظاہر کرتے تھے، کیونکہ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہما کی سیاست سے اختلاف کیا، اور اپنے خاندان والوں کی رعایت اور عزت افزائی کی اور قومی حقوق میں اُن کو ترجیح دی، اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے اپنے اور اپنے مخالفین کے درمیان حکیم پر رضامندی ظاہر کی، اور حضرت امیر معاویہؓ نے خلافت پر بزرگ تسلط حاصل کر لیا، دوسرا فرقہ شیعوں کا تھا جو خلافت کو حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اور ان کے خاندان کا حق سمجھتا تھا، اس لیے جس شخص نے اُن کے اس حق کو غصب کر لیا وہ اُن کے نزدیک ظالم ہے اور اس کی حکومت جائز نہیں!

حضرت امیر معاویہؓ کے سیاسی طرز عمل نے شیعوں کے شورش انگیز خیالات کو پرسکون بنا دیا تھا اور خارجیوں کی سختیان کم کر دی تھیں یہی وجہ ہے کہ اُن کی وفات کے بعد ہی اتحاد اسلامی کے خلاف شورشیں برپا ہونے لگیں چنانچہ اہل مدینہ نے یزید کی فسخ بیعت کیلئے شورش کی، اور حضرت امام حسینؓ نے اس خیال سے عراق کا رخ کیا کہ وہاں اُن کے باپ کے حامیوں میں سے ایسے شخص مل جائیں گے جو اُن کے منصوب حق کی دہی میں اُن کی مدد کریں گے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں پناہ گزین ہو کر مخالفت کی، ان لوگوں کی شورش نے اہل مدینہ کو بہت مضطرب الحال بنا دیا، اور اُن پر سخت آفتیں نازل ہوئیں چنانچہ حضرت امام حسینؓ علیہ السلام حد درجہ عراق میں داخل ہونے سے پہلے ہی شہید کر دیے گئے، اور اُن کے اہلیت میں بہت سے لوگوں نے خود اہل عراق کے درمیان شہادت پائی، اور اگر یزید مر گیا نہ ہوتا تو حضرت ابن زبیرؓ کا بھی یہی حشر ہوتا،

یزید کی موت کے بعد فتنہ و فساد کی یہ آگ ابھی بھڑکی اور جب تک عبدالملک بن مروانؓ

مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کا کام تمام نہ کر لیا، اور وہ تمام ممالک واپس نہ لے لیے  
 جو شورش کا مرکز تھے، یہ آگ اسی شدت کے ساتھ بھڑکتی رہی، لیکن حضرت عبداللہ  
 بن زبیر کی شہادت اور ان ممالک کی واپسی کے بعد اب دوبارہ مسلمانوں میں اتفاق  
 عام پیدا ہوا اور شیعوں کی دعوت اور خوارج کی شدت زائل ہو گئی، لیکن حضرت  
 امیر معاویہ کی ذات پر مسلمانوں کا جو اتفاق ہوا تھا اُس سے یہ اتفاق مختلف تھا، کیونکہ  
 امیر معاویہ نے اسکو رفتی ملاطفت اور حسن محالمت کے ذریعہ سے محفوظ رکھا تھا اور عبداللہ  
 نے اس کی بنیاد بالکل قوت پر قائم کی تھی، کیونکہ اس نے مرکز فساد میں حجاج بن یوسف  
 پر اعتماد کیا تھا، جو ان مستبدین کا امام تھا جو جبر و اقتدار کے ساتھ اتحاد و اتفاق قائم  
 کرنا چاہتے ہیں، لیکن یہ ایک ایسا طریقہ ہے جسکا اثر دیر پا نہیں ہو سکتا، اس لیے  
 عبدالرحمان بن محمد بن الاشعث الکندی کے زیر اثر اس کے خلاف ایک دوسری  
 عظیم الشان شورش پیدا ہوئی، اور اگر شام کی پے در پے ملک جس نے سخت جدوجہد  
 کے بعد اس شورش کا خاتمہ کر دیا نہ پہنچتی رہتی تو اس شورش نے تقریباً ہوا میں کے اقتدار  
 ہی کا خاتمہ کر دیا ہوتا، اسی طرح حجاج کو خوارج سے بھی سخت مقابلہ کرنا پڑا، اور اگر ہبل بن  
 ابی صفیرہ کی ہمت شامل حال نہ ہوتی، اور خاریجون میں فرقہ بندی نہ ہو گئی ہوتی تو انکا  
 معاملہ بھی نہایت سخت ہو جاتا، ان تمام مصائب کے خاتمہ کے بعد ولید بن عبدالملک  
 کا دور آیا جو حکومت ہوا میں کا سب سے زیادہ روشن اور خوشگوار دور تھا، اس دور میں فتنہ و  
 کا خاتمہ ہو گیا اور مشرق و مغرب میں عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ قائم ہو گیا، لیکن جس طرح  
 اندھیوں کے سخت جھکڑوں کے بعد سکون پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح یہ سکون بھی عارضی  
 اور وقتی تھا، ولید کے بعد اس کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کا دور آیا اور اس نے



سپہ سالاران سلطنت یعنی قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم بن محمد اور موسیٰ بن نصیر کے ساتھ  
 جھنوں نے مشرق و مغرب میں اس سلطنت کے اقتدار کو پھیلایا تھا بد سلوکی کی کیونکہ  
 قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم حجاج بن یوسف سے تعلق رکھتے تھے اور سلیمان اس سے  
 بغض رکھتا تھا، اسی طرح بعض ذلیل خواہشوں کی بنا پر موسیٰ بن نصیر سے بھی اس کے  
 تعلقات خوشگوار نہ تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ ان کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے ان کے  
 دل سلیمان بن عبد الملک سے صاف نہ رہ سکے سلیمان بن عبد الملک نے اپنے بعد  
 حضرت عمر بن عبد العزیز کو خلیفہ بنایا، جھنوں نے لوگوں میں عدل و مساوات پھیلایا  
 اور ان کے اسلاف کے قبضہ میں جو چیزیں تھیں ان کو مظالم کے نام سے واپس لیکر  
 بیت المال میں داخل کر دیا، خلافت کے متعلق ان کی رائے خوارج کی رائے سے  
 بہت کچھ مشابہت رکھتی تھی کیونکہ انھوں نے اسکو اپنی قوم سے نکالنا چاہا، اور اس کا  
 اہل اس شخص کو قرار دیا جو علم اور دین کے لحاظ سے اس کے لیے موزوں تر ہو،  
 لیکن ان کی عاجلانہ موت کی وجہ سے یہ معاملہ غیر مکمل رہ گیا، ان کی نرمی اور چمپوشی  
 کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے عہد میں دوسری صدی کے آغاز میں بنو عباس کی مخفی موت  
 کا سلسلہ قائم ہوا، یزید بن عبد الملک ان کا جانشین ہوا اور اس کے بعد اس کا بھائی  
 ہشام بن عبد الملک خلیفہ ہوا جبکہ زمانے میں یزید بن علی بن الحسین نے خلافت کا  
 مطالبہ کیا اور اس طرح ان کی ذات سے فتنہ علویہ اٹھ کھڑا ہوا، لیکن وہ اس ناکامیاب  
 مقصد کے لیے مقتول ہوئے اور ان کے بعد ہی ان کے فرزند یحییٰ بن یزید بھی قتل کیے  
 گئے، ہشام بن عبد الملک کے دور میں عباسیہ کی مخفی دعوت جس نے خیرین سلطنت  
 بنو امیہ کا خاتمہ کر دیا، انھوں نے اس دور میں عالم اسلامی کا جو حال تھا اس کا اجمالی خلاصہ یہ ہے

## اس دؤر کے امتیازی خصوصیات

یہ ہیں کہ،

(۱) مسلمانوں میں سیاسی حیثیت سے جیسا کہ ہم ابھی بیان کر آئے ہیں فرقہ بندی قائم ہو گئیں اس لیے خارجی اور شیعی دونوں فرقوں کے رجحانات و میلانات بالکل الگ الگ تھے شیعوں کا میلان حضرت علیؓ اہل بیتؓ اور ان کی جماعت کی طرف تھا، اور یہ لوگ ان کے دشمنوں پر لعنت و ملامت کرتے تھے، اور بسا اوقات اس سے بڑھ کر ان کو کافر کہتے تھے اور ان سے براہ کرتے تھے، اور ان حالات میں یہ برہنہ بات ہے کہ ان لوگوں کی نگاہ میں ان لوگوں کے اقوال و افعال کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی لیکن خوارج کا میلان حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے رفقاء کی طرف تھا اور یہ لوگ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ اور ان کے دوستوں سے براہ کا اظہار کرتے تھے، اور اس وجہ سے ان لوگوں میں کسی کی رائے کو حجت و دلیل نہیں سمجھتے تھے، طرفداران معاویہ یا عام مسلمان ان دونوں فرقوں سے نفرت رکھتے تھے، اور ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں سمجھتے تھے، اس لیے ان اختلافات نے استنباط احکام پر بہت بڑا اثر ڈالا تھا،

(۲) علمائے اسلام عام طور پر اسلامی شہروں میں پھیل گئے، چنانچہ مدینہ منورہ سے نکل کر بعض صحابہؓ نے معلم اور بعض نے قاری کی حیثیت سے دوسرے اسلامی شہروں میں سکونت اختیار کر لی، یہاں تک کہ یہ نئے شہر ان کے وطن تسلیم کر لیے گئے،

اور ان کی تعلیم و ارشاد کے ذریعہ سے کبار تابعین کی ایک جماعت پیدا ہو گئی جو فتویٰ میں ان کی شریک ہوئی، اور خود صحابہؓ نے بھی اس منصب میں ان کے حق شہرت کو تسلیم کر لیا اور انھوں نے اپنی علمی مشغولیت اور اپنے اجتہاد کے ذریعہ سے جو درجہ حاصل کیا تھا اسکو بلند کر دیا، اگر مکہ اور مدینہ کا وجود نہ ہوتا، اگر مسلمانوں کے دلوں میں ان دونوں کی عام وقعت نہ ہوتی، اگر مکہ حج کا مقام نہ ہوتا اور مختلف اور مختلف المیلاں مسلمان وہاں آمد و رفت نہ رکھتے تو دور دراز شہروں کے علماء میں علمی تعلق قائم نہ ہو سکتا،

(۳) چونکہ روایت حدیث کی رکاوٹ کا سبب دور ہو گیا اس لیے روایت حدیث کا عام رواج ہوا، چنانچہ خلفائے راشدینؓ کے بعد جو صحابہؓ رہ گئے تھے، ان کے پاس دوسرے شہروں سے فتویٰ اور تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آتے تھے، تمدن کی وسعت نے بہت سی نئی ضرورتیں پیدا کر دی تھیں جن کے احکام کے متعلق ان کو مجبوراً تحقیقات کرنی پڑتی تھی، اور اس حالت میں صحابہؓ اور ان کے شرکائے فتویٰ یعنی کبار تابعینؓ کے سوا ان کا کوئی دوسرا ٹھکانہ نہ تھا، اس لیے ان حدیثوں کے ذریعہ سے جو ان کو یاد تھیں ان کو فتویٰ دینا پڑتا تھا، لیکن ان میں بعض حدیثوں کو تو انھوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، اور بعض حدیثیں کبار صحابہؓ سے سنی تھیں، اس دور کے اصحابِ نبویؐ سے حدیثوں کی ایک بہت بڑی تعداد روایت کی جاتی ہے، چنانچہ ابن ابی نعیم نے بعض مفتیوں کی حدیثیں ہزاروں سے زیادہ ہیں، مثلاً مسند احمد بن حنبل میں مسند ابی ہریرہؓ ۳۱۳ صفحہ اور مسند عبد اللہ بن عمرؓ ۱۵۶ صفحہ میں لکھا ہوا ہے، اور اسی کے قریب اس دور کے

اور صحابہ کا حال ہے، حالانکہ سند ابی بکر ۱۴ صفحوں میں لکھا ہوا ہے، اور حضرت  
 عمرؓ جو دور اول کے امام مفتیین تھے ان کا سند ۴۴ صفحوں میں درج ہے، اسی طرح  
 حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی فتویٰ میں ان کے ہم پایہ تھے، لیکن ان کا سند صرف  
 ۸۵ صفحوں میں آیا ہے، لیکن کسی ایک شہر بلکہ کسی ایک کتاب میں یہ تمام حدیثیں  
 مجموعی طور پر نہیں پائی جاتی تھیں، کیونکہ جو صحابہ فتویٰ دینے والے تھے، وہ جیسا کہ  
 ہم ابھی لکھ چکے ہیں مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے اس لیے جو بزرگ جس شہر میں  
 آئے اُس کے باشندوں نے ان سے روایت کی اور اس لیے ایک شہر میں جن  
 حدیثوں کی روایت کی گئی وہ دوسرے شہروں کو نہ مل سکی، مثلاً مدینہ میں حضرت  
 عبداللہ بن عمرؓ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ رہتے تھے، مکہ میں  
 حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قیام تھا، فسطاط میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن العاصؓ  
 رہتے تھے، بصرہ میں حضرت انس بن مالکؓ اور کوفہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور  
 حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ سکونت پذیر تھے  
 اور ان میں ہر ایک کے پاس احادیث بنویہ کا جو ذخیرہ تھا وہ انہی کے مطابق  
 لوگوں کو فتویٰ دیتا تھا اور اس موقع پر مختلف شہروں کے علماء کے درمیان علمی  
 تعلقات کے قائم رکھنے میں گذشتہ سبب سے زیادہ وضاحت کے ساتھ خانہ کعبہ  
 کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، مگر چونکہ ان تیوں امتیازی خصوصیات نے فتویٰ میں  
 بہت سے اختلافات پیدا کر دیے، اور ان میں ہر ایک خصوصیت اختلاف کے پیدا  
 کرنے کا قوی سبب بن گئی، مثلاً ان خصوصیات نے شیعوں کے لیے الگ، خوارج  
 کیلئے الگ، اور تمام امت کیلئے الگ الگ فتاوے پیدا کر دیے جو باہم ایک دوسرے

مختلف ہیں،

(۴) احادیث کی روایت میں جھوٹ کا رواج ہوا اور حضرت ابو بکر اور حضرت

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کو اسی کا ڈر تھا، چنانچہ امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ

میں طاؤس سے یہ سند روایت کی ہے کہ بشیر بن کعب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی

خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے سامنے حدیث بیان کرنے لگا، حضرت عبداللہ

بن عباسؓ نے فرمایا کہ ”یہ حدیثیں دوبارہ بیان کرو، چنانچہ اس نے ان کو دوبارہ

بیان کیا، اُس کے بعد پھر اُن کے سامنے حدیث بیان کی، انھوں نے فرمایا کہ ”یہ

حدیثیں دوبارہ بیان کرو، اس کے بعد بشیر بن کعب نے کہا کہ مجھے معلوم نہ ہوا کہ

آپ نے میری کل حدیثوں کو تسلیم کر لیا اور صرف اس حدیث کو مردود قرار دیا یا

میری کل حدیثوں کو مردود خیال فرمایا اور صرف اس حدیث کو تسلیم کیا، حضرت ابن عباسؓ

نے جواب دیا کہ ”جب رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا تو ہم آپ سے حدیثوں

کی روایت کرتے تھے لیکن جب ہر سرکش اور فرابضدار اونٹ پر چڑھنے لگے (یعنی ہر قسم

کی جھوٹی سچی حدیثیں بیان کرنے لگے) تو ہم نے آپ سے روایت حدیث کرنا چھوڑ دیا“

امام مسلم نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ بشیر عدوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ

کی خدمت میں حاضر ہوا اور حدیث بیان کرنے لگا، اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”کہنے لگا، لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے تو

اس کی حدیث کو سنتے تھے اور نہ اس کی طرف دیکھتے تھے، اس پر اس نے کہا ”اے

ابن عباسؓ یہ کیا بات ہے کہ آپ میری حدیث کو نہیں سنتے میں آپؐ رسول اللہ

کی حدیث بیان کرتا ہوں“ آپ کان نہیں دھرتے، بولے ”ایک مدت تک ہمارا حال

کہ جب کسی آدمی کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہوئے سنتے تھے تو کسی طرف فوراً ہماری نگاہیں اٹھ جاتی تھیں اور ہم اس کی طرف اپنے کالون کو جھکا دیتے تھے لیکن جب لوگ ہر سرکش اور فرمان بردار اونٹ پر چڑھنے لگے تو ہم لوگوں سے صرف اس حدیث کو قبول کرتے ہیں جنکو ہم خود جانتے ہیں۔

امام مسلم نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو خط لکھا جس میں یہ درخواست کی کہ وہ مجھے ایک کتاب لکھ دیں اور جن چیزوں میں اختلاف ہو ان کو چھوڑ دیں بولے خبر خواہ لڑکا ہے میں اس کے لیے چند چیزوں کا انتخاب کر دوں گا اور اختلافی چیزوں کو چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلے طلب کیے اور ان میں سے چند فیصلے لکھنے لگے لیکن بعض فیصلوں پر گزرتے تھے تو کہتے تھے کہ خدا کی قسم علی نے یہ فیصلہ اسی وقت کیا ہوگا جب وہ گمراہ ہو گئے ہوں گے، یعنی چونکہ وہ گمراہ نہیں ہوئے اس لیے فیصلہ بھی ان کا نہیں ہوا۔

امام مسلم نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک (لمبی) کعب آئی جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلے تھے انھوں نے سب کو مشا دیا اور صرف ایک ہاتھ سے براہِ قائم رکھا،

امام مسلم نے ابو اسحاق سے یہ روایت کی ہے کہ جب لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد یہ باتیں پیدا کیں تو اصحاب علیؓ میں سے ایک شخص نے کہا کہ ان پر خدا کی لعنت ہو، انھوں نے کیسے علم کو برباد کر دیا۔

امام مسلم نے ابو بکر بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے

مغیرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت حدیث کرتے تھے ان میں صرف حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کی تصدیق کی جاتی تھی امام مسلم نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ لوگ روایت حدیث سے پہلے سنا مطابق نہیں کرتے تھے، لیکن جب فتنہ و فساد ہوا تو انھوں نے کہا کہ ہم کو اپنے رواۃ کا نام بتاؤ تا کہ یہ دیکھا جائے کہ وہ اہل سنت ہیں اور ان کی حدیث قبول کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ وہ اہل بدعت ہیں اور ان کی حدیث قبول نہ کی جائے امام مسلم نے ابوالزناد اور عبداللہ بن ذکوان سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے مدینہ میں سو آدمی پائے جن میں سب کے سب مامون تھے لیکن ان کی حدیث نہیں قبول کی جاتی تھی، کہا جاتا تھا کہ یہ اس کے اہل نہیں، امام شعبی سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے حارث اعور نے حدیث بیان کی اور وہ جھوٹا تھا،

جریر سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں جابر بن یزید جعفی سے ملا لیکن میں نے اس کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ وہ رجعت پر ایمان رکھتا تھا، زہیر سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے جابر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میرے پاس پچاس ہزار حدیثیں ہیں لیکن ان میں سے میں نے ایک کو بھی بیان نہیں کیا، اس کے بعد ایک روز ایک حدیث بیان کی اور کہا کہ یہ انھیں پچاس ہزار حدیثوں میں سے ہے

سفیان سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے جابر کو سنا کہ وہ تقریباً تین ہزار حدیثوں کی روایت کرتے ہیں لیکن میں ان میں سے کسی کا ذکر جاز نہیں

سمجھتا، اگرچہ میرے پاس یہ یہ حدیثیں ہیں،

امام مسلمؒ نے ہمامؒ سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ ہمارے پاس ابو داؤد  
اعلیٰ آئے اور کہنے لگے کہ ہم سے براۓ حدیث بیان کی، ہم سے زید بن ارقم نے  
حدیث بیان کی، ہم نے فتاوہ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا اس نے جھوٹ کہا اس نے  
ان لوگوں سے نہیں سنا، اس وقت وہ ایک سائل تھا، طاعون کے زمانہ میں لوگوں  
سے پھیکا مانگا کرتا تھا،

روایت ہے کہ ابو جعفر اثنی عشری مدنی سچ باتوں کے متعلق حدیثیں بنایا کرتے تھے  
باوجودیکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں ہوتی تھیں لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
اُن کی روایت کرتے تھے،

ان کے علاوہ اسی قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، اور اُن سے ان اسباب کی  
پتہ چلتا ہے جنکے لیے ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی روایتیں منسوب کیں  
امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں قاضی عیاضؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جھوٹ روایت  
کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف  
جھوٹی حدیثوں کو منسوب کرتے تھے، اور ان کی بھی چند قسمیں ہیں

(۱) بعض لوگ مثلاً زنادقہ اور اُن کے امثال جو دین کے وفار کو تسلیم نہیں کرتے  
تھے، اپنے ترفع یا دین کی تحقیر کی غرض سے حدیثیں وضع کرتے تھے،

(۲) جاہل مستعبدین یعنی جاہل عبادت گذار لوگوں نے بزرع خود نیک اور نبی  
کام سمجھ کر فضائل اور مذہبی ترغیبات کے متعلق حدیثیں وضع کیں،

(۳) بدکار محدثین نے عجیب عجیب حدیثیں بیان کرنے اور شہرت حاصل



کرنے کے لیے حدیثیں بنائیں،

(۴) برعتیوں کے مبالغین اور مذاہب کے متعصبین نے تعصب یا اپنے مذاہب پر دلیل قائم کرنے کے لیے حدیثیں گڑھیں،

(۵) بعض لوگوں نے اہل دنیا کی خواہشوں کی پیروی اور ان کے انحال پر شرعی عذر قائم کرنے کے لیے جعلی حدیثیں بنائیں،

جو لوگ اہل فن ہیں اور روایت حدیث کا علم رکھتے ہیں ان کے نزدیک ان تمام طبقات میں ہر طبقہ کی ایک ایک جماعت بالتحصین موجود تھی، بعض لوگ ایسے بھی تھے جو خود متن حدیث کو تو وضع نہیں کرتے تھے لیکن متن ضعیف کیلئے ایک مشہور اور صحیح سند گڑھ لیا کرتے تھے، اور بعض لوگ اسانید کو انٹ پلٹ دیتے تھے، یا ان میں اضافہ کر لیتے تھے، اور جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ دوسروں کو متحیر کر دیں یا اپنے اوپر جہالت کا الزام نہ آنے دین،

بعض لوگ ان حدیثوں کے متعلق جنکو انھوں نے نہیں سنا تھا اور ان اشخاص کی نسبت جن سے انھوں نے ملاقات نہیں کی تھی جھوٹے موٹے یہ دعویٰ کرتے تھے کہ انھوں نے ان حدیثوں کو سنا ہے، اور ان اشخاص سے ملاقات کی ہذا در اس طرح ان کی سند سے ان کی صحیح حدیثوں کی روایت کرتے تھے،

بعض لوگ صحابہؓ وغیرہ کے کلام اور عرب اور حکماء کے حکمت آمیز مقولوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتے تھے غرض اس دور میں اس قسم کے لوگ بہ کثرت موجود تھے اور جب حضرت ابن عباسؓ ہی کے زمانہ میں جبکہ اسلام بالکل تر و تازہ تھا یہ حالت پہنچ گئی تھی جسکی نسبت انھوں نے متذکرہ بالا

اقوال کہے تو جاہل جہنمی کی نسبت جو یہ کہتا تھا کہ اس کے پاس ۵۰ ہزار حدیثیں اور بعض بیایات کے رو سے ستر ہزار حدیثیں ہیں جن کو وہ محمد باقر بن حسین بن علی سے روایت کرتا ہے، ہمارے دل میں کیا خیال پیدا ہو سکتا ہے؟

سیاسی اختلاف اور تعصب مذہبی کی بنا پر جو لوگ ان مذاہب میں غلو رکھتے تھے ان میں بہت سے لوگوں نے اپنے عقائد و اعمال کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹی حدیثوں کی روایت کرنا اپنے لیے جائز کر لیا تھا، اُس وقت شیعہ خارجی، اور عام مسلمان سبھی موجود تھے، اور ہر فرقہ میں خبیث الباطن اشخاص پائے جاتے تھے، البتہ ان میں خوارج کم در در غلو ہوتے تھے، کیونکہ ان کے اصول کے رو سے گناہ کبیرہ کا مرتکب کا فرج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت در غلوئی کرنا سب سے بڑا گناہ ہے، اس لیے ان میں اس قسم کی جرات کرنے والے اشخاص مشکل نظر آ سکتے ہیں

اسی وقت نے آئندہ دور میں اہل حدیث کے کام کو بہت زیادہ سخت کر دیا اور تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا، کہ انھوں نے ان امیر شون سے حدیث کو کیونکر پاک کیا؟ اور ان کو اس معاملہ میں کس قدر کامیابی ہوئی؟

(۵) تعلیم یافتہ غلاموں کی ایک بہت بڑی تعداد پیدا ہو گئی، چنانچہ بہت سے ایرانی، رومی اور مصری لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے، جو مولیٰ کے لقب سے مشہور تھے، کیونکہ جو شخص جس شخص کے ہاتھ پر اسلام لاتا تھا وہ اس کا مولیٰ ہوتا تھا، ان میں بعض لوگ تو ایسے تھے جو غلام بنائے گئے تھے، اور بعض لوگ غلام بنانے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے، مسلمانوں نے بہت سے لڑکوں کو بھی گرفتار کیا، ان کو اپنے زیر تربیت رکھا اور ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دی، چنانچہ ان لوگوں نے قرآن

وحدیث کو یاد کیا، ان کو سمجھا، اور اس معاملہ میں ان کو لکھنے پڑھنے کی جو استعداد حاصل تھی اُس سے کام لیا، اس وقت عام عربی اسلامی جماعت میں اگرچہ سخت قومی تعصب موجود تھا، با اینہم انھوں نے مجبوراً اُن کی عزت کی اور اُن کے فتوے اور اُن کی روایتوں کو تسلیم کیا، یہ لوگ تمام اسلامی شہروں میں موجود اور علم اور تعلیم میں صحابہؓ اور عرب کے کبار تابعینؓ کے شریک تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ ان کے راوی اور یولی عکرمہ کا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ اُن کے مولیٰ نافعؓ کا اور حضرت انس بن مالکؓ کے ساتھ اُن کے مولیٰ محمد بن سیرینؓ کا اور حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ اُن کے راوی عبدالرحمان بن ہمزاعؓ کا ذکر اکثر کیا جاتا ہے اور صحابہؓ میں یہی چاروں بزرگ ہیں جن سے اکثر حدیثیں اور اکثر فتوے منقول ہیں اور ان کے چار ہوالی کو اس حیثیت سے بہت بڑی عزت حاصل ہو، اگرچہ یہ خیال غلط ہے کہ فقہ اور روایت حدیث میں عرب کا حصہ عجیون سے کم ہے بلکہ اس معاملہ میں فون برابر کے شریک تھے، چنانچہ کوئی شہر ایسا نہ تھا جس میں دونوں فرقہ کی دافر تعداد موجود نہ ہو، تاہم بعض شہر مثلاً بصرہ میں ہوالی کو امتیاز حاصل تھا اور حسن بن الحسن البصریؓ اُن کے سردار تھے اور بعض شہر مثلاً کوفہ میں فقہاء عرب نمایاں حیثیت رکھتے تھے،

(۶) اسے اور حدیث کے درمیان نزاع پیدا ہوئی، اور ان دونوں میں سے ہر ایک اصول کے الگ الگ حامی پایہ ہو گئے، ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ در اول میں کبار صحابہؓ اپنے فتوے میں پہلے قرآن مجید پر اُس کے بعد حدیث پر اعتماد کرتے تھے، لیکن جب ان دونوں میں کوئی حکم نہیں ملتا تھا تو اسے کے ساتھ جسکو وسیع معین میں قیاس کہا جاسکتا ہے، فتویٰ دیتے تھے، لیکن اسے کی طرف اُن کا

سیلان بہت زیادہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ اُن سے رائے کی بُرائی منقول ہے، ہم نے  
 ادھر یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ قابلِ عمل رائے کیا ہے؟ اور نہ نوم رائے کس کو کہتے ہیں؟  
 یہ دوسری نسل پیدا ہوئی تو ان میں کچھ لوگ ایسے تھے جو فتوے کو صرف حدیث تک  
 محدود رکھتے تھے اور اس سے آگے نہیں بڑھتے تھے، یہ لوگ ہر مسئلہ میں انہی حدیثوں  
 کے رو سے فتوے دیتے تھے جو ان کو ملتی تھیں خود ایسے روالہ موجود نہ تھے جو باہم  
 مسائل کی شیرازہ بندی کر سکیں، لیکن ان میں ایک گروہ ایسا بھی موجود تھا جو شریعت  
 کو ایک عقلی اور اصولی چیز سمجھتا تھا، اگرچہ یہ لوگ بھی حتیٰ المقدور عقل بالکتاب و سنتہ  
 میں پہلے لوگوں کے مخالف نہ تھے، تاہم چونکہ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ شریعت کے عقلی  
 وجوہ سمجھ میں آسکتے ہیں اور وہ ایسے مضبوط اصول پر قائم ہے جو خود قرآن و حدیث سے  
 ماخوذ ہیں، اس لیے جب اُن کو قرآن و حدیث میں کوئی تصریح نہیں ملتی تھی تو  
 فریقِ اول کی طرح ان کو رائے سے فتویٰ دینے میں کوئی باک نہ تھا، اس کے علاوہ  
 یہ لوگ احکام شرعیہ کے علل و اسباب اور اُن کے مقاصد و اغراض کو سمجھنا چاہتے تھے  
 اور بسا اوقات اصول شریعت کے مخالف ہونے کی بنا پر بعض حدیثوں کو باخضوص  
 جب دوسری حدیثیں اُن کے معارض و مخالف ہوتی تھیں رد کر دیتے تھے

اہل عراق میں اس اصول کا زیادہ رواج ہوا، چنانچہ ربیعہ بن فروخ نے تابعین  
 فقہاء اہل مدینہ کے شیخ حضرت سعید بن مسیبؒ سے عورت کی انگلیوں کی دیت کے  
 متعلق سوال کیا کہ عورت کے لیے ایک انگلی کی دیت کیا ہے؟ اُنھوں نے کہا ”دس اونٹ“  
 بولے تو پھر دو انگلیوں کی دیت کیا ہوگی؟ فرمایا ”بیس اونٹ“ بولے تو پھر تین انگلیوں کی  
 دیت کیا ہے؟ جواب دیا ”۳۰ اونٹ“ بولے ”تو پھر چار انگلیوں کی دیت کتنی ہوگی؟“

اُنھوں نے کہا "۲۰ اونٹ" بولے "تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ جب اس کے زخم  
 زیادہ ہوئے تو اس کی دیت ہو گئی" اب حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کہ تم عراقی  
 تو نہیں ہو وہ سنت یہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سعید بن مسیبؓ کے  
 نزدیک ثلث دیت تک عورت کی دیت مرد کی دیت کے مساوی ہے، لیکن جب  
 وہ ثلث سے بڑھ گئی تو عورت کی دیت مرد کی دیت کی آدھی ہو گئی، اگرچہ اس کا نتیجہ  
 عقل کے مطابق نہیں ہے تاہم چونکہ ان کے نزدیک فقہی احکام میں عقل کو کچھ دخل نہیں  
 ہے اس لیے اُنھوں نے اس مسئلہ کو ظاہری صورت پر قائم رکھا ہے، یعنی تین انگلیوں کی  
 دیت چونکہ ثلث دیت کے (سو اونٹ) سے کم ہے اس لیے عورت کی تین انگلیوں کی  
 دیت ۳۰ اونٹ ہیں، لیکن چار انگلیوں کی دیت ثلث دیت سے زیادہ ہے اس لیے  
 وہ مرد کی دیت کی نصف یعنی ۲۰ اونٹ ہو گئی، لیکن یہ ایک ایسا نتیجہ ہے جسکی وجہ رجب  
 نہیں سمجھی اور حضرت سعید بن مسیبؓ سے اس کے متعلق سوال کیا، لیکن حضرت  
 سعید بن مسیبؓ کو یہ سوال پسند نہ آیا اور اُنھوں نے یہ سمجھا کہ ربیعہ ان لوگوں میں  
 ہیں جو باوجود نص صریح کے فقہی احکام میں جیسا کہ اہل عراق کا عام طریقہ ہے اسے کو  
 دخل دیتے ہیں اس لیے اُنھوں نے کہا کہ تم عراقی تو نہیں ہو اس مسئلہ میں اہل عراق کا فتویٰ یہ ہے  
 جس طرح جان سے مار ڈالنے میں عورت کی دیت مرد کی دیت کی آدھی ہے (یعنی  
 پچاس اونٹ) اسی طرح ہاتھ پانوں میں بھی اس کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے  
 وہ لوگ اس مسئلہ میں اس نتیجہ کو جو عقل کے مخالف ہے چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں  
 کہ حضرت سعید بن مسیبؓ کے قول میں سنت سے مراد حضرت زید بن ثابتؓ کی سنت ہے کیونکہ ہی یہ فتویٰ دیتے تھے،  
 غرض اہل حدیث اور اہل راے کا مسلک یہ تھا کہ اول گروہ صرف ظواہر

نصوص سے غرض رکھتا تھا اور ان کے علل و اسباب سے بحث نہیں کرتا تھا اور اسے  
 سے بہت کم فتویٰ دیتا تھا، لیکن جو لوگ اہل الراے تھے وہ احکام کے علل و اسباب کی  
 سرائع لگاتے تھے، اصل کے ذریعہ سے باہم مسائل کی شیرازہ بندی کرتے تھے  
 اور جب ان کو کوئی حدیث نہیں ملتی تھی تو اسے سے فتویٰ دینے میں ان کو کوئی تامل  
 نہ تھا، ملکی تقسیم کے لحاظ سے اکثر اہل حجاز اہل حدیث اور اکثر اہل عراق اہل الراے تھے  
 یہی وجہ ہے کہ جب ربیعہ نے حضرت سعید بن اسیدؓ سے حکم کی علت دریافت کی تو  
 انھوں نے کہا کہ ”تم عراقی تو نہیں ہو؟“

فہمائے عراق میں جن لوگوں کے راے و قیاس میں شہرت حاصل کی ان میں  
 ابراہیم بن یزید النخعی الکوفی فقیہ عراق بہت شہرت رکھتے ہیں وہ عراق کے مشہور فقیہ  
 حضرت امام ابو حنیفہؒ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کے استاد تھے اور اپنے مامون  
 حلقہ میں قیس النخعی الکوفی سے جو طبقہ اولی کے قدامتہائے تابعین میں اور حضرت  
 عبداللہ بن مسعودؓ کے برگزیدہ اصحاب میں تھے فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی ابراہیم کو فہ  
 کے محدث اور کوفہ کے عالم حضرت عامر بن شراحیل الشعمی کے معاصر تھے، لیکن دونوں  
 کی حالتیں بالکل الگ الگ تھیں، یعنی تم تبعی بالکل اہل حدیث تھے اور جس مسئلہ میں  
 شارع کی کوئی نص صریح نہ پاتے تھے، اس کے متعلق فتوے دینے سے ہچکچاتے تھے  
 اور اسے کو مکروہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک بار انھوں نے فرمایا کہ اگر حنف بن قیس دجو  
 عرب کا بہت بڑا علیم اور عاقل شخص تھا، کے ساتھ ایک چھوٹا سا بچہ قتل کر دیا جائے  
 تو آیا ان دونوں کی دیت برابر ہوگی یا عقل و حلم کی بنا پر حنف کو ترجیح دی جائے گی؟  
 لوگوں نے کہا ”نہیں دونوں کی دیت مساوی ہوگی“ بولے ”تو پھر قیاس کوئی چیز نہیں“

غرض ان دونوں بزرگوں میں فرق یہ ہے کہ امام شعبی اور ان کے ہم مشرب اور اہل حدیث سے آگے قدم نہیں بڑھاتے اور مسائل میں حدیث موجود ہو یا نہ ہو لیکن رائے سے فتویٰ نہیں دیتے تھے، ان کے نزدیک عقل ان مسائل کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی اور شارع نے ان احکام میں معینہ مصالح کا لحاظ نہیں کیا ہے جنکی طرف وہ فتوے دیتے وقت رجوع کر سکیں، گویا ان کے نزدیک اصولی حیثیت سے احکام شرعیہ میں کوئی تعلق نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہائے اہل حدیث کے شیخ حضرت سعید بن اسیدؒ سے ربیعہ نے انگلیوں کی دیت کے متعلق جب عقلی وجہ پوچھی تو ان کو رنج پہونچا اور چونکہ وہ شریعت کے علل و اسباب کا سراغ لگاتے تھے اس لیے اہل مدینہ ربیعہ کو "ربیعۃ الراے" کہتے تھے، چنانچہ ایک بار قاضی عبدالعزیز بن سوار نے کہا کہ مجھ کو ربیعہ سے زیادہ کوئی شخص رائے کا عالم نظر نہیں آتا، تو ان سے کہا گیا کہ "حسن اور ابن سیرین بھی نہیں" بولے "حسن اور ابن سیرین بھی نہیں، لیکن حضرت ابراہیم نخعی اور ان کے ہم مشرب تمام فقہائے عراق اور بعض فقہائے مدینہ بھی اگرچہ فنادی میں قرآن و حدیث پر اعتماد کرتے ہیں تاہم ان کا خیال یہ ہے کہ شریعت کے حکم و مصالح میں جنکے حاصل کرنے کے لیے وہ قائم کیگئی ہے اور ان لوگوں کیلئے ان مصالح کا لحاظ رکھنا جائز ہے اس بنا پر جن مسائل میں انھوں نے قرآن و حدیث کا کوئی صریح حکم نہیں پایا ان کے استنباط کیلئے انھوں نے انہی مصالح کو سنگ بنیاد قرار دیا، صحابہ کی بہترین مثال بھی ان کے سامنے تھی، چنانچہ صحابہ کرامؓ کے سامنے بہت سے ایسے مسائل پیش ہوئے جنکے متعلق قرآن و حدیث کی کوئی تصریح موجود نہ تھی، تو انھوں نے ان میں قیاس سے کام لیا اور ان کی یہ رائیں انہی مصالح کے

محاذ کرنے کا نتیجہ تھیں

اہل الراے پر اہل حدیث کا اعتراض یہ تھا کہ وہ اپنے قیاسات کی بنا پر بعض چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں لیکن یہ ان پر اتنا مہم ہے، ہم کو اہل الراے میں کوئی شخص ایسا نہیں نظر آتا جس نے اُس حدیث پر جو اس کے نزدیک ثابت ہو گئی ہو قیاس کو ترجیح دی ہو البتہ بعض اہل الراے ایسے تھے جن سے یا تو مسئلہ میں کسی حدیث کی روایت ہی نہیں کی گئی یا روایت تو کی گئی لیکن انھوں نے اس کی سند پر اعتماد نہیں کیا، اور اپنی رائے سے فتویٰ دیدیا، اس لیے بسا اوقات یہ فتویٰ اس حدیث کے مخالف ہوتا تھا جو ان کو معلوم نہ تھی یا معلوم تو تھی، لیکن انھوں نے اسکی روایت پر اعتماد نہیں کیا تھا، یا ایک حدیث جو ان کی نگاہ میں اس حدیث سے قوی تر تھی اس کے مخالف تھی ہشلا حضرت سفیان بن عیینہ نے روایت کی ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی مکہ میں دارالخطاطین میں ملے تو امام اوزاعی نے امام ابو حنیفہ سے کہا کہ تم لوگ رکوع میں جانے اور رکوع سے کھڑے ہونے کے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ امام ابو حنیفہ نے کہا: "اس لیے کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہوئی" انھوں نے کہا: "کیونکہ انہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے، زہری سے سالم نے، اور سالم نے اپنے باپ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے جب رکوع میں جاتے تھے، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے رفع یدین کرتے تھے" امام ابو حنیفہ نے جواب دیا کہ ہم سے حماد نے، حماد سے ابراہیم نے، ابراہیم سے علقمہ اور اسود نے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرمانے کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے، اس کے بعد رکوع وغیرہ میں ہاتھ نہیں



اُٹھاتے تھے، امام اوزاعی نے کہا کہ میں زہری، سالم، اور حضرت عبداللہ ابن عمر کی سند سے روایت کرتا ہوں اور آپ حماد اور ابراہیم کا نام لیتے ہیں، امام ابو حنیفہ نے جواب دیا کہ حماد زہری سے زیادہ اور ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں، حضرت عبداللہ ابن عمر کو اگرچہ صحبت یا فضل صحبت حاصل تھا تاہم علقمہ ان سے کم نہیں اسود کو بھی بہت سی فضیلتیں حاصل ہیں، اور حضرت عبداللہ ابن مسعود و عبد اللہ بن مسعود وہی ہیں یہ سن کر امام اوزاعی خاموش ہو گئے،

بغیر اس کے کہ ہم اس گفتگو پر کچھ رد و قدح کریں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کے مقابل میں کیا دلیل رکھتا تھا اور نیز یہ کہ دونوں فریق کو جب قابلِ اعتماد روایت پا جاتے تھے تو حدیث کی حد سے آگے قدم نہیں بڑھاتے تھے، اسی بنا پر ضحان مصراۃ میں اہل الراے یہ فتویٰ دیتے تھے کہ مشتری کو چاہیے کہ اسکو مع اس دودھ کی قیمت کے جسکو اس نے دوا ہے واپس کر دے اور اہل حدیث ایک حدیث کی رو سے جسکو حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے یہ فتوے دیتے تھے کہ وہ اسکو ایک صاع کھجور کے ساتھ واپس کر دے (مصراۃ اس پوشی کو کہتے ہیں جس کے تھن کو باندھ کر اس میں اس غرض سے دودھ جمع کر لیا جائے کہ نہ کھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ وہ بڑی دودھ دینے والی ہے اور اس دھوکے میں آکر وہ اسکو زیادہ قیمت پر خرید لے اور بعد تجربہ کے اسکو واپس کرنا پڑے مترجم، تو اہل الراے یہ کہتے ہیں کہ شریعت میں تلف کردہ چیزوں کا قانون ضمانت یہ ہے کہ اگر تلف شدہ چیز ذوات الامثال میں سے ہو یعنی اس کا مثل مل سکتا ہو تو وہی واپس کیا جائے گا، لیکن اگر وہ ذوات القیمۃ سے ہو یعنی اس کا مثل نہ مل سکتا ہو تو اسکی قیمت ادا کرنا پڑے گی، لیکن اس حدیث کے رو سے

تلف شدہ چیز کا ایسا تادان دینا پڑتا ہے جو نہ اس کا مثل ہو اور نہ اس کی قیمت ہو سکتی  
 اس بنا پر اگر یہ حدیث اہل الراے کو ملی ہے تو اُس کی صحت میں شک کرتے ہیں لیکن  
 بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان تک نہیں پہنچی ہے کیونکہ قوانین عامہ کے  
 مخالف ان کو اکثر حدیثیں ملی ہیں اور اُنھوں نے ان پر عمل کیا ہے اور ان کا کام نام  
 استحسان رکھا ہے،

الفرض اس دور کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مفتیوں کے دو فرقے  
 ہو گئے ہیں یعنی اہلحدیث اور اہل الراے البتہ اس دور میں مجتہدین کے پاس اجتہاد کو  
 واضح اور معینہ اصول نہ تھے کیونکہ اس وقت تک علم فقہ تدوین و ترتیب کے اس درجہ  
 تک نہیں پہنچا تھا جو اُس کے لیے موزون تھا،

۶۷۰۹۰۶۹  
۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱  
۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱۱

اس دور میں اجتہاد

قرآن و حدیث

خلفائے راشدینؓ کے متذکرہ بالا کارناموں کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ نے  
 حفاظ قرآن کا کام مکمل کر دیا تھا، اس بنا پر جس طرح وہ مصاحف عثمانی میں لکھا ہوا  
 تھا اسی طرح پڑھا جاتا تھا، اور ان مصاحف سے اور بھی بہت سے مصاحف نفل  
 کر لیے گئے تھے، اور بہت سے صحابہؓ و تابعینؓ قرآن مجید کے حفظ و تعلیم میں مشہور ہو چکے تھے  
 اس لیے ان سے اس کثرت سے لوگوں نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی جن کا شمار  
 ہو سکتا، بعض قراںجیوں نے اس دور کے آخرین شہرت حاصل کی وہ تعلیم حفاظ قرآن کے

اسی بجزو خارا ایک قطرہ تھے،

اگرچہ اس دور میں حدیثوں کی بھی بہ کثرت روایت کی جاتی تھی، اور تابعین کا ایک گروہ صرف اسی کام میں لگا ہوا تھا تاہم وہ اب تک کسی مجموعہ کی صورت میں نہ نہیں ہوئی تھیں لیکن چونکہ تمام لوگ یہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید کی وضاحت کر کے حدیثیں فقہ کی تکمیل کرتی ہیں، اور عام مسلمانوں میں کوئی اس رائے کا مخالف نہ تھا اس لیے عقلاً یہ حالت دیر تک قائم نہیں رہ سکتی تھی، چنانچہ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کمی کو محسوس کیا اور اپنے عامل مدینہ حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی جو حدیثیں میں ان کو لکھو کیونکہ مجھ کو علم اور علماء کے فنا ہو جانے کا خوف معلوم ہوتا ہے "امام مالک نے محمد بن الحسن کے ذریعہ سے موطا میں یہ روایت کی ہے لیکن ابو نعیم نے تاریخ صہبان میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سے یہ روایت کی ہے کہ انھوں نے تمام ملک کے لوگوں کو لکھا کہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی تلاش کرو اور ان کو جمع کرو،

اس دور میں محمد بن مسلم بن شہاب زہری نے جو اکابر حفاظ حدیث میں تھے حدیثوں کے لکھنے اور لکھوانے میں اور لوگوں سے زیادہ امتیاز حاصل کیا، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی گذشتہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیعیان علی کے پاس بھی ایک کتاب تھی جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فتاویٰ درج تھے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان کی صحت پر اعتماد نہیں کیا اور فرمایا کہ "اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فیصلہ نہیں کیا ہو گا، اور اس کے بہت بڑے حصہ کو مٹایا اور صرف بھٹوڑے سے حصہ کو قائم رکھا،

## اُس دور کے مشہور مفتی

اس دور کے مشہور مفتیوں کے نام و مقام حسب ذیل ہیں:

مفتیانِ مدینہ،

(۱) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ  
 حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیٹی اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں، آپ نے ہجرت  
 دو سال پہلے ان سے نکاح کیا اور حسب روایت اس وقت ان کی عمر سات سال  
 کی تھی، اور نو سال کی عمر میں وہ مدینہ میں آپ کے گھر آئیں وہ تمام ازدواج مطہرات میں  
 آپ کی محبوب ترین بی بی تھیں، عطاء بن ابی رباح کا قول ہے کہ حضرت عائشہؓ تمام  
 لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ تھیں اور عام مسائل میں ان کی رائے سب سے زیادہ  
 بہتر تھی، حضرت عوف فرماتے ہیں کہ میں نے فقہ اور شعر کا عالم حضرت عائشہؓ سے زیادہ  
 کسی کو نہیں دیکھا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ حدیثیں روایت کی ہیں  
 چنانچہ مسند ابن جنبل میں ان کا مسند صفحہ ۲۹ سے ۲۸۲ صفحے تک ہے یعنی ۲۵۳ صفحے  
 میں آیا ہے، رسول اللہ ﷺ جو کچھ اپنے گھر کے اندر کرتے تھے، ان کے متعلق حضرت عائشہؓ  
 ہی کی روایات پر اعتماد کیا جاتا ہے، ان کے علاوہ فقہ کے ہر حصے کے متعلق ان کی  
 روایتیں موجود ہیں، فقہار صحابہؓ انھیں کی طرف رجوع کرتے تھے، اور ان سے بہت سے  
 صحابہؓ اور تابعین نے حدیث کی روایت کی ہے، ان سب سے زیادہ روایتیں ان کے  
 اہل بیت حضرت عروہ بن زبیر نے جو ان کے بھائی تھے، اور قاسم بن محمد نے جو ان کے  
 بھتیجے تھے کی ہیں، حضرت عائشہؓ نے ۸۷ھ میں وفات پائی،

## ۱۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمر بن الخطابؓ الحدادی القرشی کے بیٹے ہیں وہ بچپن ہی میں قبلی از بلوغ اپنے باپ کے ساتھ اسلام لائے چونکہ وہ غزوہ بدر میں بچے تھے اپنے اس میں شریک نہ ہو سکے، سب سے پہلے انھوں نے غزوہ خندق میں شرکت کی اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے ساتھ غزوہ موتہ میں بھی شریک ہوئے اور ربیع الفتح مصر اور فتح افریقیہ میں بھی شرکت کی وہ اس قدر متبع سنت تھے کہ رسول اللہ ﷺ جن منزلوں میں اترے تھے ان میں وہ بھی اترتے تھے اور آپ نے جہان جہان نماز پڑھی تھی وہ بھی وہاں نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تھا، تو وہ اس کو پانی دیتے تھے کہ خشک نہ ہونے پائے، وہ مسلمانوں کے ائمہ اور مشہور مفتیان میں تھے، وہ فتویٰ اور اپنے نفس کے مرغوبات میں نہایت محتاط اور اپنے دین کے محافظ تھے یہاں تک کہ اہل شام باوجودیکہ ان کی طرف بہت زیادہ مائل تھے اور ان سے سخت محبت رکھتے تھے، لیکن انھوں نے خلافت کے متعلق کوئی نزاع نہیں کی اور فتنہ و فساد کے زمانے میں کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب لڑائیوں میں سخت دشواریاں پیش آئیں اس وقت بھی وہ ان کے حامی بن کر کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے، لیکن اُس کے بعد ان کو اس پرندہ است ہوئی حضرت جابر بن عبداللہؓ کا قول تھا کہ عمرؓ اور ان کے بیٹے عبداللہؓ کے سوا ہم میں کوئی ایسا نہیں ہو جس کو دنیا نے اپنا فریفتہ اور اُس نے دنیا کو اپنا فریفتہ نہ بنایا ہو، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہ کثرت حدیثیں روایت کیں انھوں نے کہا صحابہؓ سے بھی روایت حدیث کی اور ان سے بہت سے تابعین نے حدیثیں روایت کیں ان سے سب سے

زیادہ اُن کے فرزند سالم اور ان کے مولیٰ نافع نے روایت حدیث کی امام شعی کا قول ہے کہ ابن عمر حدیث میں تو بہت اچھے تھے لیکن فقہ میں بہت اچھے نہ تھے۔  
۲ رسول اللہ ﷺ کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے اور زمانہ حج وغیرہ میں لوگوں کو فتوے دیتے رہے، اُنھوں نے ۳۷ میں وفات پائی

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ

ابو ہریرہؓ نام ہے اور عبدالرحمان بن صخر کے بیٹے تھے، اور قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے، ۳۷ میں غزوہ خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہجرت کر کے آئے اور تابعہم مرگ آپ کی صحبت میں رہے اور آپ سے بہ کثرت حدیثیں روایت کیں اور کبار صحابہ سے بھی روایت کی اُن سے بہت سے تابعین نے حدیثیں روایت کیں، ان سے سب سے زیادہ اُن کے داماد حضرت سعید بن المسیبؓ اور ان کے مولیٰ اعرج نے روایت کی، اور اُن دونوں کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں نے ان سے روایتیں کیں اور وہ بہت بڑے عالم اور کبار ائمہ فتوے میں تھے، اس کے ساتھ بڑے جلیل القدر عبادت گزار اور متواضع و خاکسار تھے اور صحابہ میں سب سے زیادہ

حافظ الحدیث تھے، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہؓ تم ہم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور ہم سب سے زیادہ آپ کی حدیثوں کا علم رکھتے تھے، اُنھوں نے ۳۷ میں وفات پائی اندیشہ کے صحابہ میں یہ تینوں بزرگ اس دور میں سب سے زیادہ روایت حدیث کے یوں لے اور فتویٰ دینے والے تھے اہل بیت کے علم کا دار مدار انہی بزرگوں کی فائز ہے اور ہر ایک کے تابعین نے انہی سے علم حاصل کیا، چنانچہ ان میں سے جو تابعین نام لکھے گئے

(۴) حضرت سعید بن المسیبؓ الخرومی

خلافت فاروقی کے دو سال بعد پیدا ہوئے اور کبار صحابہؓ سے حدیث سنی نہایت وسیع العلم نہایت معزز نہایت دیانت دار نہایت متحکم اور نہایت دانشمند و فرزانه تھے، حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ سعید بن اسیدؓ مفتون مین سے ایک مفتی ہیں، قتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے سعید بن اسیدؓ سے کسی کو زیادہ عالم نہیں دیکھا، علی بن المدینی کہتے ہیں کہ مجھے تابعین مین کوئی ایسا شخص معلوم نہیں جو سعید بن اسیدؓ سے زیادہ وسیع العلم ہو، وہ میرے نزدیک بزرگ ترین تابعی ہیں، وہ بادشاہوں کے عطیے نہیں قبول کرتے تھے، اور ان کی روایتیں اکثر حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں، حضرت حسن بصریؒ کو جب کسی مسئلہ مین دشواری پیش آتی تھی تو اس کو بذریعہ تحریر کے حضرت سعید بن اسیدؓ سے دریافت فرماتے تھے، ایک قول کے مطابق انھوں نے ۹۴ھ مین وفات پائی،

(۵) حضرت عروہ بن الزبیر بن العوامؓ الاسدی

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت مین پیدا ہوئے، اور بہت سے صحابہؓ سے حدیثیں روایت کیں اور اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، وہ سیرت کے عالم اور قابل اعتماد حافظ الحدیث تھے، ان سے ان کے فرزند ہشام اور ان کے دیگر لڑکوں نے روایت حدیث کی اور زہری، ابو الزنادی وغیرہ علماء مدینہ سے بھی ان سے روایتیں کیں، امام زہری کہتے ہیں کہ میں نے ان کو ایک ایسا دریا پایا جو کبھی خشک نہیں ہوتا، انھوں نے ۹۴ھ مین وفات پائی،

(۶) ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام المخزومی

حضرت عمرؓ کے دور خلافت مین پیدا ہوئے اور اپنے باپ اور دوسرے صحابہؓ سے

روایت حدیث کی اور ان سے امام زہری اور ان کے علاوہ صغار تابعین نے روایتیں  
کیں، وہ فقہ قابل امتداد، فقیہ امام، کثیر الروایہ، اور فیاض بزرگ تھے، وہ نیک عبادت گزار  
اور باخدا شخص تھے، اور ان کو تراہب قریش کہا جاتا تھا، ۹۴ھ میں مدینہ میں وفات پائی،

(۷) حضرت علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب الهاشمی

وہ شیعوں کے اماموں میں چوتھے امام ہیں اور زین العابدین کے نام سے مشہور  
ہیں، انھوں نے اپنے باپ اپنے چچا حسن بن حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس  
وغیرہ سے روایت کی ہے، امام زہری فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن الحسین سے  
زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا، البتہ وہ قلیل الحدیث تھے، اور ان کے بیٹے کہتے ہیں کہ میں نے  
کسی ہاشمی کو ان سے افضل نہیں دیکھا، حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ  
میں نے ان سے زیادہ پرہیزگار نہیں دیکھا، انھوں نے ۹۴ھ میں وفات پائی،

(۸) حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن سعود

حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس وغیرہ سے علم حاصل کیا اور  
باوجود امام فقہ ہونے کے عمدہ شاعر بھی تھے، اور وہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے تالیق  
ہیں امام زہری کا قول ہے کہ عبید اللہ علم کے دریاؤں میں سے ایک دریا تھے، انھوں نے  
۹۴ھ میں وفات پائی،

(۹) حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر

اپنے باپ حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت سعید بن المسیب وغیرہ  
سے حدیث سنی، اور ان کے باپ ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے اور ان کے  
بارے میں کہتے تھے،

ابو ہریرہ سے روایت کی ہے، امام زہری فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن الحسین سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا، البتہ وہ قلیل الحدیث تھے، اور ان کے بیٹے کہتے ہیں کہ میں نے کسی ہاشمی کو ان سے افضل نہیں دیکھا، حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ میں نے ان سے زیادہ پرہیزگار نہیں دیکھا، انھوں نے ۹۴ھ میں وفات پائی،



یلو موہنی فی سالم والہوہم و جلدۃ بین العین والافتالم

لوگ مجھ کو سالم کے بارے میں ملامت کرتے ہیں اور میں اُن کو ملامت کرتا ہوں حالانکہ آنکھ

اور ناک کے درمیان کا چھڑا سالم ہے

امام مالک فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں زہد و فضل میں سلف صالحین کا مثل کچھ زیادہ کوئی نہ تھا وہ اپنے باپ کی روش پر چلتے تھے اور ان ہی کی طرح سادہ و متشف تھے، ستائش میں وفات پائی

(۱۰) حضرت سلیمان بن یسار مولیٰ ام المومنین مہمونہؓ

حضرت مہمونہؓ حضرت عائشہؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ سے روایت کی حسن بن محمد بن الحنفیہ کا قول ہے کہ وہ ہمارے نزدیک سعید بن المسیب سے زیادہ سمجھدار ہیں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سعید بن المسیبؓ کے پاس تفتی آتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ تم کو سلیمان بن یسار کے پاس جانا چاہیے امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ لوگوں کے عالم تھے ستائش میں وفات پائی (۱۱) قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ

اپنی پھوپھی حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے حدیث سنی اور اُن کی پھوپھی حضرت عائشہؓ نے اُن کی پرورش کی یہی بن سعید کا قول ہے کہ ہم نے مدینہ میں کسی شخص کو ایسا نہیں پایا جسکو قاسم پر ترجیح دین ابو الزناد کہتے ہیں کہ میں نے کسی فقیہ کو اُن سے زیادہ عالم اور کسی کو اُن سے زیادہ حدیث کا ماہر نہیں دیکھا ابن عیینہ کا قول ہے کہ قاسم اپنے زمانے کے لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھے ابن سعید کہتے ہیں کہ وہ امام فقیہ، مستند، بلند رتبہ متقی، اور بہت سی حدیثوں کے روایت کرنے والے

تھے "حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ "اگر مجھ کو خلیفہ بنایا  
اختیار ہوتا تو میں ایشیاء بنو تم یعنی قاسم کو خلیفہ بناتا، انھوں نے سنا یہ میں نے فاتی  
(۱۲) حضرت نافع مولى عبد الله بن عمر

اپنے مولا حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ سے  
روایت کی، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اُن کو مصحف بھیجا تھا کہ وہ ان کے لوگوں کو حدیث  
کی تعلیم دیں وہ حضرت سالمؓ کی زندگی میں فتویٰ نہیں دیتے تھے انھوں نے ۲۰ سال تک  
حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت کی، وہ نساہلی تھے، اور سناہ میں فاتی  
(۱۳) محمد بن مسلم المعروف بابن شہاب الزہری

شہ مجری بن پیدا ہوئے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت انس بن مالکؓ  
اور حضرت سعید بن المسیبؓ وغیرہ سے روایت حدیث کی، لیث بن سعد کا قول ہے کہ  
"میں نے زہری سے زیادہ جامع علم کبھی نہیں دیکھا وہ ترغیب کے متعلق حدیث بیان  
کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ان کے سوا کوئی اس خوبی سے ان حدیثوں کو بیان نہیں  
کر سکتا، اور اگر عرب اور انساب کے متعلق روایت کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ صرف  
وہی اس عمدگی کے ساتھ اس کام کو کر سکتے ہیں وہ قرآن و حدیث کے متعلق گفتگو کرتے ہیں  
تو اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے "حضرت عمر بن العزیز نے فرمایا کہ "زہری سے زیادہ شہ  
حدیثوں کا عالم کوئی باقی نہیں رہا، امام مالک کہتے ہیں کہ ابن شہابؓ نے زندگی اس طرح  
بسر کی کہ دنیا میں ان کا کوئی مثل نہ تھا، حضرت لیثؓ فرماتے ہیں کہ وہ لوگوں میں سب سے  
زیادہ فیاض تھے، وہ ہشام بن عبدالملک کے لڑکے کو تعلیم دیتے تھے اور اس کی کنفشی  
کرتے تھے، ہشام نے اُن سے خواہش کی کہ اُس کے بعض لڑکوں کو چند حدیثیں لکھوا دیں

انھوں نے اس کو چار سو حدیثیں لکھوا دیں پھر وہ ایک مہینہ کے بعد اس سے ملے تو اس نے کہا کہ وہ کتاب گم ہو گئی انھوں نے ایک کتاب منگوائی اور اسکو لکھوایا، پھر اس نے پہلی کتاب سے مقابلہ کیا تو انھوں نے ایک حرف بھی نہیں چھوڑا تھا، امام مالک بیان ہر کہ ابن شہاب مدینہ میں آئے تو ربیعہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں دفترین گئے، لیکن جب عصر کے وقت اس سے پچھلے تو ابن شہاب یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے کہ میرے خیال میں ربیعہ کا مثل مدینہ میں کوئی نہیں اور ربیعہ یہ کہتے ہوئے چلے کہ میرے خیال میں ابن شہاب علم کے جس درجہ کو پہنچ گئے ہیں اس درجہ کو کوئی نہیں پہنچا ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ سے قاسم بن محمد نے کہا کہ میں تم کو علم کا حریص پاتا ہوں، تو کیا میں تم کو ایک ظن علم کا پتہ بتا دوں؟ میں نے کہا ہاں، فرمایا تم کو بہت عبدالرحمان کے پاس جانا چاہیے کیونکہ وہ حضرت عائشہؓ کی پروردہ آغوش تھیں میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو ان کو ایک ایسا دریا پایا جو کبھی خشک نہیں ہوتا امام زہری نے ۱۲۷ھ میں وفات پائی،

(۱۱۷) ابو جعفر محمد بن علی بن حسین المعروف بالباقر،

دہ شیعوں کے پانچویں امام ہیں اپنے باپ حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی، اور وہ اپنے زمانہ میں بنو ہاشم کے سردار تھے، انھوں نے ۱۱۷ھ میں وفات پائی،

(۱۱۵) ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان فقیہ مدینہ

انھوں نے حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے صحابہ سے حدیث سنی الیث بن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے پیچھے پیچھے تین سو آدمی دیکھے جنہیں بعض فقہ کے اور بعض شعر وغیرہ کے طالب العلم تھے اس کے بعد وہ تمہارہ گئے، اور یہ سب کے سب ربیعہ الراے

کی طرف بڑھے۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ میں نے ربیعہ اور ابو الزناد دونوں کو دیکھا لیکن ابو الزناد ان میں زیادہ فقیہ تھے۔ امام سفیان ابو الزناد کو اسیر المؤمنین فی الحدیث کہتے تھے۔ انھوں نے سلمہ بن دقات پائی،

(۱۶) یحییٰ بن سعید انصاری

حضرت انس بن مالک اور بہت سے تابعین سے حدیث کی روایت کی چچی کا قول ہے کہ وہ زہری پر مقدم ہیں زہری کے متعلق اختلاف ہے اور ان کے متعلق کوئی اختلاف نہیں۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید تمام لوگوں میں زیادہ محفوظ و محتاط ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا تو بحر یحییٰ بن سعید اور امام مالک کے کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جس کے متعلق بڑی بھلی دونوں قسم کی رائیں نہ ہوں۔ یحییٰ بن سلمہ میں دقات پائی،

(۱۷) ربیعہ بن ابی عبدالرحمان فروخ

حضرت انس بن مالک اور بہت سے صحابہ سے روایت کی وہ امام حافظ، فقیہ مجتہد اور اسے کے بہت بڑے ماہر تھے، اسی بنا پر ان کو ربیعہ الراے کہا جاتا تھا یحییٰ بن سعید کا قول ہے کہ میں نے ربیعہ سے زیادہ کسی کو ذہین نہیں دیکھا۔ قاضی سوار بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو ربیعہ سے زیادہ راے کا عالم نہیں دیکھا۔ میں نے کہا حسن اور ابن سیرین بھی نہیں بولے حسن اور ابن سیرین بھی نہیں وہ نہایت فیاض تھے اور امام مالک بن انس نے ان ہی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی انھوں نے سلمہ میں دقات پائی،

## مفتیان مکہ

(۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب

ہجرت کے دو سال پہلے پیدا ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ دعا کی کہ "خدا ان کو دین میں فقیہ بنائے، اور ان کو تاویل سکھائے" اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ابن عباسؓ قرآن کے کس قدر اچھے ترجمان ہیں اگر ان کو ہمارے دو سال ملتا تو ہم میں کوئی ان کا ہمسر نہ ہوتا، عمر کا قول ہو کہ ابن عباسؓ کا عام علم تین بزرگوں سے ماخوذ ہے، عمر، علیؓ اور ابی بن کعبؓ، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں جب یہ سنتا تھا کہ ایک آدمی کے پاس حدیث ہے تو اس کے پاس آتا تھا اور بیٹھتا تھا، یہاں تک کہ جب وہ نکلتا تھا تو میں اُس سے پوچھتا تھا، اور اگر میں یہ چاہتا کہ اُس سے نکلنے کی خواہش کرتا تو کر سکتا تھا، تفسیر اور فقہ میں اہل مکہ کے علم کا دار و مدار حضرت ابن عباسؓ ہی پر ہے، انھوں نے شانہ میں علم طائف و فائز پائی

(۲) حضرت مجاہد بن جبرؓ مولیٰ بن مخزوم

حضرت سیدہ حضرت عائشہؓ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے حدیث

سنی، اور حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں ایک مدت تک رہے اور ان سے قرآن پڑھا، وہ علم کے ظروت میں سے ایک ظرف تھے، خود ان کا قول ہے کہ میں نے ابن عباسؓ کو تین بار قرآن سنایا اور ان کے سامنے ہر آیت پر پھرتا تھا اور پوچھتا تھا کہ وہ کس بارے میں نازل ہوئی؟ اور اس کا کیا واقعہ ہے؟ فتاویٰ کا قول ہے کہ جو علماء درہ گئے ہیں ان میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم مجاہد بن جبرؓ ان کا بیان ہے کہ بعض اوقات ابن عباسؓ نے میرا کاب تھا، انھوں نے شانہ میں وفات پائی،

(۳) حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ،

انھوں نے حضرت ابن عباسؓ حضرت عاکشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ سے روایت کی اور حضرت ابن عباسؓ سے فقہ کی تعلیم پائی، حضرت سعید بن جبیرؓ سے کہا گیا کہ آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے بھی زیادہ عالم ہو؟ فرمایا: ہاں عکرمہؓ، امام شعبیؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ”عکرمہ سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم کوئی نہیں رہا“ ان پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ خارجیوں کے ہمراہ تھے یہی وجہ ہے کہ امام لاک اور امام مسلم نے ان سے روایت حدیث نہیں کی ہے انھوں نے شہر مدینہ میں پائی،

(۴) حضرت عطاء بن ابی رباح مولیٰ قریش

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے، اور حضرت عاکشہؓ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے حدیث سنی وہ گھونگر دار بال دالے سیاہ فصیح اور بہت زیادہ علم رکھنے والے تھے اور فوج میں پیدا ہوئے تھے، امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ میں نے عطاءؓ سے زیادہ کسی کو افضل نہیں دیکھا، امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ عطاءؓ عمرؓ کے دن مرے تو اہل زمین میں لوگوں کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ تھے، اسمعیل بن اُمیہؓ کہتے ہیں کہ عطاءؓ بہت دیر تک خاموش رہتے تھے، لیکن جب بولتے تھے تو ہم کو معلوم ہوتا تھا کہ خدا کی جانب سے اُن کی تائید کی جاتی ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اُسے اہل کہ تم لوگ میرے پاس جمع ہوتے ہو حالانکہ تمھارے یہاں عطاءؓ ہیں، انھوں نے ۱۲۷ھ میں وفات پائی،

(۵) حضرت ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس مولیٰ حکم بن حزام،

حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت سعید بن جبیرؓ وغیرہ سے روایت حدیث کی اہلی بن عطاءؓ کا قول ہے کہ ہم سے ابوالزبیرؓ نے حدیث بیان کی اور وہ

لوگوں میں بہ اعتبار عقل کے سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ حافظ تھے، عطا فرماتے ہیں کہ ہم حضرت حابرؓ کے پاس ہوتے تھے اور وہ ہم سے حدیث بیان کرتے تھے، پھر جب ہم وہاں سے نکلتے تھے تو باہم مذاکرہ کرتے تھے، اور اس حالت میں ابوہریرہؓ ہم میں سب سے زیادہ حافظ الحدیث ہوتے تھے، انھوں نے ۱۲۸ھ میں وفات پائی،

### مفتیان کوفہ

(۱) حضرت علقمہ بن قیس النخعی فقیہ عراق،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے حدیث سنی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فقہ کی تعلیم پائی، اور وہ ان کے برگزیدہ ترین اصحاب میں تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہو کہ میں کوئی ایسی چیز نہیں پڑھتا اور ایسی چیز نہیں جانتا جبکہ علقمہ نہ پڑھتے ہوں یا نہ جانتے ہوں، قابوس بن ابی ظبیان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ صحابہ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس کیوں آتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میں نے خود چند صحابہ کو دیکھا کہ وہ علقمہ سے پوچھتے ہیں اور ان سے فتوے لیتے ہیں، امام ذہبی کہتے ہیں کہ وہ فقیہ امام، اور فائق تھے، قرآن نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے، اور عبودہ روایت میں محتاط اور مستند اور نیک اور پرہیزگار تھے، طرز و روش وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مشابہ تھے، انھوں نے ۶۲ھ میں وفات پائی،

(۲) حضرت سروق بن الابدع الہمدانی الفقیہ،

وہ عمرو بن معدیکرب کے بھائی تھے، اور حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے، امام شعبی کا قول ہے کہ میں کسی ایسے شخص کو

نہیں جانتا جو مسروق سے زیادہ علم کا طلبگار ہو، وہ شریح سے زیادہ فتویٰ کے عالم  
تھے شریح اُن سے مشورہ کرتے تھے اور مسروق شریح کے محتاج نہ تھے، انھوں نے  
۹۳ھ میں وفات پائی،

(۳) حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی المرادی،

فتح مکہ کے زمانہ میں بین السلام لائے، اور حضرت علیؑ اور حضرت عبداللہ بن  
مسعودؓ سے علم حاصل کیا، امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ”فقہاء میں وہ شریح کے مقابل تھے،“  
عجلی کا قول ہے کہ ”عبیدہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اُن اصحاب میں ہیں جو لوگوں  
کو پڑھاتے تھے اور لوگوں کو فتوے دیتے تھے،“ انھوں نے ۹۲ھ میں وفات پائی،

(۴) حضرت اسود بن یزید النخعی،

وہ کوفہ کے عالم اور علقمہ بن قیس کے بھتیجے ہیں، حضرت معاذؓ اور حضرت جہد  
بن مسعودؓ وغیرہ سے علم حاصل کیا، انھوں نے ۹۵ھ میں وفات پائی،

(۵) حضرت شریح بن الحارث الکندی،

حضرت عمرؓ نے اُن کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا، اُس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ  
اور اُن کے بعد اور خلفاء نے ان کو قاضی بنایا اور وہ حجاج بن یوسف کے زمانے تک  
قاضی رہے، اپنی موت سے ایک سال پہلے انھوں نے اس عہد سے استعفا دیدیا  
اور اُن کے علاوہ ہم کو کسی ایسے قاضی کا نام معلوم نہیں جو ساٹھ سال تک قاضی  
رہ چکا ہو، انھوں نے حضرت عمرؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ  
سے روایت کی اور ۱۰۷ھ میں وفات پائی،

(۶) حضرت ابراہیم بن یزید النخعی فقیہ العراق



علقہ مسروق اور اسود وغیرہ سے روایت کی اور وہ حماد بن ابی سلیمان فقیہ کے شیخ ہیں وہ مخلص علمائین تھے، شہرت سے بچتے تھے اور ستون کے پاس نہیں بیٹھتے تھے، عبدالملک بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تم لوگ مجھ سے فتویٰ لیتے ہو حالانکہ تم میں ابراہیم نخعی موجود ہیں وہ علم کے متعلق صرف اُسی وقت گفتگو کرتے تھے جب اُن سے سوال کیا جاتا تھا، ۹۵ھ میں وفات پائی،

حضرت سعید بن جبیر مولیٰ والہ!

۱۷ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے حدیث سنئی جب اہل کوفہ حج کو جاتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مسئلہ پوچھتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں؟ "وہ کسی کو اپنے پاس غیبت کی اجازت نہیں دیتے تھے" یسویون بن مہران کہتے ہیں کہ "سعید بن جبیر مرے توروسے زمین پر کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو اُن کے علم کا محتاج نہ ہو" ان کو ابن اشعث کی بغاوت میں حجاج نے ۹۵ھ میں قتل کیا،

(۸) حضرت عامر بن شراحیل الشعمی علامۃ الدین!

وہ ۱۱۵ھ میں حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے وہ امام حافظ، فقیہ اور مختلف علوم کے عالم تھے، اور حضرت علیؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی وہ امام ابو حنیفہ کے سب سے بڑے شیخ ہیں، اور کوفہ کے قاضی رہ چکے ہیں، کچھ کہتے ہیں کہ "میں نے شعبی سے بڑھکر عالم نہیں دیکھا" ابو حصین کا قول ہے کہ میں نے کسی کو شعبی سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔ ابن سیرین نے ابو بکر الہندی سے کہا کہ "شعبی کی صحبت لازم پکڑ لو، کیونکہ میں نے ان کو

دیکھا کہ اُن سے فتویٰ لیا جاتا تھا، حالانکہ بہ کثرت صحابہ اُس وقت موجود تھے، ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ "شعبی صاحب آثار (یعنی صاحب حدیث) اور ابراہیم صاحب قیاس تھے" حضرت ابن عمر شعبی کے پاس سے گزرے اور وہ مغازی کی روایت کر رہے تھے تو فرمایا "میں نے قوم کو دیکھا لیکن یہ مجھ سے زیادہ مغازی کے حافظ اور عالم ہیں" امام شعبی سے روایت ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ پہلے نیک لوگوں نے حدیث کی کثرت روایت کو مکروہ سمجھا ہے، مجھ کو جو کچھ بعد کو معلوم ہوا اگر پہلے معلوم ہوتا تو صرف اُنھیں حدیثوں کو روایت کرتا جن پر اہل حدیث نے اتفاق عام کر لیا ہے "ابن عون کہتے ہیں کہ شعبی کے پاس جب کوئی مسئلہ آتا تو وہ اس سے اجتناب کرتے لیکن ابراہیم اسکی تفصیل کے متعلق شگفتہ اور ابراہیم ترش رو تھے لیکن جب فتویٰ آتا تو شعبی ترش رو اور ابراہیم شگفتہ رو ہو جاتے شعبی سے روایت ہے کہ ہم لوگ فقہار نہیں بلکہ جب حدیث سن لیتے ہیں تو اُس کی روایت کر دیتے ہیں، فقیہ وہ ہے کہ جب اُسکو علم ہو تو وہ اس پر عمل کرے "شعبی قیاس کو مکروہ سمجھتے تھے اُنھوں نے ۱۳۷ میں وفات پائی

### مفتیانِ بصرہ

حضرت انس بن مالک انصاری خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ مدون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اُن سے بہ کثرت حدیثیں مروی ہیں وہ ۱۵۱ ہجرت سے تادم مرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں رہے اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت ابی رضی سے علم حاصل کیا اور بہت دنوں تک زندہ رہے امام بخاری نے ان کی اسٹی حدیث اور امام مسلم نے ستر حدیث کی روایت کی اور دونوں نے اُن کی ۱۲۸ حدیث روایت کی ہیں، اُنھوں نے ۱۳۷ میں وفات پائی

(۲) حضرت ابو العالیہ رفیع بن مہران الریاحیؓ

وہ قبیلہ یتیم کی ایک شاخ ریاح کی ایک عورت کے مولیٰ تھے، حضرت عمرؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ سے حدیث سنی اور ان سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ”حضرت عبداللہ بن عباسؓ مجھ کو اونچی جگہ بٹھاتے تھے، حالانکہ قریش ان سے نیچے ہوتے تھے اور فرماتے تھے، ”علم اسی طرح شریف کے شرف کو بڑھاتا ہے اور بادشاہوں کو تخت پر بٹھاتا ہے“ انھوں نے ۹۰ میں وفات پائی،

(۳) حضرت حسن بن ابی الحسن یسار مولیٰ زید بن ثابتؓ،

مدینہ میں پیدا ہوئے اور حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں قرآن حفظ کیا، پھر بڑی ہو کر تحصیل چما د کرتے رہے اور برابر علم و عمل کی تحصیل میں مصروف رہے، وہ بہت بڑے مشہور بہادر تھے اور بہت سے صحابہ سے حدیث روایت کی ابن سعد کا بیان ہے کہ ”وہ عالم، بلند رتبہ، مستند، محفوظ، عبادت گزار، بڑے علم والے، فصیح، وجیہ و خوبصورت تھے“ وہ ان حق کو لوگوں میں تھے جو خدا کے بارے میں لومہ لاکم کی پروا نہیں کرتے تھے، انھوں نے ۷۰ میں وفات پائی،

(۴) حضرت ابوالشعثاء جابر بن زید صاحب ابن عباسؓ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ”اگر اہل بصرہ جابر بن زید کے قول کو تسلیم کرتے تو وہ ان چیزوں کے متعلق جو کتاب اللہ میں ہیں علم کو وسیع کر دیتے“ ان سے یہ بھی روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ”تم مجھ سے ایک بات پوچھتے ہو حالانکہ تم میں جابر بن زید موجود ہیں“ عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ ”میں نے نبویؐ کا عالم جابر بن زید سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا“ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

اُن سے طوائف میں ملے تو فرمایا کہ ”اسے جا برقم فقہاء بصرہ میں ہو اور رقم سے فتویٰ طلب کیا جاتا ہو، تو صرف قرآن ناطق یا سنت ماضیہ کے رو سے فتویٰ دو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو خود ہلاک ہوئے اور لوگوں کو ہلاک کیا انھوں نے ۹۳ھ میں وفات پائی“  
 وہ محمد بن سیرین مولیٰ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ،

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ۲۰ سال باقی رہ گئے تھے کہ یہ پیدا ہوئے اپنے مولیٰ حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی، وہ فقیہ امام، وسیع العلم، مستند بہت بڑے معبر خواب اور تنہا پر ہیزگار تھے، مورق الجلی کا قول ہے کہ ”پرہیزگاری میں ابن سیرین سے زیادہ فقیہ، اور فقہ میں اُن سے زیادہ پرہیزگار نہیں دیکھا“ انھوں نے ۱۱۷ھ میں امام حسن بصری کے سونے بعد وفات پائی“

(۶) قتادہ بن دعامة السدومی

حضرت انسؓ اور حضرت سعید بن المسیبؓ وغیرہ سے روایت کی، وہ اندھے اور قوی الحافظ تھے، ابن سیرین کہتے ہیں کہ قتادہ لوگوں میں سب سے زیادہ حافظ تھے، خود قتادہ کا قول ہے کہ ”قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں جس کے بارے میں میں نے کچھ نہ سنا ہو، امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ قتادہ تفسیر اور اختلاف علماء کے بہت بڑے عالم ہیں“ اور اُن کے حفظ اور فقہ کی تعریف کی، ان کا ذکر نہایت طوالت کے ساتھ کیا، اور کہا کہ ”اسے بہت کم لوگ ملین گے جو اُن پر ترجیح رکھتے ہوں“ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے ۲۰ سال سے اسے بالکل فتویٰ نہیں دیا، اس حفظ کے ساتھ وہ عربیت لغت، آیام العرب اور لغت اب کے بھی بہت بڑے عالم تھے، ۱۱۷ھ میں وفات پائی“

## مفتیانِ شام

(۱) حضرت عبدالرحمان بن عثم الاشعریؒ،

حضرت عمرؓ اور حضرت معاذؓ وغیرہ سے روایت کی اور حضرت عمر بن الخطابؓ نے ان کو لوگوں کے فقہ سکھانے کیلئے شام بھیجا اور شام کے تابعین نے انھیں سے فقہ کی تعلیم پائی، نہایت معزز سچے اور فاضل تھے، ۱۱۰ھ میں وفات پائی

(۲) ابو ادریس الخولانی عائد السد بن عبد اللہؒ

یہ ان لوگوں میں ہیں جو علم و عمل دونوں کے جامع تھے، حضرت معاذ بن جبلؓ اور بہت سے صحابہ سے علم حاصل کیا وہ اہل دمشق کے واعظ اور قاضی تھے، امام زہری کہتے ہیں کہ ابو ادریس فقہا و شام میں تھے، ۱۱۰ھ میں وفات پائی

(۳) قبیسہ بن ذویبؒ

خلیفہ عبد الملک کے مہر بردار تھے، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ سے روایت کی امام زہری کہتے ہیں کہ "قبیسہ اس امت کے علماء میں سے تھے، کھول کا قول ہے کہ میں نے ان سے زیادہ عالم نہیں دیکھا" امام شعبی سے مروی ہے کہ "قبیسہ لوگوں میں حضرت زید بن ثابتؓ کے فیصلوں کے سب سے بڑے عالم تھے، ۱۱۰ھ میں وفات پائی

(۴) کھول بن ابی مسلمؒ

قبیلہ ہذیل کی ایک عورت کے بیٹی تھے، اور نسبا کا بل سے تعلق رکھتے تھے، صغار صحابہ سے روایت کی اور کبار صحابہ کے متعلق تدلیس کرتے تھے، یعنی ان سے روایت کرتے تھے، اور ان کے اور کبار صحابہ کے درمیان جو راوی ہوتا تھا اسکو چھوڑ دیتے تھے

طلب علم میں نہایت کثرت سے سفر کیا اور بہت زیادہ علم حاصل کیا، امام زہری نے فرمایا کہ "عالم تین ہیں" اور انھیں میں کچھ نام بھی لیا، ابو حاتم کہتے ہیں کہ میں شام میں کسی عالم کو نہیں جانتا جو کچھ میں سے زیادہ فقیہ ہو، انھوں نے سلسلہ میں وفات پائی،

(۵) رجاء بن حیوۃ الکندی

وہ اہل شام کے شیخ اور عمائد سلطنت میں داخل تھے، امیر معاویہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ سے روایت کی مطروقات کہتے ہیں کہ میں نے کسی شامی کو نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ فقیہ ہو، کچھ کہتے ہیں کہ رجاء اہل شام کے سردار ہیں، ابن سعد کا قول ہے کہ "رجاء فاضل، مستند اور بہت زیادہ علم والے تھے" انھوں نے سلسلہ میں وفات پائی،

(۶) عمر بن عبدالعزیز بن مروان

وہ بنو امیہ کے آٹھویں خلیفہ ہیں، مدینہ میں پیدا ہوئے اور مصر میں نشوونما پائی، اور حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے تابعین سے روایت کی، وہ امام فقیہ مجتہدنا ہر حد معزز، مستند، محبت، حافظ، مطیع خدا، اواہ اور منیب تھے، اور عدل و انصاف میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے مثل اور زہد میں حضرت حسن بصریؓ کے نظیر اور علم میں امام زہری کے ہمسر تسلیم کیے جاتے تھے، مجاہد کہتے ہیں کہ "ہم ان کی تعلیم دینے کیلئے آئے، لیکن تھوڑی ہی دنوں کے بعد ہم نے خود ان سے تعلیم حاصل کی" انھوں نے سلسلہ میں وفات پائی،

مفتیان مصر

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد مبارک سے بڑے روزِ زوداڑ بڑے

نازگزار، قاری قرآن اور بڑے جویان علم تھے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنکر بہت سی حدیثیں لکھیں اور حضرت ابو ہریرہؓ ان کے کثرتِ علم کے معترف تھے، چنانچہ انھوں نے فرمایا کہ ”وہ حدیث کو لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا“ وہ نیک اور اپنی دھن کے پکتے تھے، فتنہ و فساد میں حصہ لینے پر اپنے باپ کو ملامت کرتے تھے، لیکن نافرمانی کی بنا پر خود اس میں حصہ نہ لینے کو گناہ خیال کرتے تھے، صفین میں شریک ہوئے، لیکن تلوار نہیں کھینچی، انھوں نے اہل کتاب کی بہت سی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا تھا اور ان میں ان کو بہت سی عجیب چیزیں نظر آئی تھیں، مصریوں نے ان سے بہت سا علم حاصل کیا، انھوں نے ۶۷ھ میں مصر میں وفات پائی،

(۲) ابو الحیر مرشد بن عبد اللہ الیزنی مفتی اہل مصر

حضرت ابو ایوب انصاریؓ، حضرت ابوبصر عوفیؓ اور حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت کی، اور ان سے اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے علم فقہ حاصل کیا، ابن یونس کہتے ہیں کہ ”وہ اپنے زمانہ میں اہل مصر کے مفتی تھے“ انھوں نے ۹۰ھ میں وفات پائی،

(۳) یزید بن ابی حبیب مولیٰ الازد،

اگرچہ بعض صحابہؓ سے بھی روایت کی ہے، لیکن ان کی اکثر روایتیں تابعین سے ہیں، ابو سعید بن یونس کہتے ہیں کہ ”وہ اہل مصر کے مفتی تھے“ وہ حلیم اور عاقل تھے اور سب سے پہلے انھیں نے مصر میں علم مسائل اور حلال و حرام کو ظاہر کیا، اور نہ ان سے پہلے اہل مصر کی تمام روایتیں ترغیب، جنگ، اور فتنہ و فساد کے متعلق ہوتی تھیں، ابن سعد کہتے ہیں کہ ”یزید ہمارے عالم اور ہمارے سردار ہیں“ بیان کیا جاتا ہے کہ یزید ان

اُن تین اشخاص میں میں جن سے حضرت عمر بن عبد العزیز نے مصر میں افتا کی خدمت  
 متعلق کی تھی وہ نسا بربری الاصل ہیں اُن کے باپ دقلہ کے رہنے والے تھے اور  
 مصر میں پیدا ہوئے تھے جب کسی خلیفہ کی بیعت کا وقت آتا تو سب سے پہلے عبید اللہ  
 بن جعفر اور یزید بن حبیب بیعت کرتے تھے ابن امیہ کا بیان ہے کہ یزید بیمار ہوئے تو  
 حوثرہ بن سہیل امیر مصر نے اُن کی عیادت کی اور کہا کہ "اے ربو رجا جس کپڑے میں  
 چھڑون کا خون لگا ہوا ہو اس کو پہنکر نماز پڑھنے کے متعلق تمھارا کیا قول ہے؟" انھوں نے  
 سُندھ پھیر لیا اور اُن سے گفتگو نہیں کی، وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو یزید نے اُن کی طرف دیکھا  
 اور کہا کہ "تم روز ایک جماعت کو قتل کرتے ہو اور مجھ سے چھڑون کے خون کے متعلق  
 سوال کرتے ہو؟" سعید بن عفیر کہتے ہیں کہ زبان بن عبد العزیز نے یزید کو پیغام بھیجا کہ میرے  
 پاس آؤ تاکہ میں تم سے کچھ علمی استفسارات کروں، انھوں نے کسلا بھیجا، تم خود ہی آؤ،  
 کیونکہ میرے پاس تمھارا آنا تمھارے لیے زینت ہے اور تمھارے پاس میرا آنا میرے لیے  
 عیب ہے" انھوں نے ۲۸ھ میں وفات پائی۔

### مفتیان میں

(۱) طاؤس بن کيسان الجندی

وہ جنگ کے گرفتار شدہ لوگوں کے اڑکے تھے، حضرت زید بن ثابتؓ حضرت  
 عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ سے حدیث سننے، علم و عمل میں منتخب روزگار تھے  
 عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو طاؤس کے مثل نہیں دیکھا، قیس بن سعد کا  
 قول ہے کہ "طاؤس ہم میں ویسے ہی تھے جیسے بصرہ والوں میں ابن سیرینؓ ذہبی کہتے  
 ہیں کہ طاؤس اہل میں کے شیخ، اُن کے فقیہ اور اُن کے لیے ایک برکت تھے" وہ بڑے



جلیل القدر تھے "حج بہت کرتے تھے چنانچہ ستارہ میں مکہ ہی میں وفات پائی،

(۲۱) وہب بن بنہ الصنعانی

اہل میں کے عالم ہیں حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ سے روایت کی "ان کے پاس اہل کتاب کے علم کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، کیونکہ انھوں نے اس طرف سخت توجہ کی تھی، عجلی کہتے ہیں کہ وہ مستند تابعی اور قاضی تھے "انھوں نے ستارہ ہجری میں وفات پائی،

(۳) یحییٰ بن ابی کثیر مولیٰ ط

حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے تابعین سے روایت کی، شعبہ کہتے ہیں کہ وہ حدیث میں زہری سے اچھے ہیں احمد کہتے ہیں کہ جب زہری ان کی مخالفت کریں تو یحییٰ کا قول تسلیم کیا جائیگا "انھوں نے ستارہ میں وفات پائی،

جو لوگ اس دور میں فتویٰ دیتے تھے اور روایت حدیث کرتے تھے ان میں بزرگ ترین یہی لوگ تھے جن کا ہم نے نام لیا لیکن اس دور میں کوئی شخص کسی میں اور خاص فقیہ کی طرف اس طور پر منسوب نہ تھا کہ اس نے جو روایت یا جو رائے اختیار کی ہو اس پر عمل کرنا اس کے لیے لازمی ہو، بلکہ یہ تمام مفتی مختلف شہروں میں تھے اور روایت حدیث میں شہرت رکھتے تھے، اور جس شخص کو فتویٰ پوچھنا ہوتا تھا وہ جس شخص کے پاس چاہتا تھا جا کر فتوے پوچھ لیتا تھا اور وہ فتویٰ دیدیتا تھا، بعض اوقات وہ ایک مفتی سے فتویٰ لیکر دوسرے مفتی کے یہاں بھی چلا جاتا تھا جو لوگ مختلف شہروں کے قاضی تھے، ان کے فیصلے کا طریقہ یہ تھا کہ جو کچھ قرآن و حدیث سے ان کی سمجھ میں آتا اس کے مطابق فیصلہ کرتے، اگر ان کی کوئی فتویٰ رے قائم ہوجاتی تو اس کے مطابق

بھی فیصلہ کر دیتے تھے، بعض اوقات اپنے شہر کے مشہور فقہاء سے بھی فتویٰ لیکر فیصلہ صادر کرتے، اور بسا اوقات خلیفہ سے بھی بذریعہ خط و کتابت کے استفسار کر لیتے، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے دورِ خلافت میں اکثر ایسا ہوا،

اس دور میں ایک خاص فرقہ پیدا ہوا جس کو مورخین خوارج کے لقب سے یاد کرتے ہیں، اس فرقہ کی اصل وہ گروہ ہے جس نے حضرت عثمان بن عفانؓ کی لنبت میں بغاوت کی، کیونکہ اس گروہ نے ان کی چند باتوں کو ناپسند کیا، اور اس بنا پر پہلے ان کے خلاف بغاوت کی پھر ان کو شہید کر دیا، اس کے بعد جب ان لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان میں اور امیر معاویہؓ میں جاتی بڑھانے کا بہت بڑا سبب بن گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے دو فرقوں میں جو تمام عالم اسلامی کا خلاصہ تھے، یہ مقام صفین سخت جنگ ہوئی، جب امیر معاویہ اور ان کے رفقاء نے قرآن مجید کو حکم بنانے کی دعوت دی تو یہ لوگ پہلے تو اس پر راضی ہو گئے، لیکن بعد کو اس کو قابل اعتراض قرار دیا اور کہا کہ یہ کفر ہے، کیونکہ ”لا حکم الا للہ“ حکم صرف خدا کیلئے ہے، ان لوگوں نے اس فقرہ کو اپنا شعار بنالیا، یہاں تک کہ جن لوگوں نے خوارج کی رائے اختیار کی ان کو کہا جانے لگا کہ ”حکم“ یعنی انھوں نے ”لا حکم الا للہ“ کہا، ان لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ بھی سخت لڑائیاں کیں جن کی وجہ سے ان کا مرکز ان کے اُس فریق کے مقابل میں جو ایک فرمانبردار فوج رکھتا تھا ضعیف ہو گیا، اور بالآخر انھوں نے انہی خارجیوں میں سے ایک خارجی یعنی عبدالرحمان بن ملجم کے ہاتھ سے شہادت پائی، اور اسی وقت سے ایک مخصوص اور ممتاز شخصیت رکھنے والا فرقہ پیدا ہو گیا جو ”شراۃ“ کے لقب سے مشہور ہے، ان لوگوں نے اس آیت سے اُس

تام کو لیا ہے، "ومن الناس من يشرى نفسه ابتغاءً لمرضاة الله" یعنی بعض لوگ خدا کی مرضی  
 کی جستجو میں اپنی جان کو بیچ ڈالتے ہیں، ان کا عام اصول یہ ہے کہ وہ شیخین یعنی حضرت ابو بکر  
 اور حضرت عمرؓ سے محبت رکھتے ہیں اور چند ناپسندیدہ باتوں کی وجہ سے حضرت عثمانؓ  
 سے اور رضامندی شکیم کی بنا پر حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ سے اور مسلمانوں کی  
 رضامندی کے بغیر مسلمانوں پر اقتدار و قبضہ حاصل کر لینے کے سبب امیر معاویہؓ  
 برات یعنی بے تعلقی اور علیحدگی ظاہر کرتے ہیں اس مسئلہ خلافت کے متعلق ان کا  
 یہ اصول قائم ہوا کہ خلافت تمام قوم کے سپرد کر دی گئی ہے وہ جس شخص کو جس خاندان  
 سے چاہے خلیفہ بنا سکتی ہے وہ خلافت کو قریش میں مخصوص کر دینے سے انکار کرتے  
 ہیں اور ان کے نزدیک خلیفہ کی اطاعت صرف ان حدود کے دائرے میں فرض  
 ہے، جن کو خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب یا اپنے پیغمبر کی علمی حدیثوں میں متعین کر دیا  
 ہے، اگر کسی خلیفہ نے ان کی مخالفت کی تو وہ اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور اسکی  
 نافرمانی واجب ہو جاتی ہے، یہ لوگ کافر اور فاسق کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے  
 بلکہ جو شخص حدود اللہ سے آگے قدم رکھے وہ فاسق ہے اور وہ فاسق ہی کو کافر کہتے  
 ہیں قرآن مجید کی چند ظاہری آیتیں بھی ان کی تائید کرتی ہیں اور اسی عقیدہ کی  
 بنا پر جن لوگوں نے امیر معاویہؓ کی حمایت کی اور حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمانؓ  
 سے برات انہیں کی ان کو وہ لوگ خارج از ملت سمجھتے ہیں اور ان سے لڑنا بھڑکانا جائز  
 قرار دیتے ہیں حالانکہ جمہور راست بھی لوگ ہیں

ان خارجیوں میں بڑے بڑے سردار پیدا ہوئے جنھوں نے ان سے خلفائے جمہور  
 کے ساتھ لڑائیاں کر دئیں ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دینی امور میں ان کی رائیں

نہایت سخت قائم ہوئیں یہ لوگ صرف قرآن مجید کے ظاہری معنی کو لیتے تھے اور حدیث میں صرف انہی احادیث کو قبول کرتے تھے جن کی روایت ان لوگوں نے کی تھی جنکو یہ لوگ دوست رکھتے تھے، چنانچہ ان کی قابل اعتماد حدیثیں صرف وہ تھیں جنکی روایت شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں کی گئی تھی، ان لوگوں میں بڑے بڑے علماء اور مفتی تھے جنکی طرف یہ لوگ رجوع کرتے تھے، لیکن چونکہ یہ لوگ عام مسلمانوں پر تشدد کرتے تھے، اور ان کے متعلق برا عقیدہ قائم کر لیا تھا اس لیے عام طور پر مسلمان ان لوگوں سے اور نیز اس شخص سے جو ان لوگوں کا بھینال ہوتا تھا نفرت رکھتے تھے یہاں تک کہ اگر وہ محدث ہوتا تھا تو اس سے روایت نہیں کرتے تھے، اور اگر وہ مفتی ہوتا تھا تو اس سے فتویٰ نہیں پوچھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے جو روایت کی تھی اس کو بعض ائمہ الحدیث نے ساقط الاعتبار قرار دیا، کیونکہ ان پر یہ الزام تھا کہ وہ غلامیوں کے بھینال ہیں اور اسی بنا پر بعض محدثین نے عمران بن حطان (جو خوارج کا فقیہ اور ان کا شاعر تھا) کی روایت کو بھی ضعیف ٹھہرایا لیکن بایں ہمہ وہ تمام فرقوں میں جھوٹ سے سب سے زیادہ دور تھے کیونکہ وہ اس کو کفر خیال کرتے تھے، لیکن خوارج کا یہ اتحاد بہت دنوں تک قائم نہ رہ سکا بلکہ عام مسلمانوں کے معاملہ میں ان کے درمیان جو اختلاف آرا پیدا ہوا اس نے ان میں تفریق پیدا کر دی، اور ان کی سختیان صرف بنو امیہ کے زمانہ اور آغاز سلطنت عباسیہ تک قائم رہ سکیں

شیعوں کا فرقہ بھی اسی دور میں پیدا ہوا، یہ لوگ ہیں جو حضرت علی بن ابیطالب کرم اللہ وجہہ اور ان کے اہلبیت کی دوستی پر قائم رہے اور ان کا عام اصول مشترکہ یہ ہو کہ

خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق ہے، اور وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سے اس کے مستحق ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اُن کو وصی کہتے ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد وہ اُن کی اولاد کا حق ہے، اور اس حق کو اُن سے صرف وہی شخص چھین سکتا ہو جو ظالم و فاسق ہو، چنانچہ اسی بنا پر ان میں بعض لوگوں نے شیخین رضی اللہ عنہما حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر ان درازیاں کی ہیں، کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق کو فاسقانہ طور پر چھین لیا تھا، ان لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد اُن کے فرزند حسن علیہ السلام کو پھر ان کے بعد اُن کے بھائی حسین علیہ السلام کو امام قرار دیا ہے، اور اس معاملہ میں ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اُن کے دو فرقے پیدا ہو گئے، بعض لوگوں نے خلافت کو محمد بن الحنفیہ کا حق قرار دیا، کیونکہ امام حسین علیہ السلام کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی اولاد وہی تھے، اور یہی لوگ ہیں جن کو کسانہ کہتے ہیں، محمد بن حنفیہ کے نام سے اس بغاوت میں فائدہ اٹھایا گیا، جو مختار بن ابی عبید اللثقی نے بنو امیہ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف کی تھی اور یہ لوگ اُن کو مہدی کہتے تھے، لیکن خوارج کی طرح مختار بن ابی عبید اللثقی میں مذہبی روح نہیں پائی جاتی تھی، بلکہ اُسکی بغاوت کا فتنہ دنیوی تھا، یہی وجہ ہے کہ اپنے اغراض کے حاصل کرنے کیلئے اُس نے جھوٹ بولنا جائز کر لیا تھا،

لیکن بعض شیعوں نے خلافت کو صرف اولادِ فاطمہؓ کیلئے مخصوص کر دیا اور امام حسین علیہ السلام کے بعد اُن کے فرزند علی زین العابدین کو جو اس دور کے فقہار میں تھے امام بنایا، حضرت علی زین العابدین کی وفات کے وقت اُن کے دو فرزند تھے، یعنی

محمد بن علی المعروف بالباقر اور زید بن علی، چنانچہ ان لوگوں نے حضرت باقر کو امام بنایا۔ لیکن ان کی وفات کے بعد ان کے بھی دو فرزند ہو گئے، بعض نے زید بن علی کو امام بنایا، اور یہی لوگ زید کے نام سے مشہور ہیں، اور بعض لوگ امام باقر کی اولاد کی محبت کا دم بھرتے رہے، اس بنا پر انھوں نے امامت کو ان کے فرزند جعفر صادق کی طرف منتقل کر دیا،

امامت کے متعلق فرقہ زید یہ کی ایک خاص رائے تھی یعنی یہ لوگ شیخین سے ہمہری نہیں کرتے تھے، کیونکہ یہ دونوں بزرگ خلیفہ ہوئے تو عدل انصاف سے کام لیا، ان لوگوں کا قول یہ تھا کہ امامت اگرچہ صرف اولادِ فاطمہ کیلئے مخصوص ہے، لیکن امام کا تقرر اوصاف کے لحاظ سے ہوتا ہے اور اس لیے جیسا کہ فرقہ جعفریہ کا خیال ہو، یہ لوگ اسے منکر تھے کہ وصیت میں نام کے ساتھ امام کا تقرر ہوا ہے، غرض ان لوگوں کی رائے یہ تھی کہ ہر وہ شخص جو اولادِ علیؑ سے ہونے کا مدعی ہو اور اس کے ساتھ اس میں امامت کے تمام اوصاف بھی پائے جاتے ہوں اس کی پیروی اور مدد واجب ہو، یہی وجہ ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں جب زید بن علیؑ نے بغاوت کی تو ان لوگوں نے ان کا ساتھ دیا اور جب وہ شہید ہو گئے، تو ان کے فرزند یحییٰ کی حمایت کی، اس کے بعد محمد المہدی المعروف بالنفس الزکیہ بن عبداسد بن الحسن بن الحسن بن علیؑ نے دولت عباسیہ کے آغاز میں منصور عباسی کے خلاف بغاوت کی تو ان لوگوں نے ان کی اعانت کی

الغرض اس دور میں شیعوں کے تین فرقے بنی کسانیا، امامیہ زیدیہ، اور امامیہ جعفریہ پیدا ہو گئے، اور ان میں ہر فرقہ نے علم دین کو اپنے اپنے الہ اور ان کے رفقاء

و اعوان سے حاصل کیا، یہ لوگ اُن ائمہ کے متعلق جو اعتقادات رکھتے ہیں وہ اعتدال اور غلو کے لحاظ سے مختلف ہیں ان میں بعض لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے اہلبیت کی تائید میں جو غلو کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے بہت سی ایسی حدیثیں روایت کیں جن کی نسبت ائمہ جہور یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ بالکل جھوٹ ہیں یہی وجہ ہے کہ ان ائمہ نے جس طرح غلو و خوارج کی روایتوں کے قبول کرنے میں تامل کیا ہوا اسی طرح ہر غالی شیعہ یا داعی تشیع کی روایتوں کے قبول کرنے میں ان کو توقف ہے

8.9.49  
8.2.8.  
Sorai Rahmani  
aligarh

8.9.49  
8.2.8.  
Sorai Rahmani  
aligarh

# چوتھا دور

## اس دور کی فقہ

### دوسری صدی کی ابتدا سے چوتھی صدی کے نصف تک

یہ حدیث و فقہ کی تدوین اور ان ائمہ کبار کے پیدا ہونے کا دور ہے جن کو عام طور پر  
لوگوں نے اپنا پیشوا تسلیم کیا،

## سیاسی صورت حال

جو مخفی جماعت اس غرض سے قائم ہوئی تھی کہ بنو امیہ سے خلافت کو آلِ محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم میں رضا کی طرف منتقل کر دے وہ اس دور کی ابتداء میں کامیاب ہوئی  
اور خلافت بنو العباس بن عبد المطلب کی طرف منتقل ہو گئی اور ابوالعباس عبد اللہ  
الملقب بالسفاح بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس خلیفہ ہوا، اور عباسیوں نے  
بنو امیہ کے معاملے میں ایسی سختیاں کیں کہ تاریخی آدھیوں میں کسی کی نسبت اس قسم کی  
سختی کا علم نہیں ہے اور ان لوگوں نے اس قسم کے اشتدادی اور وحشیانہ کام کیے  
جن کے ذریعہ سے اپنے ایرانی اعوان و انصار کے دلوں کو خوش کیا، اس وقت بنو امیہ  
میں سب سے زیادہ پختہ ارادہ کا ایک شخص بھاگ کر اندلس میں جا پہنچا اور وہاں ایک





مغرب میں اور سیون کی جو صلہ مندیوں کے سامنے ایک دیوار کی طرح حائل ہو جائے،  
 اس لیے اُس نے خود اپنے ہاتھ سے افریقہ میں غالبہ کی سلطنت کی بنیاد رکھی اس کے بعد  
 مامون نے خراسان میں امارت طاہرہ کو قائم کیا اور بلادِ ہند میں امارت زیادہ کا سنگ بنیاد  
 رکھا اور یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ مختلف ممالک میں شیون کی کامیابیوں کو کم کر سکیں،  
 لیکن شیعہ امامیہ نے جعفر بن محمد المعروف بالصادق کی خلافت پر جو ائمہ شیعہ میں سے  
 چھٹے امام تھے اتفاق کیا تھا اور اُن کے پیرو بھی بہ کثرت تھے لیکن وہ خود اپنے لیے  
 خلافت کے خواستگار نہ تھے، جب انھوں نے وفات پائی تو اُن کے پیر و دو فرقوں میں  
 منقسم ہو گئے، ایک فرقہ یعنی فرقہ موسویہ نے اُن کے فرزند موسیٰ المعروف بالکاظم کو خلیفہ  
 تسلیم کیا اور اُن کے بعد امامت کو اُن کے لڑکوں اور پوتوں میں بارہویں امام تک  
 کھینچ کر لائے یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ امامیہ اثناعشریہ کہے جاتے ہیں اس بارہویں امام کا  
 نام ابو القاسم محمد الحسری بن الحسن الحسری بن علی المادی بن محمد الجواد بن علی الرضا  
 بن موسیٰ کاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب  
 اور شیعہ امامیہ کا خیال ہے کہ دہندہ میں اپنے باپ کی وفات کے بعد چھپ گئے اور  
 آخری زمانہ میں اُن کا ظہور ہو گا اور دنیا جس طرح ظلم سے بھر گئی ہے اسی طرح وہ اُس کو  
 عدل سے بھر دیں گے، چنانچہ وہ اب تک ان کا انتظار کر رہے ہیں دوسرے فرقے  
 نے جو اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہے، اسمعیل بن جعفر الصادق کو خلیفہ قرار دیا ہے  
 اور ان لوگوں نے خلافت کے حاصل کرنے کیلئے جو کچھ کیا وہ پہلا فرقہ نہ کر سکا تھا ان  
 لوگوں نے اس کام کی ابتدا مخفی طریقہ دعوت سے کی اور اس کے لیے ایسی تعلیمات  
 بنائیں جن کے ذریعہ سے بیگانہ دونوں کو مائل کر سکیں جب اُن کا یہ مقصد پورا ہو چکا

بلادِ فریقہ میں اُن کے امام عبید اللہ المہدی کا ظہور ہوا، جس سے دولتِ فاطمیہ کی ابتدا ہوئی اور اُس نے تمام مغرب پر تسلط و اقتدار حاصل کرنے میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی اور ابھی اس دور کا خاتمہ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ قاہرہ مصر الغریبہ میں ان کی عظیم الشان اور محفوظ سلطنت قائم ہو گئی،

خلافت عباسیہ کی بنیاد دو عصبتوں پر قائم تھی، ایک تو عصبتِ عربیہ کا تعلق اُن عربوں سے تھا جو خلفائے عباسیہ کے دوست تھے، دوسری عصبتِ فارسیہ جو دعوتِ عباسیہ کے قائم کرنے والے تھے، خلفائے عباسیہ کا یہ قاعدہ تھا کہ جب ان دونوں فریقوں میں سے کسی فریق سے شبہ پیدا ہوتا تھا تو وہ اُسکے مقابل میں دوسرے فریق سے مدد لیتے تھے، یہاں تک کہ مامون بن رشید نے جس نے خالص ایرانی تربیت پائی تھی اور ایرانیوں ہی کے ذریعہ سے اپنے بھائی محمد امین پر غلبہ حاصل کیا تھا یہ مناسب سمجھا کہ وہ عصبتِ عربیہ کو مٹا کر اپنی بنیاد دوسری عصبت پر قائم کرے لیکن اس کا بھائی اسحاق بن معتمد خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے لیے ترکی غلاموں میں سے جن کو اس نے بہ کثرت جمع کر لیا تھا اپنے لیے ایک اور نئی عصبت قائم کی اور اسی کا ذریعہ سے خلافتِ عباسیہ کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا، متوکل بن معتمد نے ان سے رہائی حاصل کرنی چاہی لیکن اُس کے فرزند متصر کے اتفاق سے ترکوں نے اُس سے پہلے ہی اس کا خاتمہ کر دیا اور اس طریقہ سے معتمد نے جس اقتدار کے رگ و ریشہ کو قائم کیا تھا تمام خلفائے اُس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور خلافت کے قریب و بعید دونوں قسم کے لوگوں پر ترکوں کا اقتدار قائم ہو گیا، اور اُس ضعف نے مشرق میں متعدد امارتیں مثلاً اورائہ، ہرمین، دولت سامانیہ اور فارس میں دولت صفاریہ قائم کر دیں، اور

ابھی یہ دور ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ نبو بو یہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے خاندان کے لیے ایک سلطنت قائم کی یہاں تک کہ خود خلافت عباسیہ کے پایہ تخت بغداد پر قابض ہو گئے، اب نبو عباس کا نام ہی نام باقی رہ گیا اور نبو بو یہ اور ان کے عصبہ طیم کا اقتدار قائم ہو گیا،

یہ اس سلطنت کی سرگذشت ہے جس نے ۳۲۲ھ میں نبو اسیم کی عظیم الشان وراثت پر غلبہ حاصل کیا اور ابھی ۳۳۳ھ آیا بھی نہ تھا کہ خلافت کا نام ہی نام رہ گیا اور عرب کا اقتدار دوسری قوموں مثلاً ایرانی، ولیم، ترک اور بربر کی طرف منتقل ہو گیا اور محض کے زمانے سے فوجی و فترت میں ایک عرب بھی نہ رہ گیا،

## اس دور کی امتیازی خصوصیات

(۱) تمدن کی وسعت

ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا تو اس نے بغداد کو اس غرض سے آباد کیا کہ وہ تمام بلاد اسلامیہ کا پایہ تخت ہو اور اس نے اس میں جو قدرت اور اجوگی پیدا کی اس نے اس کو اس زمانے کے تمام شہروں سے ممتاز و فائق کر دیا جب اس کی تعمیر مکمل ہو چکی تو اس میں تمام شہروں کے علماء جمع ہو گئے، اور اسی طرح مختلف مذاق کے تاجر کارگیر اور ہر قسم کے لوگوں کا اجتماع ہو گیا اور ابھی اس کا زمانہ ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ وہ عروس البلاد اور سیدۃ البقاع بن گیا، اس کی آبادی دو ملین کے قریب ہو گئی اور وجہ کے کنارے پھیل گیا، چنانچہ اس کے مغربی کنارے پر منصور کا شہر اور مشرقی کنارے پر ہمدی کا شہر تھا اور اس کی تعمیر میں عربی، ایرانی اور رومی تینوں قسم کی عقل نے

شرکت کی تھی اس لیے ہر عقل کے اندر ایجاد و اختراع کی جو قدرت پوشیدہ تھی  
بغداد نے اس سے بہترین حصہ پایا تھا،

اگر تم مغرب کی طرف سے جزیرہ اندلس تک سلطنت اسلامیہ کی انتہا پر نظر  
ڈالو گے تو تم کو شہر قرطبہ ملیگا جو اندلس میں سلطنت امویہ کے بانی عبدالرحمان بن معاویہ  
کی زیر نگرانی بغداد کے مقابلہ کیلئے آمادہ نظر آئے گا، تم کو افریقہ میں شہر قیردان ملیگا  
جس نے افریقہ رومانیہ کے شہروں کی عظمت وراثت میں پانی اور ان کا حسن و جمال  
اس کی طرف منتقل ہو گیا، اس کے بعد تم کو مصر کا دار السلطنت فسطاط ملے گا جس کی  
عظیم الشان مسجد نے ان علماء کے حلقوں کو جمع کیا جنہوں نے اجتہاد و استنباط میں  
اپنی یادگار میں عظیم الشان نشانیاں چھوڑیں اور انھیں نے مختلف مذاہب کے  
ائمہ مجتہدین کی فقہ کو عام طور پر نمایاں کیا مثلاً اصحاب مالک میں ابن وہب اور  
ابن لایہ منا را صاحب شافعی میں ربیع اور مزنی جیسا کون ہے؟ جامع فسطاط ہی  
نے امام شافعی کے علم کو ظاہر کیا اور اصحاب ابی حنیفہ میں ابو جعفر طحاوی کے مثل  
کون ہے؟ اور یسب کے سب فسطاط کی یادگار ہیں بنی اور اس شہر کے مورخین نے  
جو کچھ لکھا ہے جو شخص اس سے واقف ہے اس کو معلوم ہے کہ علم تجارت اور صنعت  
میں اس کا تمدن بغداد سے کسی طرح کم نہیں ہے، پھر تم کو شہر دمشق ملیگا جس سے  
خلافت کی رونق اگرچہ زائل ہو گئی تاہم ہنر امیہ نے جس عظمت کا اسکو وارث بنا دیا  
تھا اس نے ہمیشہ اس کو محفوظ رکھا، کوثر و بصرہ ہمیشہ علماء و حکماء سے معمور ہے اور  
اگرچہ بغداد ان دونوں شہروں سے قریب تھا تاہم باوجود اپنی عظمت کے وہ ان دونوں کے  
چاند نہ ہو سکا کیونکہ بصرہ تجارت ہند کا سب سے بڑا مرکز اور کوثر عربی عنصر کا متعلق تھا

جب تم مشرق کی طرف توجہ کرو گے تو کم و بیش پور و غیرہ عظیم الشان شہر نظر آئیں گے، تمدن کے لیے تجارت، زراعت اور صنعت کے دائرے کی وسعت لازمی ہے اور اس دور میں یہ تمام چیزیں شباب کے درجہ کو پہنچ چکی تھیں، یہاں تک کہ اسلامی سطح تمام گزشتہ تمدنوں پر فخر کر رہی تھی کیونکہ وہ مختلف تمدنوں کا خلاصہ تھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فقہ پر اس کا عظیم الشان اثر پڑا ہے، کیونکہ ایسی حالت میں فقہ کے لیے مختلف مسائل کے وضع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان سے جواب مستطاب کر سکے۔

(۲) اسلامی شہروں میں علمی حرکت

پہلے دور کے آخر میں حرکت علمیہ کی ابتدا ہوئی اور اس دور میں اس نے عظیم الشان ترقی کر لی، کیونکہ منکرین عرب کے دماغوں میں قدیم تمدن کی شعاعیں پہنچ چکی تھیں جس کے دو سبب تھے،

پہلا سبب ہوالی یعنی غلام تھے، کیونکہ اسلام میں ایرانی رومی اور مصری غلاموں کی ایک عظیم الشان تعداد داخل ہوئی جن میں کچھ تو بچپن میں گرفتار ہوئے تھے اور اپنے مسلمان آقاؤں کی آغوش میں تربیت پائی تھی اس لیے جن علوم اسلامیہ کی بنیاد کتاب و سنت پر تھی ان سے انھوں نے ورثہ پائے تھے اور ان کو بہت کچھ سیکھ لیا تھا اور اپنے عربی نسل بھائیوں کے مقابل میں ان میں بڑے بڑے فرائد اور بڑے بڑے محدث پیدا ہو گئے تھے اور ان میں کچھ لوگ بڑے ہو کر حلقہ گوشت اسلام ہوئے تھے اور اس کا نتیجہ خیالات کا اختلاط اور عقل کی پختگی ہے،

یہ دور شروع ہوا تو سیاست مدین میں ان غلاموں کی حیثیت نہایت غلامانہ تھی، کیونکہ خلافت عباسیہ کی بنیاد ہی اُسے خراسانی اور عراقی غلاموں کے بل پر قائم ہوئی تھی

اور اس طرح وہ شریک سلطنت ہو گئے تھے اور اس طریقہ سے ان کا علمی اور سیاسی اثر  
مکمل ہو گیا تھا،

دوسرا سبب وہ فارسی اور رومی کتابیں تھیں جن کا ترجمہ عربی زبان میں  
پہلے دور کے آخرین ہونا شروع ہو گیا تھا اور اس دور میں ابو جعفر منصور کے زمانے  
سے جو عباسیوں کا دوسرا خلیفہ تھا اس کی طرف اور بھی زیادہ توجہ ہوئی اور تیسری صدی  
کی ابتدا میں مامون رشید کے زمانے تک جو یونانی علوم اور ارسطو کی ریون کا خاص طور پر  
شیدائی تھا اس میں اور بھی اضافہ ہو گیا،

یہ کتابیں خوب پھیلیں اور مامون کے زمانے میں کثرت سے جن متکلمین کا ظہور  
ہوا تھا ان کی معلومات کے پیدا کرنے کا غیر معمولی ذریعہ بن گئیں اور ان لوگوں نے  
محدثین کو تقریباً ان کے بلند پایہ سے گردینا چاہا، کیونکہ مامون ان کا جانبدار ہو گیا تھا  
اور اس جانبداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلق قرآن کا مسئلہ پیدا ہو گیا اور مامون نے اہل بیت  
کو ان کے عقیدے کی تبدیلی پر مجبور کرنا چاہا، چنانچہ اس نے رؤساء اہلحدیث کے متعلق جو  
خط محافظ بغداد کے نام ارسال کیا تھا جو شخص اسکو پڑھے گا اسکو معلوم ہوگا کہ اہلحدیث کے  
بارے میں متکلمین کی کیا رائے تھی؟ کیونکہ اس نے اس میں ایک ایک کا نام لیا تھا اور ان کے  
خیالات اور اخلاق پر نکتہ چینی کی تھی ہم کو اس میں ذرا برابر بھی تاثر نہیں ہے کہ بحیثیت  
خلیفۃ المسلمین ہونے کے ایک ایسے عقیدے میں مداخلت کرنا جس میں جمہور کی رائے مختلف  
تھیں اور اہل علم کے ایک گروہ کو خاص اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور کرنا مامون کی  
غلطی تھی، کیونکہ یہ آزادی خیال کی راہ میں ایک رکاوٹ تھی جس کے جوازی کوئی  
وجہ نہیں ہے، اہل حدیث نے بالاتفاق اس حرکت کلامیہ کے خلاف روش اختیار کی

اور جمہور نے بھی ان کا ساتھ دیا اس لیے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے، بجز ان باتوں کے جنکو اہل حدیث متکلمین سے نقل کرتے ہیں، متکلمین کے ساتھ ہمارے تعلقات بالکل منقطع نظر آتے ہیں، چنانچہ انھوں نے جو کچھ خود اپنے ہاتھوں سے لکھا ہم کو اس میں کوئی چیز نظر نہیں آتی، یا این ہمہ ان لوگوں نے اس دور کی عقلی فقہ کے میدان میں بہت کچھ تیز رفتاری سے کام لیا ہے، چنانچہ حدیث و قیاس کے متعلق ان لوگوں نے جو مناظرات کیے ہیں وہ آگے آئیں گے،

رؤسائے متکلمین میں مشہور تر لوگ عمرو بن عبیدہ المتوفی ۱۴۴ھ ابو اہذیل الحاکم المتوفی ۳۳۵ھ اور عمرو بن ابی خطا المتوفی ۲۵۵ھ ہیں

(۳) حفاظ قرآن کی تعداد میں اضافہ اور قرآن مجید کے ادا کرنے کی طرف توجہ اس دور میں حفاظ قرآن کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوا اور کاتبان قرآن کی طرح وہ تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے لیکن ہر ملک کے مسلمانوں نے صرف چند مشہور قرار کے تفویق کا عام طور پر اعتراف کیا جن کے نام یہ ہیں

(۱) مدینہ میں نافع بن ابی نعیم مولیٰ جعوفہ انھوں نے حضرت ابی بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی اور ۶۷ھ میں وفات پائی جن لوگوں نے اُن سے قرأت کی روایت کی اُن میں زیادہ مشہور عیسیٰ بن مینا الملقب بقانون المتوفی ۲۰۵ھ اور ابوسعید عثمان بن سعید المصری الملقب یورش المتوفی ۱۹۷ھ ہیں اور اکثر اہل مغرب انہی ابوسعید ہی کی قرات کے موافق قرآن پڑھتے ہیں

(۲) مکہ میں عبداللہ بن کثیر مولیٰ عمرو بن علقمہ یہ فارسی النسل ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی اور ۱۲۷ھ میں وفات پائی اور جن لوگوں نے اُن سے



قرأت کی روایت کی ان میں مشہور تر ابو الحسن احمد بن عبداللہ البغوی المتوفی ۲۵۵ھ  
اور ابو عمر محمد الملقب بہ قبیل المتوفی ۲۹۱ھ ہیں اور یہ دونوں ابن کثیر کے تلامذہ سے  
روایت کرتے ہیں

(۳) بصرہ میں ابو عمر بن العلاء المازنی یہ کا زرونی الاصل ہیں حضرت ابن عباسؓ  
کے تلامذہ سے تعلیم حاصل کی اور ۲۷۴ھ میں کوفہ میں وفات پائی، ان سے جن لوگوں نے  
روایت کی ان میں مشہور تر یحییٰ بن مبارک البزیری ہیں اور یحییٰ سے ابو عمر حفص بن  
عمر الدوری المتوفی ۲۷۶ھ اور ابو شعیب صالح بن زیاد السوسی المتوفی ۲۶۱ھ نے روایت  
کی ہے اور اکثر اہل سودان ابو عمر وہی کی قرأت کی تقلید کرتے ہیں

(۴) دمشق میں عبداللہ بن عامر انھوں نے حضرت عثمانؓ کے تلامذہ اور حضرت  
ابوالدرداءؓ سے تعلیم حاصل کی اور ۱۵۰ھ میں وفات پائی جن لوگوں نے ان کی قرأت  
کی روایت کی ان میں مشہور تر ابو الولید ہشام بن عمار الدمشقی المتوفی ۲۳۵ھ اور ابو عمرو  
عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان المتوفی ۲۴۲ھ ہیں اور یہ دونوں ابن عامر سے  
ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں

(۵) کوفہ میں

(۱) ابو بکر عاصم بن ابی الجوزی انھوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ،  
حضرت ابی بکرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی اور ۱۲۰ھ میں  
کوفہ میں وفات پائی جن لوگوں نے ان سے روایت کی ان میں مشہور تر شعبہ بن عیاش  
الکوفی المتوفی ۱۹۳ھ اور حفص بن سلیمان المتوفی ۱۸۵ھ ہیں اور مصری اور اکثر مالک اسلامیہ کے  
لوگ انہی کی روایت کے موافق قرأت کرتے ہیں

(۲) حمزہ بن حبیب الزبایہ حضرت علیؑ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عثمانؓ کے طریقہ سے تعلیم حاصل کی اور ۵۴ھ میں وفات پائی، جن لوگوں نے ان کی قرآن کی روایت کی ان میں مشہور تر خلف بن ہشام البزار المتوفی ۲۲۹ھ اور عیسیٰ بن خالد الملقب بخلاد المتوفی ۲۳۲ھ ہیں، اور انھوں نے حمزہ کے تلامذہ سے تعلیم پائی ہے،

(۳) ابو الحسن علی بن حمزہ الکسانی بنو اسد کے غلام اور فارسی نژاد ہیں، حمزہ بن حبیب سے تعلیم حاصل کی، اور ۸۹ھ میں وفات پائی، ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں مشہور تر ابو الحارث اللیث بن خالد المتوفی ۲۴۷ھ اور دوری ہیں، ابی عمرو بن العلاء کے راوی تھے،

یہی لوگ قرآن سبعہ کے نام سے مشہور ہیں اور اتقان و ضبط میں دوسروں سے فائق ہیں، ان کے بعد تین شخص اور مشہور ہیں جن کے نام یہ ہیں:

(۱) ابو جعفر یزید بن القتاع المدنی المتوفی ۳۱۵ھ اور ان کے راوی عیسیٰ بن ابی اور سلیمان بن جازین

(۲) یعقوب بن اسحاق الجعفی المتوفی ۳۵۷ھ اور ان کے راوی روایس اور روح بن

(۳) خلف بن ہشام البزار راوی حمزہ بن حبیب اور ان کے راوی اسحاق الوارثی اور ادیس الحدادی

ان سب کا مشترک نام قرآن عشرہ ہے، اور ان کے بعد چار قاری اور مشہور ہیں جن کے نام یہ ہیں:

(۱) محمد بن عبد الرحمن المکی المعروف بابن محصین ان کے راوی ابن کثیر کے راوی

نہری اور ابو الحسن بن شبنوذہین

(۲) یحییٰ بن مبارک البہریدی راوی ابو عمر بن العلاء اور ان کے راوی سلیمان بن اکرم اور احمد بن فرح ہین،

(۳) حسن بن ابی الحسن البصری فقیہ اور ان کے راوی شجاع بن ابی نصر البخی اور ابی عمرو بن العلاء کے راوی دوری اور کسائی ہین

(۴) اعش سلیمان بن ہمر اور ان کے راوی حسن بن سعید المطوعی اور ابو الفرج الشیخی  
الشمطوی ہین لیکن ان چاروں قاریوں کی قرأتیں متواتر نہیں تسلیم کی گئیں اس لیے  
ان کو شاذا مانا گیا ہے

حضرت عثمان کے زمانے میں جو مصاحف لکھے گئے، ان سے چند ہی باتوں  
میں یہ قرأتیں مختلف ہین اور یہ دور ابھی ختم بھی نہیں ہوئے یا تھا کہ مذہبی علوم میں قرأت  
ایک متقل علم بن گیا، اور علمائے قرأت اس میں ایسی کتابیں تالیف کرنے لگے جنکو  
اس کے طرز ادا اور روایت سے تعلق تھا،

(۴) اندوین حدیث

علم حدیث کیلئے یہ دور ایک بہترین دور تھا کیونکہ اس میں روایت حدیث نے  
اس کی تصنیف و تدوین کی ضرورت کو محسوس کیا، اور اسکی تصنیف کے یہ معنی تھے  
کہ ایک ہی قسم کی حدیثوں مثلاً نماز اور روزے وغیرہ کی حدیثوں کو باہم ایک ہی سلسلے  
میں جوڑ دیا جائے، یہ خیال تمام اسلامی شعروں میں قریب قریب ایک ہی زمانے میں  
پیدا ہوا، بیان تک کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اسکے تقدم کا شرف کسکو حاصل ہوا لیکن اس  
دور کے طبقہ اولی کے مدوینین میں، مدینہ میں امام مالک بن انس، مکہ میں عبد الملک بن

عبدالعزیز بن جریج کوفہ میں سفیان ثوری بصرہ میں حماد بن سلمہ اور سعید بن ابی عروبہ  
 واسط میں شیم بن بشیر شام میں عبدالرحمن اذاعی مین میں معمر بن راشد خراسان میں  
 عبداللہ بن مبارک اور رے میں جریر بن عبد الحمید تھے، اور یہ کچھ اد پرست ۱۲۷ھ کا  
 زمانہ تھا اور ان کتابوں میں حدیث جیسا کہ ہم کو موطاے امام مالک میں نظر آتا ہے  
 صحابہ اور تابعین کے اقوال کے ساتھ مخلوط تھی، لیکن ان لوگوں کے بعد دوسری  
 صدی کے آغاز میں دوسرے طبقہ کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 حدیث کو اور لوگوں کے اقوال سے الگ کرنا مناسب سمجھا اور وہ کتابیں تالیف  
 کیں جو مسانید کے نام سے مشہور ہیں مثلاً مسند عبداللہ بن موسیٰ کوئی مسند مدین منورہ مصری  
 مسند اسد بن موسیٰ المصری مسند شیم بن حماد الخزازعی مسند اسحاق بن راہویہ مسند عثمان  
 بن ابی غنیبہ اور مسند امام احمد بن حنبل، ان لوگوں نے احادیث کو ان کے راویوں کے  
 مسانید میں درج کیا مثلاً مسند ابوبکر صدیق کا ذکر کرتے ہیں تو اُس میں ان تمام روایتوں  
 درج کرتے ہیں جو اُن سے مروی ہیں اُس کے بعد اسی طرح ایک ایک صحابی کا ذکر  
 کرتے ہیں، اور ان تمام مسانید میں ہم تک صرف مسند امام احمد بن حنبل پہنچ سکا ہے  
 اس طبقہ کے بعد دوسرا طبقہ پیدا ہوا اور اُس نے اپنے سامنے اس عظیم الشان  
 ذخیرے کو دیکھا تو اس نے اپنے لیے انتخاب کا دروازہ کھولا اور اس طبقہ کے سرخیل  
 امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری الجعفی المتوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم بن الحجاج  
 النیشاپوری المتوفی ۲۶۱ھ ہیں جنہوں نے روایت و انتخاب میں نہایت چھان بین  
 کرنے کے بعد اپنی صحیحین کو تصنیف کیا ہے، اس لیے اس معاملہ میں وہ انتہائی درجہ کو  
 پہنچ گئے ہیں، ابوداؤد و سلیمان بن الأشعث السجستانی المتوفی ۲۵۵ھ ابوعلی

محمد بن عیسیٰ السلمی الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، ابو عبد اللہ محمد بن تبریذ القزوینی المعروف  
 بابن ماجہ المتوفی ۲۶۳ھ اور ابو عبد الرحمن احمد بن شعب النسائی المتوفی ۳۲۰ھ  
 نے بھی انہی کی تقلید کی ہو، اور الحدیث کی زبان میں ان کی کتابیں کتب ستہ کے  
 نام سے مشہور ہیں، اور چونکہ ان کے بالخصوص بخاری اور مسلم کے رواۃ نہایت مستند  
 ہیں، اس لیے ان کتابوں نے مسلمانوں میں عظیم الشان اعتبار کا درجہ حاصل کر لیا  
 ہے لیکن صرف انہی لوگوں نے حدیث میں کتابیں تصنیف نہیں کیں بلکہ ان کے  
 پہلو میں بہت سے لوگ اور بھی ہیں لیکن جو نہایت ان لوگوں کو حاصل ہوئی وہ اور  
 لوگوں کو حاصل نہ ہو سکی

✓ اس دور کے لوگوں میں کچھ لوگ اور تھے جن کا طبع نظریہ تھا کہ تابعین اور  
 تابعین کے بعد جو رواۃ حدیث ہیں ان کے حالات سے بحث کر دین اور ان  
 لوگوں میں ہر شخص کے ضبط، اتقان، عدالت یا ان کے خلاف اوصاف کو بیان  
 کر دین، یہ لوگ رجال جرح و تعدیل کے نام سے مشہور ہیں اور یہ لوگ جس شخص  
 کی تعدیل کرتے ہیں اس کی روایت قبول کر لی جاتی ہے، اور جس شخص پر جرح  
 کرتے ہیں، اس کی حدیث کو چھوڑ دیا جاتا ہے، اور کبھی کبھی اس معاملے میں ان کے  
 درمیان اختلاف بھی ہو جاتا ہے، بہت سے رواۃ ہم کو ایسے ملتے ہیں جنکی تعدیل ضبط  
 اور اتقان پر اتفاق عام ہے، اور یہ روایت کا سب سے بلند درجہ ہے، اور بہت سے  
 رواۃ ایسے ہیں جنکے چھوڑ دینے پر اتفاق عام ہو گیا ہے، اور روایت کا یہ سب سے  
 پست درجہ ہے، اور ان دونوں کے درمیان بہت سے مدارج ہیں جن میں بعض  
 بعض سے کم درجہ کے ہیں اور بعض اسناد سورج کی طرح روشن ہیں جن کے رواۃ کی

صدائق پر سننے والا تقریباً کامل یقین نہیں رکھتا ہے اور بعض اسناد اس سے کم درجہ کی ہیں، الغرض اس دور میں علم حدیث ایک متقل فن بن گیا اور بہت سے لوگ جن کو اگرچہ فقہ اور استنباط میں اقدار تام حاصل نہ تھا، تاہم وہ صرف اسی حدیث ہی کے ہو کر رہ گئے،

(۵) مادہ فقہ میں نزاع

اس دور کے فقہاء کے درمیان ان اصول کے متعلق سخت نزاع پیدا ہو گئی جن سے احکام مستنبط کیے جاتے ہیں اور اس نزاع کی جو سرگزشت ہم تک پہنچی ہے ہم سب کو انتقضاء کے ساتھ بیان کرنے ہیں

(۱) حدیث کے متعلق نزاع

گزشتہ دوروں میں حدیث فقہ کا ایک بنیادی اصول خیال کی جاتی تھی اور مفتی لوگ فتویٰ دینے کیلئے جب قرآن مجید کی کوئی نص نہیں پاتے تھے تو حدیث ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، لیکن طول زمانہ اور دواۓ حدیث کی کثرت اور جھوٹی حدیثوں کی اشاعت نے اس میں بہت سے اختلافات پیدا کر دیئے یہاں تک کہ جو شخص استنباط احکام کرنا چاہتا تھا، وہ حدیث کے سمجھنے اور اس سے حکم کے مستنبط کرنے سے پہلے اپنے سامنے صحیح حدیث کی تحقیق کی ایک سخت چٹان پاتا تھا، اور اس نے دوسرے کڑی اور اصولی نزاعیں پیدا کر دیں

یعنی یہ کہ

(۱) حدیث فقہ اسلامی کی کوئی اصل اور قرآن مجید کی تکمیل کرنے والی

ہے یا نہیں؟

(۲) اگر ہم اُسکو ایک اصل تسلیم کر لیں تو اُس پر اعتماد کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ پہلے نقطہ خیال سے ایک جماعت نے کلیتہً حدیث کا انکار کر دیا اور صرف قرآن مجید کو کافی خیال کیا، چنانچہ امام شافعی نے اپنی کتاب ام کے ساتویں حصے میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان یہ ہے

”اُس جماعت کے اقوال کے بیان کرنے کا باب جس نے تمام حدیثوں کو رد کر دیا“

اور اُنھوں نے اس جماعت کے قول اور اُن کے استدلال کو انہی میں سے ایک شخص کی زبانی اس طرح بیان کیا ہے،

”تم عربی ہو اور قرآن اُن لوگوں کی زبان میں نازل ہوا ہو جن میں تم خود ہو اور تم کو وہ خوب یاد ہے اور اُس میں خداوند تعالیٰ نے اپنے چند فرامین نازل کیے ہیں اگر کوئی شخص صیبر قرآن مشتبہ ہو گیا ہو اُن کے ایک حرف میں بھی شک کرے تو تم اس سے توبہ کا مطالبہ کرو گے، اور اگر اس نے توبہ نہ کر لی تو بہت رہے، ورنہ تم اُسکو قتل کر دو گے، قرآن مجید کے بارے میں خود خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے (ببینا لک الشئی) یعنی وہ ہر چیز کی وضاحت ہے ایسی حالت میں تمھارے یا اور کسی شخص کے نزدیک یہ کیونکر جائز ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جس چیز کو فرض کر دیا اس کی نسبت کبھی یہ کہے کہ یہ فرض غلط ہے؟ کبھی یہ کہ وہ خاص ہے، کبھی یہ کہ اس امر میں فرضیت ہے اور اس امر میں استحباب ہے، اور اس قسم کے فرق اور بھی بہت سے ہیں“

تمھارے پاس ایک حدیث با دو حدیث یا تین حدیثیں ہوتی ہیں جنکو تم ایک آدمی سے پھر دوسرے سے پھر تیسرے سے روایت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہو، اور میں نے تم کو اور تمھارے ہم مذہب لوگوں کو پایا ہے کہ تم نے جس سے

ملاقات کی اور حفظ و صداقت میں اُس کو مقدم سمجھا اور فقار سے ملنے والوں میں سے  
 خود جس سے ملا تم اُن میں سے کسی کو حدیث میں غلطی اور بھول چوک سے بری نہیں کہتے  
 بلکہ میں نے تم کو اُن میں متعدد اشخاص کی نسبت یہ کہتے ہو جو بابا ہے کہ غلان نے اس  
 حدیث میں اور غلان نے اس حدیث میں غلطی کی اور میں نے تم کو یہ کہتے ہو جسے پایا ہو  
 کہ اگر کوئی شخص ایسی حدیث کی نسبت جس کے ذریعہ سے تم نے کسی چیز کو حلال و حرام  
 بتایا ہے یہ کہ یہ علم خاصہ سے ہے رسول اللہ ﷺ نے اُس کو نہیں فرمایا ہے صرف  
 تم نے یا اس شخص نے غلطی کی ہے جس نے تم سے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور تم نے  
 جھوٹ کہا ہے یا اُس شخص نے جس نے تم سے اس حدیث کی روایت کی ہے "تو تم اس  
 تو بہ کا مطالبہ نہیں کرتے اور اس سے زیادہ اس کو نہیں کہتے کہ "تم نے کس قدر بُرا کہا"  
 تو کیا یہ جائز ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید کے احکام اور اس کے ظاہر میں ایسے شخص کے  
 نزدیک تفریق کرے جس نے اسکو ایسے شخص سے سنا ہے جسکی حالت وہ ہے جسکو تم نے  
 بیان کیا ہے اور اُن کی احادیث کو تم کتاب اللہ کے قائم مقام قرار دیتے ہو اور اُن سے  
 حلال و حرام کرنے میں مدد لیتے ہو

لیکن جب تم نے ان کی احادیث کو قبول کر لیا اور اُن میں ایسے لوگ ہیں جن کی احادیث  
 کے قبول کرنے کی نسبت فقہارِ معاملہ وہ ہے جسکو میں نے بیان کیا اور جس شخص نے اُن کو  
 رد کر دیا اُن کی نسبت فقہاری کیا حجت ہے وہ میں اُن احادیث میں سے کسی کو قبول نہیں  
 کرتا جبکہ اس میں وہم کا امکان ہے اور میں صرف اُسکو قبول کرتا ہوں جبکہ ذریعہ سے  
 خدا پر گواہی دوں جیسا کہ اس کی اس کتاب پر گواہی دیتا ہوں جس کے ایک حرف میں  
 بھی کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہیں بلکہ یہ جائز ہے کہ ایک چیز کو حاوی قرار دیا جائے



اور وہ اسکی سنوارا نہوا

اس قول کے بیان اور اُس کے استدلال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص اس کا قائل ہو، وہ صرف اُن احادیث کو رد کرتا ہے، جو مفید یقین نہیں کیونکہ اُن کے راویوں میں غلطی اور بھول چوک کا امکان ہے، لیکن وہ حدیث کا سن حدیث الحدیث انکار نہیں کرتا یہاں تک کہ اگر وہ ایسے طریقے سے ثابت ہو جائیں جو مفید یقین ہوں جیسا کہ متواتر حدیثیں ہوتی ہیں تو وہ اُن کو قبول کر لے گا لیکن اس مذہب کی ترویج کے سلسلے میں اس نے ایک ایسی تصریح کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسی جماعت بھی ہے جو حدیث کو سن حدیث الحدیث مردود قرار دیتی ہو اور ایک جماعت نے حدیث کا صرف اس صورت میں انکار کیا ہے جب وہ نص قرآن کا بیان نہ ہو چنانچہ وہ کہتا ہے،

”کچھ لوگوں نے اس میں دو مذہب اور اختیار کیے ہیں ایک فرق اُس صورت میں جب قرآن مجید میں بیان موجود ہو کسی حدیث کو قبول نہیں کرتا، تو میں نے کہا کہ اس کے لیے اس کا لازمی نتیجہ کیا ہوگا؟ اس نے جواب دیا کہ اس نے اسکو ایک بہت بڑے نتیجہ تک پہنچا دیا اور اُس نے یہ کہہ دیا کہ جس شخص نے ایسا عمل کیا جیسے نازک یا کم از کم نزاکہ کا لفظ بولا جا سکتا ہے، اس نے اپنا فرض ادا کر دیا اس کیلئے کوئی وقت نہیں ہے گودہ ہر دن کو دور کھٹ پڑھے یا پورے رات نے میں دو گھنٹیں پڑھ لے اس کا یہ بھی قول ہے کہ جو چیز قرآن مجید میں نہ ہو وہ کسی پر فرض نہیں ہے، اور اس فرق کے علاوہ دوسرا فرق جو یہ کہتا ہے کہ جو چیز قرآن مجید میں موجود ہو اسی کی نسبت حدیث قبول کی جائیگی وہ بھی اس چیز کے متعلق جو قرآن مجید میں موجود نہیں ہے، قریب قریب فرق اول ہی ہے ہم نے اسے اسکو بھی فرق اول کے نتیجہ یا اسی کے قریب نتیجہ کا قائل ہونا پڑا،

بلکہ اس پر یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ حدیث کے انکار کے بعد بھی اُس نے اسکو قبول کر لیا  
ہم اور وہ ناسخ منسوخ اور خاص و عام کو نہیں تسلیم کرتا اور اس نے غلطی کی

امام شافعی فرماتے ہیں کہ ان دونوں مذاہب کا طریقہ لکرا ہی واضح ہے لیکن  
امام شافعی نے ہمارے لیے اس دے کے قائل کی شخصیت کو نمایاں نہیں کیا اور تاج  
بھی ہسکو اس کا بہت نہیں دیتی تاہم امام شافعی نے اپنے اس مناظرے میں جو صحابہ <sup>الہیہ</sup>  
کے ساتھ ہے، اور جو آگے آئے گا، یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص اس مذہب کا قائل ہو  
وہ بصرہ کی طرف منسوب ہے، اور بصرہ ہی ایک ایسا شہر ہے جو علم کلام کی تحریک  
کا مرکز تھا اور معتزلہ کے مذاہب نے وہیں نشوونما پائی اور کیا معتزلہ و مہنفین معتزلہ ہیں  
پیدا ہوئے، یہ لوگ اہل حدیث کی مخالفت میں مشہور تھے، اس لیے غالباً اس  
قول کا قائل انہی لوگوں میں سے تھا، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ المتوہی <sup>بن قتیبہ</sup>  
کی کتاب تاویل مختلف حدیث کی بعض تصریحات سے بھی میرے نزدیک اس  
خیال کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ اس کتاب کی ابتدا میں انھوں نے لکھا ہے کہ  
”خداوند تعالیٰ اپنی طاعت سے تم کو سعادت مند بنائے، اپنی حفاظت کے ساتھ  
تم کو محفوظ رکھے، اپنی رحمت سے تم کو حق کی توفیق دے اور تم کو اہل حق بنائے کہ  
ان معائب سے جو اہل کلام اہل حدیث پر لگاتے ہیں اُن کی تحقیر اور اپنی کتابوں  
میں طوالت بیانی کے ساتھ اُن کی جو کرتے ہیں اُن پر جھوٹ اور منافض و تضاد  
کے کرنے کا اہتمام لگاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اختلاف پیدا ہوا، کثرت سے  
مذاہب نکلے، فرقہ بندیان ہوئیں، مسلمانوں میں باہم دشمنی ہو گئی، ایک نے دوسرے  
کو کافر بنایا اور ہر فرقہ نے اپنے مذہب کی ایک قسم کی حدیث سے تائید کی تھی

واقف ہو کر بذریعہ تحریر کے مجھ کو اطلاع دی "اس کے بعد مختلف فرقے جن حدیث سے  
 استدلال کرتے ہیں ان کو بیان کیا ہے، پھر اہلسنت کے خلاف نہایت سخت  
 اعتراضات ایسے الفاظ میں نقل کیے ہیں جو نظام اور جاحظ جیسے بلغا، متکلمین کی  
 عبارت سے مشابہت رکھتے ہیں اس کے بعد دوسرے باب میں متکلمین پر خود اعتراض  
 کیا جو اور ان پر عیب لگایا ہے کہ یہ لوگ باوجودیکہ قیاس اور آلات نظر کی فراہمی کا  
 دعویٰ رکھتے ہیں لیکن وہ باہم خود تمام لوگوں سے زیادہ اختلاف رکھتے ہیں چنانچہ  
 ابو العزیز علاق نظام کی مخالفت کرتا ہے، بخاران و دون کا مخالف ہے، ہشام  
 بن الحكم ان سب سے اختلاف رکھتا ہے اور ثمامہ بن اشرس کا بھی یہی حال ہے،  
 ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو دین کے متعلق ایک مذہب نہ رکھتا ہو، جس کو اس نے  
 اپنی رائے سے قائم کیا ہے اور چند لوگ اس کی تقلید کرتے ہیں، اس کے بعد نظام  
 کا ذکر نہایت بڑے الفاظ میں کیا ہے اور خود اس کے اصحاب نے اس پر جو عیب لگائے  
 ہیں ان کو گنایا ہے، اور اس کے وہ فقہی مسائل بیان کیے ہیں جنہیں اس نے اجتماع  
 کی مخالفت کی ہو، مثلاً اس کے نزدیک نیت کرنے کے بعد کناہ کے الفاظ سے طلاق واقع  
 نہیں ہوتی، اور بنید سے کسی حالت میں وضو نہیں ٹوٹتا اور فقہاء صحابہ میں کہا کہ معتبر یہ ہے  
 نظام نے جو عیب لگایا ہے اس کا ذکر کیا ہے اس کے بعد ابو العزیز اور عبید اللہ بن  
 قاضی بصرہ کا جس کا یہ قول ہے کہ ہر مجتہد کی رائے صحیح ہوتی ہے، یہاں تک کہ اصول  
 میں بھی اس کی صحت قائم رہتی ہے اسی بڑائی کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد  
 اصحاب الراے اور ان کے معائب کا ذکر کیا ہے اور امام ابو حنیفہ سے اس کی ابتدا کی اور  
 ان کے چند مسائل بیان کیے ہیں جن میں انھوں نے تفصیل کی مخالفت کی ہے، پھر

جا خط کے متعلق گفتگو کی ہے، اور اس نے اہلسنت کی جو تفتیش کی ہے اور ان کی دینوں کی جو منہسی اڑائی ہے، ان کا ذکر کیا ہے، پھر اصحاب حدیث کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کے بہترین اوصاف جن کے ساتھ مسلمان متصف کیے جاسکتے ہیں بیان کیے ہیں اس کے بعد کہتا ہے کہ ”معتز ضیین اُن پر یہ عیب لگاتے ہیں کہ وہ ضعیف اور غریب روایتیں کرتے ہیں حالانکہ مرصن اصہبی ہی میں ہوتا ہے لیکن اُن لوگوں نے ضعیف اور غریب کی روایت اس لیے نہیں کی کہ وہ لوگ اُن کو حق سمجھتے تھے، بلکہ ان لوگوں نے نیک و بد اور صحیح و سقیم سب کو اس لیے جمع کر دیا تاکہ اُن کے درمیان تمیز کریں اور اُن کا حق لکھیں اور انھوں نے ایسا کر بھی لیا“ اس کے بعد اُس مقصد کا ذکر کیا ہے جس کے لیے یہ کتاب تصنیف کی ہے، یعنی اُن احادیث کا جواب دینا جنکو مشکوٰۃن باہم خود متناقض خیال کرتے ہیں یا یہ کہ وہ قرآن مجید کے مناقض ہیں،

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانے میں امام شافعی نے اپنا رسالہ لکھا یا اُس سے کسی قدر پہلے مشکوٰۃن نے اہلسنت پر عام غارتگری کر دی تھی جن میں اکثر بصرہ میں رہتے تھے، اس لیے یقینی ہے کہ جس نے امام شافعی سے مناظرہ کیا تھا وہ انہی لوگوں میں سے تھا، لیکن اصحاب حدیث کی قوت سے ٹکرا کر یہ رائے نمایاں نہیں ہونے پائی اور قرآن مجید کے بعد بحیثیت ایک فقہی اصل کے حدیث پر اکتفا کرنے کا مذہب غالب رہا، لیکن اس مذہب کے لوگوں کے درمیان یہ بھی اختلاف پیدا ہو گیا کہ حدیث کس طریقہ سے قابل اعتماد قرار دی جاسکتی ہے، بعض لوگوں نے خاص خاص اشخاص کی حدیث کو مردود قرار دیا، اور فقہاء کی زبان میں اسی کو خبر واحد کہتے ہیں اور اسی سے یقین نہیں حاصل ہوتا،

جو لوگ اس رائے کی حمایت کرتے ہیں ان کی زبان سے امام شافعی فرماتے ہیں  
 "کسی حاکم اور کسی مفتی کیلئے یہ جائز نہیں کہ احاطہ کی حیثیت کے سوا وہ فتوے دے  
 اور فیصلہ کرے اور احاطہ کے معنی یہ ہیں کہ ہر علم وہ ظاہر و باطن میں حق ہو اس کے  
 ذریعہ سے خدا پر گواہی دیا جاسکتی ہو اور یہ صرف قرآن ہے متفق علیہ حدیث ہے  
 اور وہ چیز جس پر تمام لوگوں نے اتفاق کیا ہو اور باہم مختلف نہیں ہوے ہیں تو حکم ایک  
 ہو اور ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کی صحت وہی باتیں مابین جن کو ہم نے بیان  
 کیا ہے مثلاً یہ کہ ظہر کی چار رکعتیں ہیں کیونکہ اس میں کوئی نزاع نہیں ہو کوئی مسلمان  
 اس کی مخالفت نہیں کرتا اور کوئی شخص اس میں شک نہیں کر سکتا"

اس کے بعد انھوں نے واجب الاتباع علم کو چند اقسام میں منقسم کر کے  
 اپنی غرض کو واضح کیا ہے

(۱) عام طور پر لوگوں نے عام طور پر لوگوں سے اسکو نقل کیا ہو اس کے ذریعہ سے  
 خدا اور اس کے رسول پر گواہی دیا جاسکے مثلاً تمام فرائض  
 (۲) کتاب جو تاویل کا احتمال رکھتی ہو اس لیے اس میں اختلاف کیا جاسکے  
 لیکن جب اس میں اختلاف کیا جائیگا تو وہ اپنے ظاہر اور عام معنی پر قائم رہے گی  
 اور اس معنی کو کسی باطنی معنی کی طرف گواہی اس میں اس کا احتمال ہو مگر لوگوں کے  
 اجماع کے نہ پھیرا جائیگا لیکن جب لوگوں میں اختلاف ہو جائے گا تو وہ اپنے  
 ظاہر معنی پر باقی رہے گی

(۳) وہ جس پر مسلمانوں نے اتفاق عام کر لیا ہو اور اپنے سے پہلے لوگوں کے  
 اتفاق کو بھی بیان کیا ہو اگرچہ یہ لوگ ایسا قرآن و حدیث سے نہیں کہتے تاہم

یعنی  
 خراج احادیث  
 مثلاً مشہور  
 یا متواتر

یہ میرے نزدیک متفق علیہ حدیث کا قائم مقام ہے کیونکہ یہ اتفاقِ رائے سے نہیں ہو سکتا،  
اس لیے اگر رائے ہوتی تو اس میں اختلاف کیا جاتا،

(۴) خبرِ احاد اور اس سے اسی وقت حجتِ پکڑی جاسکتی ہے جب اس کی  
روایت ایسے طریقہ سے ہو جو غلطی سے محفوظ ہو،

تو حدیث کے متعلق اس رائے کا حاصل یہ ہے کہ اس سے صرف اس  
حالت میں دلیل لاسکتے ہیں جب وہ متواتر ہو، اور اسکو عام طور پر لوگ عام طور پر  
سے روایت کریں تاکہ وہ غلطی سے محفوظ ہو، لیکن پہلی رائے کی طرح جمہورِ اسلامی نے  
اسکو بھی مردود قرار دیا ہے، بعض لوگوں کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
کوئی روایت صرف اس صورت میں قبول کی جاسکتی ہو جبکہ اسکو عام طور پر لوگ عام طور پر  
روایت کریں اور فقہاءِ ائمہ متفقہ اس پر عامل ہوں اور اس نے پہلی وجہ پر ایک  
تیسری وجہ کا ایک اضافہ اور یہ کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا  
کوئی صحابی آپ کے کسی فیصلہ کی روایت کرے اور کوئی دوسرا صحابی اسکی مخالفت  
نہ کرے تو ہم اس سے دو باتوں پر استدلال کریں گے، ایک تو یہ کہ اس نے صحابہ کی عجمت  
میں اس حدیث کی روایت کی دوسری یہ کہ اسکی مخالفت کسی دوسری حدیث سے  
انھوں نے اسکی تردید اس لیے نہیں کی کہ وہ جانتے تھے کہ یہ حدیث ویسی ہی ہے  
جیسے کہ وہ روایت کرتا ہے، اس لیے وہ عام صحابہ کی حدیث قرار پائے گی

فقہائے عراق یعنی امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا رجحان اسی طریقہ کی طرف ہے  
اور امام ابو یوسف نے سیرالذراعی کی تنقید میں جو کتاب لکھی ہے اور امام شافعی  
نے کتاب الام میں جسکی روایت کی ہے، اس کے باب "سوار اور پیادہ کے حصہ"

مالِ غنیمت میں "اسی معنی کی توضیح کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ تم صرف اس حدیث کو جو عام طور پر لوگوں کو معلوم ہو، اور شاذ حدیث کو چھوڑ دو کیونکہ ہم سے ابن ابی کریم نے، انھوں نے ابو جعفر سے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے یہود کو بلایا اور انھوں نے آپ سے حدیث بیان کی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹا بندھا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھ گئے، اور لوگوں کے سامنے خطبہ دیا کہ عنقریب مجھ سے حدیث پھیلے گی تو میری جو حدیث قرآن کے مطابق تم کو ملے وہ تو میری حدیث ہو لیکن جو قرآن کے مخالف ہو وہ میری حدیث نہیں، اسعر بن کرام اور حسن بن عمارہ نے عمرو بن مرہ سے، انھوں نے بختری سے، اور انھوں نے علی بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جب تمھارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آئے تو یہ خیال کرو کہ وہ بہت زیادہ ہدایت کرنے والی بہت زیادہ صاف اور بہت زیادہ زندہ کرنے والی ہے، اشعث بن سوار اور اسماعیل بن ابی خالد نے شعبی سے، اور انھوں نے قرظہ بن کعب انصاری سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں انصار کے ایک گروہ میں کوفہ کی طرف چلا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پایادہ ہماری مشالیت کی، یہاں تک کہ ہم ایک مقام پر جس کا انھوں نے نام بتایا ہو بچے تو انھوں نے فرمایا کہ اے گروہ انصار! تم کو معلوم ہے کہ میں تمھارے ساتھ کیوں پایادہ آیا؟ ان لوگوں نے کہا "ہاں ہمارے حق کی وجہ سے" بولے تمھارا حق یہی ہو لیکن تم ایسی قوم کے پاس جاتے ہو جن کے یہاں شہد کی طرح قرآن کی گنگناہٹ ہے تو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم روایت کرو

اور میں تمہارا شریک ہوں قرظہ نے کہا کہ میں کبھی رسول اللہ ﷺ سے کوئی روایت نہ کروں گا۔  
 ہم کو روایات سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ دو گواہوں کے بغیر رسول اللہ ﷺ  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے اور اگر کتاب طویل نہ ہو جاتی تو  
 میں تمہارے لیے بسند حدیث بیان کرتا، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی کو قبول نہیں کرتے تھے، روایتیں بہت زیادہ بڑھتی جاتی  
 ہیں ایسی روایتیں نکلتی آتی ہیں جو نامعلوم ہیں، اہل فقہ ان کو نہیں جانتے اور وہ کتاب  
 وسنت کے موافق نہیں ہیں تو تم شاید حدیث سے احتراز کرو اور وہ حدیث لاہر چھٹ  
 کا اتفاق عام ہے اور اس کو فقہاء جانتے ہیں، تو اور چیزوں کو اسی پر قیاس کرو اور جو  
 چیز قرآن کے مخالف ہو گواہ اس کی روایت کی جائے لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی حدیث نہیں ہے، ہم سے سب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت  
 کی ہے کہ آپ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ میں صرف اس چیز کو حرام کرتا ہوں  
 جس کو قرآن نے حرام کیا ہے خدا کی قسم وہ لوگ کسی چیز سے مجھ پر تمسک نہ کریں، تو میں  
 قرآن اور مشہور حدیث کو تمہارا امام اور رہنما بنانا ہوں اس کا اتباع کرو اور قرآن و حدیث  
 میں جس چیز کی توضیح نہ کی گئی ہو وہ اگر ٹپش آئے تو اسی پر قیاس کرو، لیکن اہل تشیع نے  
 اس رائے پر نکتہ چینی کی ہے اور اس کو رد کیا ہے، اور جمہور اہل حدیث بھی اس کے  
 مخالف ہیں

اس مسئلہ میں ایک تیسری رائے بھی ہے جس کا امام مالک اور ان کے اصحاب نے  
 اختیار کیا ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ حدیث دو طریقوں سے ثابت ہوتی ہے ایک اس تو یہ کہ  
 سہ مشہور ہو کہ وہ راویوں سے قسم لیتے تھے اور ہم اوپر اس کو لکھ آئے ہیں



ائمہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے اقوال اُس کے موافق ہوں (امام مالک اسی کی نسبت کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اسی پر عمل ہے، دوسرے یہ کہ ہم لوگوں کو اس میں غلطی نہ پائیں) (امام مالک اسی کی نسبت کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس پر اتفاق عام ہے، لیکن اگر ہم اس حدیث کی نسبت ائمہ صحابہ کا کوئی قول نہ پائیں، اور اس میں لوگوں کا اختلاف پایا جائے تو اس کو رد کر دیں گے، غرض اُن کے نزدیک تحقیق حدیث کا اصول یہ ہے کہ اہل مدینہ اُس پر عمل کریں اور اُن کو اُس پر اتفاق ہو، امام مالک نے اہل مدینہ کے عمل اور فقہائے مدینہ کے اتفاق کو اس قدر اہمیت دی ہے جس نے اُن کے اعتبار کے ساتھ اعتماد حدیث کے وسائل میں ایک اور وسیلے کا اضافہ کر دیا اور امام شافعی نے اس مذہب کی اصل اور اسکی تطبیق دونوں پر نہایت تفصیل کے ساتھ تنقید کی ہے میں اس موقع پر اپنے دور بلکہ تمام ملکوں کے فقہاء کے سردار لیث بن سعد فقیہ مصر کا ایک خط درج کرنا چاہتا ہوں جسکا اٹھنوں نے اپنے بھائی مالک بن انس کے نام لکھا ہے اور اہل مدینہ کے عمل پر اعتماد کرنے کی حیثیت سے اُن پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں انکی تفصیل کی ہے، یہ خط، ایک خط کا جواب ہے جسکو امام مالک نے اُن کے نام لکھا ہے لیکن ہم اس خط سے واقف نہ ہو سکے، البتہ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف بن یزید کی کتاب اعلام الموقعین میں ہم کو اس کا جواب ملا ہے، جسکا اٹھنوں نے ابو یوسف یعقوب بن سفیان الفسوی کی کتاب التاریخ والمعرفت سے نقل کیا ہے،

امام لیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

”سلام علیک! میں بخاری طرہ اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے  
اس کے بعد خدا ہم کو اور تم کو معاف کرے اور دنیا و آخرت میں ہماری عافیت کو بہتر بنائے“

مجھے تھا ارادہ خطاطی میں تم نے اپنی حالت کی بہتری کا جو مجھے مسرور کرتی ہو ذکر کیا ہو  
خداوند تعالیٰ اس کو تمھارے لیے ہمیشہ قائم رکھے اور اپنی شکر پر مدد کرنے کے ساتھ  
اس کو پورا کرے اور اپنے احسان کو اور بڑھائے اور میں نے جو خطوط تم کو بھیجے ہیں ان پر نظر  
کرتے اور انکے قائم رکھنے اور ان پر اپنی ہر لگانے کا تم نے تذکرہ کیا ہے یہ خطوط ہم کو ملے  
اور خداوند تعالیٰ تم کو اس کی جزائے خیر دے کیونکہ تمھارے یہ خطوط ہم کو سنا تو میں نے یہ  
پسند کیا کہ جس نظر سے تم ان کو دیکھتے ہو میں بھی اس کی حقیقت کو پہنچوں تم نے یہ بیان  
کیا ہے کہ میں نے اس خط میں جو کچھ لکھا ہے یعنی اس چیز کی اصلاح سے جو میرے پاس  
تھا ارے پاس سے آئی تا ابتداء نصیحت اس نے تم کو خوش کیا اور مجھے توقع ہے کہ میرے  
پاس اس کی جگہ ہو، لیکن گزشتہ زمانے میں اس سے تم کو صرف اس بات نے روکا کہ  
تمھاری ارے ہماری نسبت اچھی تھی لیکن میں نے اس طرح تم سے گفتگو نہیں کی

تم کو معلوم ہوا ہے کہ میں ایسے فتاویٰ دیتا ہوں جو تمھارے بیان کی عام جماعت کے  
مخالفت ہیں اور مجھ کو اپنی ذات کی نسبت خوف کرنا لازمی ہے کہ وہ تم نے جس چیز کا فتویٰ کیا  
اس پر مجھ سے پہلے کے لوگ اعتماد کرتے ہیں اور تمام لوگ اہل مدینہ کے جس کی طرف ہجرت  
کی گئی اور وہ ان قرآن نازل ہوا متبع ہیں تم نے اس کے تعلق جو کچھ لکھا وہ انشاء اللہ  
تعالیٰ صحیح ہے اور مجھ پر اس نے وہی اثر کیا جس کو تم چاہتے ہو میں کسی اہل علم کو اپنے سے  
زیادہ شرافت و وسعے کا مکروہ سمجھنے والا، گزشتہ علماء اہل مدینہ کو سب سے زیادہ فضیلت  
اور ان کے متفقین علیہ فتاویٰ کا قبول کرنے والا نہیں پاتا و الحمد للہ رب العالمین اللہ ہی لا یشک  
تم نے جو یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قیام فرمایا اور آپ پر وہاں  
صحابہ کے سامنے قرآن نازل ہوا اور خداوند تعالیٰ نے ان کو قرآن کی تسلیم دی، اور لوگ

اس میں ان کے تتبع ہو گئے تو وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا ہو لیکن تم نے جو  
خداوند تعالیٰ کے اس قول کا ذکر کیا ہے،

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ  
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
بِأَحْسَنِ رِضَىٰ أَلَهُمْ مِنْهُم مَّا رِضُوا  
عَنْهُ دَاعِدًا لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي  
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا  
أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

اور مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین  
اور ان لوگوں سے جنہوں نے نیکی کے ساتھ  
ان کا اتباع کیا خداوند تعالیٰ راضی ہوا اور  
وہ لوگ ان سے راضی ہوئے اور خداوند تعالیٰ  
نے ان کیلئے ایسے باغات تیار کیے ہیں جنکے  
نیچے سے نہریں جاری ہیں وہ لوگ ہمیشہ نہیں

رہیں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہو،

تو ان سابقین اولین میں سے بہت سے لوگ خداوند تعالیٰ کی مرضی کی جستجو میں خدا کی  
راہ میں جہاد کرنے کیلئے نکلے چھاؤنہاں قائم کیں اور لوگ ان کے پاس جمع ہوئے تو انکے  
سامنے انھوں نے خدا کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنت کو نظر کر لیا، اور جو کچھ وہ جانتے تھے  
اس میں سے کسی چیز کو نہیں چھپایا، اور ان کی ہر چھپاؤنی میں ایک گروہ تھا جو خدا کی کتاب  
اور اس کے پیغمبر کی سنت کی تعلیم دیتا تھا اور جن مسائل کی نسبت قرآن و سنت نے کوئی تفسیر  
نہیں کی تھی اپنی رائے سے اجتہاد کرتا تھا، ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ نے جن کو مسلمانوں نے  
انتخاب کیا تھا اسکی ابتداء کی تھی اور تینوں مسلمانوں کی چھاؤنیوں کے مذکورہ بالا ذکر ہوئے  
تھے، انہیں سے غافل تھے بلکہ اقامتِ دین اور خدا کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنت سے  
اختلاف کرنے کے فون کے شعلے ان کو ذرا سی بات پر لگتے رہتے تھے، اسلیئے انھوں نے  
ہر اس بات کی جسکی قرآن نے تفسیر کی ہے یا رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل کیا ہے

یا آپ کے بعد انھوں نے اُس پر اتفاق کیا ہے، ان کو تعلیم دی تو جب کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس پر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصر، شام اور عراق میں ابو بکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کے عہد میں عمل کیا ہو اور ان کی وفات تک اس پر قائم رہے ہوں اور ان لوگوں نے اس کے خلاف ان کو کوئی حکم نہ دیا ہو تو ہمارے نزدیک مسلمانوں کی چھائیوں کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی ایسا نیا معاملہ پیدا کریں جن پر ان کے سلف یعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تابعین نے عمل نہ کیا ہو، باوجودیکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کو فتاویٰ میں بہت سی چیزوں کے متعلق اختلاف کیا اور اگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ تم اُس سے واقف ہو تو میں ان کو تمھارے پاس لکھ بھیجتا، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تابعین میں سعید بن المسیب اور ان کے ہم مثل لوگوں نے بہت سی چیزوں کے متعلق سخت اختلاف کیا پھر جو لوگ ان کے بعد پیدا ہوئے انھوں نے بھی اختلاف کیا تو میں مدینہ وغیرہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس وقت ان کے سرخیل ابن شہاب اور ربیعہ بن ابی عبد الرحمن تھے اور بعض گذشتہ مسائل کے متعلق ربیعہ کو جو اختلاف تھا اس کو تم جانتے ہو اور میں حاضر ہوا اور ان کے پاس میں تھا اور مدینہ کے اہل الرائے یعنی یحییٰ بن سعید، عبید اللہ بن عمر اور کثیر بن فرقہ اور ان کے علاوہ اور بہت سے لوگوں کا جو ان سے زیادہ سن رسیدہ تھے، مل سنا، یہاں تک کہ تم کو اس کی اپنندیدگی نے ان کی مجلس کے چھوڑنے پر مجبور کر دیا، میں نے تم سے اور عبد العزیز بن عبد اللہ سے بعض ان نکتہ چینوں کی نسبت جو تم نے ربیعہ پر کی تھیں گفتگو بھی کی تو مجھ کو جو کچھ اعتراض تھا تم دونوں بھی اس سے متفق تھے اور میں ان کی جس چیز کو ناپسند کرتا تھا تم دونوں بھی اس کو ناپسند کرتے تھے، لیکن اللہ اللہ کہ بائینہم ربیعہ کے پاس بہت سی بھلائی

روح عقل و منطق زبان کھلی ہوئی فضیلت اسلام میں اچھا راستہ اور اپنے بھائیوں سے  
عموماً اور ہم سے خصوصاً سچی دوستی موجود ہے خداوند تعالیٰ ان پر رحم کرے اور ان کو  
بخشنے اور ان کے عمل سے بہتر ان کو جزا دے

اور جب ہم ابن شہاب سے ملتے تھے تو وہ بہت سے اختلافات ظاہر کرتے تھے، اور  
جب ہم میں سے کوئی ان سے خط و کتابت کرتا تھا تو وہ باوجود اپنے علم اور اپنی رائے کی  
فضیلت کے اسکو ایک ہی چیز کے متعلق تین طرح سے لکھتے تھے، جن میں بعض باتیں بعض  
کی مناقض ہوتی تھیں اور ان کو اس کے متعلق اپنی گذشتہ رائے کا احساس نہیں ہوتا تھا  
تو جس چیز کے چھوڑنے پر تم مجھ پر اعتراض کرتے ہو اسی نے مجھ کو اس کے چھوڑنے پر آمادہ کیا،  
تم نے مجھ پر یہ اعتراض بھی کیا ہو کہ میں نے ان کے اس مسئلہ پر کئی بارش کی رات میں مسلمانوں کی  
چھاؤنیوں میں سے کوئی نمازوں کو جمع کرے، لکنہ چینی کی ہو، حالانکہ شام کی بارش  
مکہ کی بارش سے اس قدر زیادہ ہو کہ خدا ہی اس کا حال جانتا ہو، لیکن ان میں کسی  
امام نے بارش کی رات میں نمازوں کو جمع نہیں کیا حالانکہ ان میں ابو عبیدہ بن الجراح،  
خالد بن الولید، زید بن ابی سفیان، عمرو بن العاص اور معاذ بن جبل موجود تھے اور ہم کو  
معلوم ہوا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں حلال و حرام کے سب سے  
زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل ہیں اور معاذ قیامت کے دن علماء کے پیش پیش  
ایک قدم آگے آئیں گے، اور شریح بن حسنہ، ابوالدرداء اور بلال بن رباح تھے۔ اور  
ابوذرؓ، زبیر بن عوفؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ مصر میں تھے اور حمص میں ستر اہل بدر اور  
مسلمانوں کی کل چھاؤنیوں میں تھے، اور عراق میں ابن مسعودؓ، حذیفہ بن الیمانؓ اور  
عمران بن حصینؓ تھے، اور امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ برون وہاں رہتے

اور ان کے ساتھ اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے لیکن ان لوگوں نے کبھی مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع نہیں کیا اور ان مسائل میں سے ایک مسئلہ ایک گواہ اور صاحب حق کی قسم سے فیصلہ کرتا ہے، اور تم کو معلوم ہو کہ مدینہ میں ہمیشہ اس طرح فیصلہ ہوتا رہا لیکن شام چھ مصر اور عراق میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فیصلہ کیا اور نہ ان کو خلفائے راشدین یعنی ابو بکر، عثمان اور علی نے اس کے متعلق کبھی اس کے بعد عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے اور سنت کے زندہ اور دین کی اقامت میں جہد کرنے اور اسے اور علم کی احصائت میں جیسا کہ تم کو معلوم ہو، صلوات کے طریقہ پر کاربند ہوئے لیکن ان کو زین بن الحکم نے لکھا کہ آپ مدینہ میں ایک گواہ اور صاحب حق کی قسم لیکر فیصلہ کرتے تھے، تو انھوں نے ان کو لکھا کہ ہم مدینہ میں اس طرح فیصلہ کرتے تھے لیکن ہم نے اہل شام کو اس کے خلاف پایا تو تم مجر دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے بغیر فیصلہ نہ کرو انھوں نے بارش کی رات میں مغرب اور عشاء کی نماز کبھی جمع نہیں کی، حالانکہ خناصرہ میں وہ جس مکان میں مقیم تھے خود ان کے اوپر پانی ٹپکتا تھا،

ان میں ایک مسئلہ یہ ہو کہ اہل مدینہ عورتوں کے ہر کے متعلق یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ جب وہ اپنا ہر موجد طلب کرے اسکو دینا چاہئے لیکن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد کے لوگوں نے کسی عورت کو اس کے ہر موجد کے دلواسے کا فیصلہ اس وقت تک نہیں کیا جب تک کہ موثق یا اطلاق میان بی بی کے درمیان جدائی نہ کر دے، اور اس کے بعد وہ اپنا حق لینا چاہئے

ان مسائل میں ایک مسئلہ ایلا وگا ہو کہ اہل مدینہ کہتے ہیں کہ چار مہینے کے گزر جانے

یہ بیان ایک شخص نے  
کھا کہ میری  
بی بی بھڑی  
حرام ہے

بعد بھی جب تک کہ شوہر مدت کی تحدید نہ کر دے طلاق نہیں ہو سکتی حالانکہ نافع نے عبد اللہ بن عمرؓ سے جن مہینوں کے بعد یہ تحدید مروی ہو یہ روایت کی ہو کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جس ایلا رکاذ ذکر کیا ہے وہ مدت مقررہ کے آجانے کے بعد قسم کھانے والا کیلئے ہر اس عورت کے جائز نہیں ہو کہ وہ حکم خداوندی کے مطابق رجوع کر لے یا طلاق دے اور تم لوگ کہتے ہو کہ اگر چار مہینوں کے بعد جو خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مقرر کیا ہو اگر وہ ٹھیک گیا اور تحدید نہیں کی تو اس پر طلاق نہ ہوگی حالانکہ عثمان بن عفانؓ زید بن ثابتؓ قبصہ بن ذبیہؓ اور ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوفؓ سے ہم کو یہ روایت پہنچی ہو کہ ایلا رکے بار سے میں ان کا یہ قول ہے کہ چار مہینے گزر جائیں تو وہ بائن طلاق ہو جائے ہوا اور سعید بن المسیب ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام اور ابن شہابؓ کہتے ہیں کہ جب چار مہینے گزر جائیں تو یہ ایک طلاق ہوگا اور قسم کھانے والا عدت کے زمانے میں رجوع کر سکتا ہو۔

ان مسائل میں ایک مسئلہ یہ ہو کہ زید بن ثابتؓ کا قول ہو کہ جب کسی آدمی نے اپنی عورت کو طلاق لینے یا اپنے پاس رہنے کا اختیار دیدیا اور اس نے طلاق نہیں لی بلکہ اپنے شوہر ہی کو اختیار کر لیا تو اس پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے اپنے آپ کو تین طلاق دیدی تو بھی ایک ہی طلاق ہوگی عبد الملک بن مروان نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا ہے اور ربیعہ بن عبد الرحمن بھی اسی کے قائل تھے لیکن قنبرؓ اور تمام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر ایک یا دو طلاق لیلیٰ تو اس پر شوہر کو رجعت کرنے کا حق حاصل ہوگا لیکن اگر اس نے تین طلاق لیلیٰ تو وہ بائن ہو جائے گی اور جب تک دوسرا شخص

اس سے نکاح کر کے اس سے سبب شرت کرنے کے بعد مرد نہ جائے یا طلاق نہ دیدے وہ اس کے لیے جائز نہیں ہو سکتی، البتہ اگر وہ اُسی مجلس میں اس کی تردید کر دے اور کہے کہ میں تجھ کو صرف ایک طلاق کا اختیار دیا ہوں، تو اس سے قسم لے لی جائے گی، اور اس کو اسکی عدت کے درمیان چھوڑ دیا جائیگا،

ان مسائل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے کہ اگر کسی شخص نے ایک لونڈی کا نکاح کر دیا، پھر اس کے شوہر نے اس کو خرید لیا تو یہ خریدنا بمنزلہ یتیم طلاق کے ہوگا اور ربیہ کا بھی یہی قول تھا اور اگر ایک آزاد عورت کسی غلام سے نکاح کر لے تو اس کو خرید لے تو اس کا بھی یہی حکم ہو،

ہمارے پاس تم لوگوں کے کچھ نا پسندیدہ فتاویٰ ہو چکے اور ان میں بعض کے متعلق میں نے تم کو لکھا لیکن تم نے میرے خط کا جواب نہیں دیا، اس لیے مجھ کو اندیشہ پیدا ہوا کہ تم نے اسکو گوارا نہیں کیا، اس لیے میں جس چیز کو نا پسند کرتا تھا اور تمھاری رائے پر میں نے جو اعتراضات کئے تھے ان کے متعلق خط و کتابت سے باز رہا مثلاً مجھ کو معلوم ہوا کہ تم نے زفر بن عاصمؓ الہمالی کو حکم دیا کہ جب وہ استسقا کی نماز پڑھنا چاہے تو خطبہ سے پہلے ہی نماز پڑھ لیا کرے، لیکن میں نے اسکو ایک بڑی بات خیال کیا کہ اگر خطبہ اور استسقا بالکل جمعہ کی صورت رکھتے ہیں، صرف اتنا فرق ہے کہ امام جب خطبہ ختم کرنے کے قریب ہو تو دعا کرے اور اپنی چادر لپیٹ لے پھر منبر سے اُتر کر نماز پڑھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اور ابو بکر بن حزمؓ وغیرہ نے استسقا کی نماز پڑھی ہو، اور ان سب نے خطبہ اور دعا کو نماز پر مقدم کیا ہے، اس بنا پر تم لوگوں نے زفر بن عاصم کے فعل کو نا پسند کیا،



اسی طرح مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ تمھارا یہ قول ہے کہ اگر دو شخص کسی مال میں شریک ہوں تو جب تک کہ دونوں کا حصہ الگ ہونے کے بعد یہ نہ معلوم ہو جائے کہ ان کے حصہ پر صدقہ واجب ہو، حالت شریکت میں ان دونوں پر صدقہ واجب نہیں ہوا لاکہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے خط میں ہے کہ دونوں پر صدقہ واجب ہے اور وہ دونوں برابر حصوں میں تقسیم کر دیا جائیگا اور تم سے پہلے حضرت عمر بن عبد العزیز وغیرہ کی خلافت میں اس پر عمل کیا جاتا تھا اور تم سے یہ حدیث یحییٰ بن سعید نے بیان کی ہے جو چاہے زمانہ کے افاضل علماء میں کم رتبہ نہ تھے، خداوند تعالیٰ ان پر رحمت کرے اور ان کو بخشے اور جنت میں ان کو جگہ دے۔

اسی طرح مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ تم کہتے ہو کہ جب ایک شخص دیوالیہ ہو جائے اور اس کے ہاتھ کوئی آدمی کوئی اسباب فروخت کر چکا ہو اور وہ اسکی قیمت کا ایک حصہ لپیچکا ہو یا مشتری اس اسباب کا کوئی حصہ صرف کر چکا ہو تو وہ اپنے اسباب کا جو حصہ بھی پاسے اس کو لے سکتا ہے لیکن لوگوں کا معمول یہ تھا کہ بالغ جب اس کی قیمت کا ایک جزو لپیچکا یا مشتری نے اس کا ایک حصہ صرف کر دیا تو وہ اسباب بچہ بند ہی نہیں ہاں بکوالے نے فروخت کیا تھا اسی طرح تم یہ بیان کرتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام کو صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا اور تمام لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ان کو دو گھوڑوں کا چارہ حصہ دیا اور تیسرے گھوڑے کا حصہ نہیں دیا اور تمام امت یعنی اہل شام، اہل مصر، اہل عراق اور اہل افریقیہ کا اس حدیث پر اتفاق عام ہے اور اس میں دو شخص بھی مختلف نہیں ہیں اس لیے تمھارے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ تم نے اسکو کسی پسندیدہ شخص سے بھی سنا ہو کہ تمام امت کی مخالفت کرو،

میں نے اس قسم کی بہت سی چیزیں چھوڑ دی ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ خدا تم کو بخیر

اور تم کو دیر تک زندہ رکھے کیونکہ مجھے اس میں لوگوں کے فائدے کی توقع ہو، اور اگر تم جیسا  
 شخص گزر جائے تو مجھے نقصان کا خوف ہے، اس کے ساتھ میں تم سے باوجود دور  
 مکان کے انس رکھتا ہوں، غرض میرے نزدیک تمھارا یہ درجہ اور تمھاری نسبت میری  
 یہ رائے ہے تو اس کو یقین کر رکھو اور اپنی، اپنے لڑکے اور اپنی بی بی کی حالت اور خود  
 اپنی یا اپنے کسی متعلق کی ضرورت سے بذریعہ خط کے اطلاع دینے سے دریغ نہ کرو  
 کیونکہ میں اس سے خوش ہوں گا، میں نے حالتِ صحت و عافیت میں تم کو یہ خط لکھا ہے  
 جس پر خدا کا شکر ہے، ہمارا یہ سوال ہے کہ تم کو اور تم کو نعمت کے شکر کی جو حد ہے تم کو ملے گی  
 اور احسان کے شکر کی جو ہم پر کیا ہو تو فیق دے! والسلام علیک ورحمۃ اللہ

ہم نے اس خط کو پورا اس لیے نقل کر دیا ہے کہ تمھارے سامنے ادبی تنقید کی بہتر مثال  
 مثال رکھ دیں کیونکہ اختلاف کے بارے میں اس سے زیادہ مہذب اور شریفانہ طریقہ زیادہ  
 ہم کو نظر نہیں آتا، ممکن ہے کہ ہمارے آباؤ میں ہمارے لیے بہترین نمونہ و مثال ہو لیکن  
 شیعہ لوگ اسی وقت حدیث پر اعتبار کرتے تھے جب اس کی روایت اُن کے ائمہ یا ان کے  
 ہم مذہب لوگوں کے طریقہ سے کی جائے، اس کے علاوہ وہ اور حدیثوں کو چھوڑ دیتے تھے  
 کیونکہ جو شخص علی سے محبت نہیں رکھتا وہ اس اعتبار کا مستحق نہیں، اسی طرح خواجہ  
 نے احادیث کو صرف اُن صحابہ تک محدود رکھا جن سے وہ محبت رکھتے تھے اس بنا پر  
 ان کے نزدیک وہی حدیثیں مستند ہیں جنکی روایتِ فتنہ یعنی مسلمانوں کی خانہ جنگی  
 سے پیش کی گئی، لیکن اس فتنہ کے بعد چونکہ اُن کے خیال کے مطابق جمہورِ راست نے  
 ظالم اماموں کی پیروی کر لی، اس لیے ان لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا اُن کے دشمن  
 ہو گئے اور وہ اُن کے اعتماد کے قابل نہیں رہے، لیکن جمہورِ اہل حدیث کی رائے

جن کے سرخیل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں یہ ہے کہ راوی گو صرف ایک ہی ہو لیکن حدیث اسی وقت قابل اعتماد ہو سکتی ہے جب ایک عادل شخص اپنے ہی جیسے عادل شخص سے روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دے اس کے علاوہ انھوں نے اور شرائط کا بالکل لحاظ نہیں کیا اور اسی بنا پر مروی حدیث کی قدر و قیمت کے اندازہ لگانے میں بہت بڑا اختلاف پیدا ہو گیا مثلاً ایک حدیث کی شہرت کی بنا پر حنفی اس پر عمل کرتا ہے اور اُس کی سند میں ضعف ہونے کی وجہ سے شافعی اس کو چھوڑ دیتا آخر مالکی ایک حدیث کے اس لیے ترک کرتا ہو کہ عمل اس کے خلاف ہو ہے لیکن اس کی قوت سند کی بنا پر شافعی اس پر عمل کرتا ہے لیکن جب شراح، حامیان اور نکتہ چینان مذاہب کا گروہ پیدا ہوا تو انھوں نے ان اصول کی طرف جن کو ان کے ائمہ نے اختیار کیا تھا توجہ نہیں کی اور اپنے مخالفین پر ہر صحیح السند حدیث کی مخالفت کا گدوہ ان شرائط کی جامع نہ ہو جن کو اُس شخص نے شرط قرار دیا ہے جس پر وہ نکتہ چینی کر رہے ہیں الزام دینے لگے اسی طرح وہ لوگ ہر اس حدیث کو جس کو اُس کے امام نے قبول نہیں کیا ہو اس کی سند پر نکتہ چینی کر کے یا اور کسی دوسرے ماخذ کے ذریعہ سے ضعیف کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ کہہ دینا آسان تھا کہ امام نے اس حدیث کو اس لیے نہیں قبول کیا کہ حدیث پر عمل کرنے کے لیے اس نے جس شرط کو اپنا اصول قرار دیا ہو وہ اس حدیث میں موجود نہ تھی اور اس قسم کی بہت سی مثالیں غفریب تمھارے سامنے آئیں گی

دوسری نزاع،

(۲) قیاس رائے اور استحسان

کے بارے میں پیدا ہوئی،

صحیحاً اور تابعین؟ جب کتاب و سنت میں کوئی انصاف نہیں پاتے تھے تو مجبوراً اسے  
 کی طرف مائل ہوتے تھے اور جیسا کہ اُن کے فتاویٰ سے ظاہر ہوتا ہے اُس کی حقیقت  
 یہ ہے کہ دین کے قواعد عامہ کی بنا پر کوئی حکم دیا جائے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا یہ قول کہ

لا ضرر ولا ضرار نقصان اٹھانا ہر نہ نقصان پہونچنا ناہو

ددع ما یریبک الی ما لا جو چیز تم کو شبہ میں ڈالے اُسکو چھوڑ کر وہ چیز اختیار

میرا یدک کرو جو شبہ میں نہ ڈالے

لیکن وہ کسی اصل معین کا جس کے محل وقوع کے ساتھ اس واقعہ کو تشبیہ دین چکے  
 متعلق وہ فتویٰ دے رہے ہیں لہذا انہیں کہتے تھے مثلاً حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کے خلاف  
 یہ فیصلہ کیا تھا کہ ان کے پڑوسی کی نہران کی زمین میں ہو کر گزر سکتی ہے کیونکہ یہ اُس کے  
 لیے مفید ہے، اور محمد کیلئے مضر نہیں تو غالباً یہ فتویٰ اس عام اصل کی بنا پر ہے کہ مفید  
 چیز مباح اور مضر چیز ممنوع ہے لیکن انھوں نے کسی اصل معین پر قیاس کر کے یہ فیصلہ  
 نہیں کیا تھا اور فقہاء کی اصطلاح میں اسی کو مصالحہ مسئلہ کہتے ہیں یعنی کوئی اصل معین  
 جسکی تائید نہ کرتی ہو، لیکن اگر اس کو زیادہ وسعت دیدی جائے تو اس سے نقصان  
 پہونچ سکتا ہے، کیونکہ اس سے بہت سی حدیثیں بالخصوص جب کہ اس رائے کا اختیار  
 کرنے والا حدیث کا بہت زیادہ ماہر نہ ہو چھوٹ سکتی ہیں اور ایک فقیہ کیلئے جو کسی شہر  
 میں پیدا ہوا ہو یہ آسان نہیں ہے کہ اُن تمام حدیثوں سے واقف ہو جو ان علماء کے  
 پاس ہیں جو تمام شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں اس لیے اگر وہ ان لوگوں میں شامل ہو  
 جو زیادہ تر اسے سے فتوے دیتے ہیں تو وہ اس حدیث کے مخالف فتویٰ دینے سے

محفوظ نہیں رہ سکتا جو اسکو یاد نہ ہو لیکن اُس کے علاوہ دوسرے کو یاد ہو فقہاء نے  
 اس خطرے کو محسوس کر کے اسے کے دائرے کو تنگ کرنا چاہا چنانچہ انھوں نے بشرط  
 لگا دی کہ جو شخص اسے کے ذریعہ سے استنباط مسائل کرتا ہو اُس کے لیے ایک اصل متین  
 ہونی چاہیے جسکی طرف وہ اپنے فتویٰ میں رجوع کرے اور وہ اصل معین صرف قرآن و  
 حدیث ہے، اور یہی وہ قیاس ہے جسکو اُن لوگوں نے کتاب و سنت کے بعد اصول فقہ  
 میں سے ایک اصل قرار دیا ہے، اگرچہ فقہائے عراق نے اس میں زیادہ امتیاز حاصل  
 کیا ہے لیکن وہ اکثر قیاس کو چھوڑ کر ایک دوسرا اصول اختیار کرتے ہیں جس کا نام کھونک  
 استحسان رکھا ہے، مثلاً محمد بن حسن مہوط میں جو اکثر یہ کہتے ہیں کہ میں استحسان کرتا ہوں  
 اور قیاس کو چھوڑ دیتا ہوں تو یہ استحسان یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی انگریز کی طرف جو مقتضائے  
 قیاس کے مخالف ہو یا کسی اصول عامہ کی طرف رجوع کرتے ہیں پہلے اُسی کو رائے کہتے  
 تھے، اور ہم اس موقع پر ناظرین کے سامنے وہ معیار قائم کر دینا چاہتے ہیں جس سے  
 اہل حدیث اور اہل الرائے کے مقامات باہم متوازن ہو جائیں

الحمد للہ جو بیانیہ صرف حدیث کو اپنے سامنے رکھا ہے ایک تو یہ کہ وہ قرآن مجید کی  
 تکمیل کرتی ہیں دوسرے یہ کہ شارع اسلام نے تبیین اسلام کے لیے اُن کی اہانت  
 اس حیثیت سے لازمی کی ہے کہ اسکی تشریح میں نہ تو علل و اسباب کا لحاظ رکھا ہے  
 نہ ایسے اصول عامہ قائم کیے ہیں جسکی طرف مجتہد رجوع کر سکے، اور مختلف ابواب کیلئے  
 اصول خاصہ مقرر کیے ہیں اس بنا پر یہ لوگ صرف لفظ کے مقلد ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب  
 یہ لوگ کسی مسئلہ میں نص نہیں پاتے تو خاموش ہو جاتے ہیں، اور فتوے نہیں دیتے،  
 لیکن اہل رائے اور اہل قیاس بشرطیت کو عقلی وجوہ پر مبنی سمجھتے ہیں اُن کو اس میں

مسائل فقہیہ یعنی قیاس اور  
 دائرہ کو چھوڑنا

اہل حدیث اور اہل رائے  
 رہتے ہیں

اصول نظر آتے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں اور حدیث نے ان کی تائید کی ہے اسی  
 ان کے نزدیک ابواب فقہ میں ہر باب کیلئے ایسے اصول ہیں جنکو انھوں نے کتاب و سنت  
 سے اخذ کیا ہے اور اس باب کے جتنے مسائل پیش آتے ہیں، گو ان میں کوئی انصاف نہ ہو  
 لیکن ان کو اسی اصول کی طرف لے جاتے ہیں اگرچہ وہ حدیث کی صحت پر اعتماد کر لیتے  
 ہیں اس کی نسبت وہ بھی الحمد للہ کا مسلک اختیار کر لیتے ہیں لیکن اپنے اصول کے  
 بھروسے اور اس گزشتہ سلسلے کی بنا پر جو انھوں نے حدیث کے بارے میں قائم کی ہے  
 وہ لوگ بہت زیادہ حدیث کی روایت نہیں کرتے، لیکن جب ان کے نزدیک ایسی صحیح حدیث  
 ثابت ہو جاتی ہے جو ان اصول کے مخالف ہے تو وہ لوگ اس پر عمل کرنے میں دریغ نہیں  
 کرتے اور اس وقت اس کا نام امتحان رکھتے ہیں اور کبھی اس باب کے اصل معین پر  
 قیاس کو چھوڑ کر اصول عامہ کو اختیار کر لیتے ہیں اور اس کو بھی امتحان کہتے ہیں جو  
 فقہاء و قیاس کے قائل ہیں اور زیادہ تر تعداد انہی لوگوں کی ہے جو انھوں نے جو مسائل  
 استنباط کیے ہیں ان سے جو شخص واقف ہو، اس کو معلوم ہے کہ اگرچہ صرف امام ابو حنیفہ اور ان کے  
 اصحاب خصوصیت کے ساتھ اس امتحان کا لفظ بولتے ہیں لیکن امتحان کے معنی میں اور  
 فقہاء بھی ان کے شریک ہیں چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ نے مصالح مسئلہ کے ذریعہ سے  
 تشریح مسائل کی ہے اور وہ امتحان ہی کی ایک قسم ہیں اور زاہد متخلفہ میں ہمارے  
 سامنے بہت سے مسائل آئینکے جنکی بنیاد بھی امتحان ہے

ان قیاس اور امتحان کرنے والوں کیلئے سلف صالحین میں فقہ کے دو اہل میں

کہا رہے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ثانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور  
 تابعین میں ربیعہ اور ابراہیم نخعی کے نمونے بھی موجود ہیں

اس ورمین اہلحدیث اور اہل الراے کے درمیان ایک ایسی سخت نزاع قائم رہی جو ایک حیثیت سے قیاس و استحسان دونوں کے ماننے والوں کو شامل ہے اور دوسری حیثیت سے اہل قیاس اور اہل استحسان کے درمیان بھی قائم ہے متکلمین اور اہلحدیث میں اگرچہ باہم عداوت تھی لیکن اس جنگ میں وہ بھی اہلحدیث کے حلیف بن گئے کیونکہ تشریع مسائل کے متعلق اہلحدیث کا خیال تو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور متکلمین بھی شریعت کو محض ایک تعبیدی یعنی تقلیدی چیز سمجھتے ہیں جس میں نظر و قیاس کی گنجائش نہیں بلکہ شارع سے جو کچھ قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو جائے اس پر عمل کرنا لازمی ہوگا اس بنا پر شریعت کے تعبیدی ہونے میں وہ اہلحدیث سے متفق ہیں البتہ ان سے ان کو یہ اختلاف ہے کہ وہ سنت کو کوئی تشریعی اصل نہیں تسلیم کرتے

ہر فرقہ نے اپنی اپنی دلیل پیش کرنا شروع کی اور اس سلسلے میں ہم کو اہلحدیث اور متکلمین کی بہت سی عبارتیں نظر آتی ہیں جن کے ذریعہ سے انھوں نے رائے کی ہنسی اڑائی ہے لیکن دونوں فرقوں کے قالب میں ایک ہی روح اس کی حرکت نہیں ہے بلکہ اہلحدیث کے نزدیک شریعت کی نشان اس سے بالاتر ہے کہ وہ اہل الراے کی رائے کی جولانگاہ بنے کیونکہ شریعت عام اس سے کہ وہ قرآن ہو یا حدیث خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہوا و جو چیز ایسی ہوتی ہے وہ غلطی اور اختلاف سے بہت دور ہوتی ہے اور رائے خلط انسان سے ہے جس میں صحت اور غلطی دونوں پیش آسکتی ہیں اور اس وقت تفریق و اختلاف رونما ہوگا جسکی ہم کو مخالفت کی گئی ہے لیکن متکلمین کے نزدیک شریعت نے مختلف چیزوں کو جمع کیا ہے، اور ان کے احکام میں اتحاد قائم کیا ہے اور مشابہ چیزوں کو الگ الگ کیا ہے اس لیے ان کے احکام بھی مختلف قرار دیے ہیں وہ اس قسم کے بہت سے احکام

پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسی چیز عقلی نظر کی جولا نگاہ نہیں بن سکتی  
 قیاس کی حمایت اور اسکو حجت شرعی تسلیم کرنے کے متعلق ہم تک جو پہنچیں  
 پہنچی ہیں ان میں بہترین تحریر وہ ہے جو ہم نے امام محمد بن ادریس کے رسالہ اصولیہ  
 اور کتاب الام میں پڑھی ہے، اور قیاس کی تردید میں ہم کو بہترین تحریر داؤد بن  
 علی امام ظاہر کی نظر آتی ہے جو تیسری صدی کے نصف میں پیدا ہوئے ظواہر کتاب  
 و سنت پر اپنے مذہب کی بنیاد ڈالی اور قیاس کا بالکل انکار کر دیا، اگرچہ امام ابو حنیفہ  
 اور ان کے اصحاب نے سب سے پہلے قیاس کو ایک شرعی اصول تسلیم کیا، اور یہی  
 وجہ ہے کہ صرف انہی لوگوں نے اصحاب الراے کے لقب سے شہرت حاصل کی  
 تاہم اس زمانے کے اکثر مشہور فقہاء اس معاملہ میں ان کے ہم آہنگ ہیں لیکن امام  
 شافعی نے اپنے رسالہ اور کتاب الام کے ساتویں حصہ میں امتحان پر نہایت سخت  
 حملہ کیا، چنانچہ انھوں نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے

”جو شخص حاکم یا مفتی ہونے کی قابلیت رکھتا ہو وہ صرف خیر لازم یعنی کتاب اسکے بعد  
 یا اہل علم کے متفقہ قول یا ائمہ میں کسی پر قیاس کے ذریعہ سے فیصلہ کر سکتا ہو یا فتوے  
 دے سکتا ہو لیکن اس کے لیے امتحان کے ذریعہ سے فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا جائز نہیں ہو  
 کیونکہ امتحان واجب نہیں ہو اور ان معافی میں سے کسی میں داخل نہیں ہو خداوند تعالیٰ  
 کہتا ہے

ایحسب الا انسان ان یتزل

کیا انسان یہ خیال کرتا ہو کہ وہ مطلق العنان

چھوڑ دیا جائیگا

سہی،

اور جیسا کہ تم کو معلوم ہے جو لوگ قرآن کا علم رکھتے ہیں ان کو اس میں اختلاف نہیں ہے



کہ ”سُدی“ وہ چیز ہے جسکو نہ کوئی حکم دیا گیا ہو اور نہ کوئی مانعت کی گئی ہو لیکن جس شخص نے ایسی چیز کے ذریعہ سے یہ فتویٰ دیا یا فیصلہ کیا جس کا حکم نہیں دیا گیا ہو، تو اس نے اپنے لیے یہ جائز رکھا کہ وہ ”سُدی“ کے معنی میں داخل ہو حالانکہ خدا نے اس کو بتا دیا ہے کہ اس نے اُسکو مطلق العنان نہیں چھوڑا ہو اور اگر اُس نے یہ کہا کہ میں جو کچھ چاہتا ہوں کہتا ہوں اور یہی چیز کا دعویٰ کیا جسکے خلاف قرآن نازل ہوا ہو اور اُس کے مخالف حدیثیں آئی ہیں تو اسے پیغمبروں کی روش اور اُس جماعت کے عام حکم کی مخالفت کی جس سے روایت کی گئی ہو۔“  
اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ،

جس شخص نے یہ کہا کہ میں استحسان خدا کے حکم سے کرتا ہوں نہ اس کے رسول کے حکم سے، تو اُس نے خدا اور اُس کے رسول کے قول کو قبول نہیں کیا اور جو کچھ اس نے کہا اس کی جتنی خدا اور اس کے رسول کے حکم سے نہیں کی اور جس شخص نے ایسا کہا اُس کے قول کی غلطی ظاہر ہے کیونکہ اُس نے یہ کہا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں اور کرتا ہوں نہ مجھ کو اس کا حکم دیا گیا ہے نہ اس کی مانعت کی گئی ہے اور جس چیز کا مجھ کو حکم دیا گیا ہو اور مانعت کی گئی ہو میرا قول و عمل اس منہ پر نہیں ہو، حالانکہ خدا نے اُنس کے قول کے خلاف فیصلہ کیا ہو اور کسی کو بغیر اطاعت قبول کرنے کے نہیں چھوڑا ہو۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ،

جس شخص نے بغیر خبر لازم کے یا بغیر اس پر قیاس کرنے کے فیصلہ کرنا یا فتویٰ دینا جائز رکھا تو اُس پر یہ اعتراض کیا جائیگا کہ اُس کے اس قول کا مفہوم ”میں جو کچھ چاہتا ہوں کرتا ہوں اور مجھ کو اس کا حکم نہیں دیا گیا ہو“ کتنا بے سنت کے مفہوم کے مخالف ہو اس لیے اسی مفہوم کی زبان سے اس پر اعتراض وارد ہوگا اور نیز یہ کہ اس کے مخالف ہو کہ ”میں

اس معاملہ میں کسی مخالف کو نہیں جانتا، تو اگر کہا جائے کہ وہ کیا ہو؟ تو کہا جائیگا کہ میں کسی اہل علم کو نہیں جانتا جس نے کسی صاحب عقل اور صاحب آداب کو یہ جائز دی ہو کہ وہ خود اپنی رائے سے فتویٰ دے اور فیصلہ کرے جب تک کہ وہ اس چیز کا عالم نہ ہو جس پر مشتبہ کی تفصیل کیلئے قیاس کا معاملہ موقوف ہو یعنی کتاب سنت اجماع اور عقل توجب اُن کا یہ خیال ہے تو اُن سے یہ کہا جائیگا کہ اُن اہل عقل کے لیے جن کی عقلیں قرآن و سنت اور فتوے کے علاوہ سے خالق ہیں یہ کیوں نہیں جائز ہو کہ اُن کے جانے ہوئے مسائل میں سے جب کوئی مسئلہ پیش آئے تو وہ یہ کہہ دیں کہ اس کے بارے میں نہ کتاب ہو نہ حدیث ہے نہ اجماع اُحالانکہ فقہارے عام لوگوں سے ان کی عقلیں زیادہ ہیں اور وہ اپنے قول کو فقہارے عوام سے زیادہ بہتر طریقہ پر واضح کر سکتے ہیں تو اگر تم کہو کہ ان کو اصول کا علم نہیں ہو تو تم سے کہا جائیگا کہ جب تم بلا اصل کہتے ہو اور کسی اصل پر قیاس نہیں کرتے تو فقہارے پاس اس کی کیا دلیل ہو کہ تم اصول کو جانتے ہو جن لوگوں کی عقلیں اصول سے ناواقف ہیں اُن کی نسبت کیا تم کو یہ خوف زیادہ ہے کہ وہ چونکہ اصول کو نہیں جانتے اس لیے جس چیز سے ناواقف ہیں اُس پر ٹھیک طریقہ سے قیاس نہیں کر سکتے؟ اور کیا فقہارے اصول کے علم نے تم کو اُس پر قیاس کو ناسکھایا ہو؟ فقہارے لیے اُن اصول کا چھوڑ دینا جائز کیا ہے؟ توجب فقہارے لیے ان اصول کا چھوڑ دینا جائز ہے تو وہ بھی فقہارے ہم آہنگ ہو سکتے ہیں کیونکہ زیادہ سے زیادہ ان کی نسبت یہ خوف ہے کہ وہ ان اصول پر قیاس کرنا چھوڑ دیں گے یا غلطی کریں گے پھر اگر کسی شخص کی تعریف اس بنا پر کی جاسکتی ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہو بلا تامل و تامل کے کہتا ہے تو اگر ان لوگوں نے بلا تامل کوئی بات کہی ہے تو میرے علم میں وہ تم سے زیادہ اس

صحیح پر قابل تعریف ہیں کیونکہ ان لوگوں کو کوئی مثال معلوم نہیں ہوئی اُس لیے  
 ان لوگوں نے اسکو چھوڑ دیا اور وہ لوگ غلطی پر تم سے زیادہ معذور ہیں کیونکہ ان لوگوں  
 نے ایسی چیز میں غلطی کی ہو جسکو وہ نہیں جانتے اور میں تم کو ان سے زیادہ گنگار سمجھتا  
 ہوں کیونکہ تم نے اس اصول پر جن سے تم ناواقف نہیں ہو تو جب تم یہ کہو گے کہ ہم نے  
 قیاس چھوڑ دیا حالانکہ ہم اصل سے ناواقف نہیں تھے، تو کہا جائیگا کہ اگر قیاس حق ہو  
 تو تم نے حق کو جان بوجھ کر اُس کی مخالفت کی اور اس میں ایسا گناہ ہو کہ اگر تم اس سے  
 ناواقف ہوتے تو اس کی قابلیت نہ رکھتے کہ علم کے بارے میں کہو اور اگر تمہارا یہ خیال  
 ہو کہ تمہارے لیے قیاس کا چھوڑ دینا اور ایسی بات کہنا جو تمہارے وہم اور تمہارے ذہن  
 کے سامنے آئی ہو اور تمہارے قانون نے اسکو پسند کیا ہو جائز ہو تو ہم نے قرآن کا،  
 اس کے بعد حدیث کا اور اُس چیز کا جہر آجاع دلائل کرتا ہے جو ذکر کیا ہو کہ کسی کے  
 لیے یہ جائز نہیں کہ بغیر علم کے کچھ کہے اس کی بنا پر تم کو الزام دیا جائیگا،

پھر وہ کہتے ہیں کہ،

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حاکم اور مفتی نے کسی مسئلہ میں جس میں کوئی نص نہ ہو یہ کہا کہ  
 میں استحسان کرتا ہوں تو اسکو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ دوسرے کیلئے یہ جائز ہو کہ اُس کے  
 خلاف استحسان کرے اس لیے شہر کا ہر حاکم اور مفتی اپنے استحسان کے موافق ایک  
 بات کہہ سکتا ہو، اس لیے ایک ہی چیز کے متعلق طرح طرح کے فیصلے اور فتوے دیے  
 جاسکتے ہیں تو اگر ان کے نزدیک یہ جائز ہے تو انھوں نے اپنے آپ کو بالکل مطلق اُلٹا  
 چھوڑ دیا ہے اور جہاں چاہا فیصلہ کر دیا ہے گودہ تنگ ہو اسلئے یہ جائز نہیں ہے کہ  
 وہ اس میں گھسین اور اگر ان میں جو شخص قیاس کا قائل ہے یہ کہے کہ لوگوں پر

میرے قول کا اتباع واجب ہو، تو اس سے کہا جائیگا کہ تمھاری اطاعت کا کس نے حکم دیا تاکہ لوگوں پر تمھارا اتباع فرض ہو کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ اگر تمھارے سوا کوئی اور تم پر بھی دعویٰ کرے تو کیا تم اس کی اطاعت کرو گے یا یہ کہو گے کہ میں بجز اس شخص کے جسکی اطاعت کا مجھے حکم دیا گیا ہے کسی اور کی اطاعت نہیں کرتا، اسی طرح کسی پر کسی کی اطاعت فرض نہیں ہو، اطاعت صرف اسی کی فرض ہو، جسکی اطاعت کا خدا نے اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے اور حق اسی چیز میں ہے جس کے اتباع کا خدا نے اور اس کے رسول نے حکم دیا ہو اور خدا نے اور اس کے رسول نے نصایا یا لایکل کے استنباط کو درپیش رکھا راستہ دکھایا

اس عبارت میں امام شافعیؒ نے گویا امام محمد بن الحسنؒ کے اس قول کو پیش نظر رکھا ہے کہ میں استحسان کرتا ہوں اور قیاس کو چھوڑتا ہوں اور امام ابو حنیفہؒ نے قیاس کیا ہے اور استحسان کو چھوڑ دیا ہے، اور ان کو ان لوگوں کے درجے میں رکھا ہے جو محض اپنے دہم و خیال کے مطابق بغیر ہونہ و مثال کے کوئی بات کہتے ہیں لیکن جن لوگوں نے امام محمدؒ کے قول کی تفسیر کی ہے اور جو کچھ ان کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک استحسان یہ ہے کہ کسی حدیث کی بنا پر یا اصول عامہ کی طرف رجوع کر کے جو متقدمین کی مشہور رائے ہے یا کسی دوسری معین اصل کی طرف مراجعت کر کے کسی اصل معین پر قیاس کو چھوڑ دیا جائے اور قیاس کرنے والوں کے اختلاف کے بیان میں خود امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ کبھی ایسا مسئلہ پیش آتا ہے جو قیاس کا احتمال رکھتا ہے لیکن اس کو دو اصول سے مشابہت حاصل ہوتی ہے، اس لیے ایک شخص ایک اصل کی طرف اور دوسرا دوسری اصل کی طرف جاتا ہے اور اس طرح دونوں باہم مختلف ہو جاتے ہیں تو اہل عراق جو استحسان کے قائل ہیں اس کا مطلب

صرف یہ ہے کہ وہ مسئلہ کا مرج کسی دوسرے خاص یا عام کو بناتے ہیں اور ان کے قول کا دار و مدار صرف خواہش نفسانی پر نہیں ہے اس بنا پر صرف لفظی بحث باقی رہ جاتی ہے جس کا معاملہ آسان ہے

خود امام شافعی نے اپنی کتاب موسوم بالرد علی محمد بن الحسن میں تصریح کی ہے کہ فقہ میں امام محمد جس اصل کی طرف گئے ہیں وہ یہ ہے کہ فقہ کے کسی مسئلہ کے متعلق بحر خبر لازم یا قیاس کے کچھ نہیں کہا جاسکتا،

خلاصہ یہ ہے کہ فقہ میں قیاس کو اصل بنانے کا مسئلہ اس مورخین بہت زیادہ ناپاک و کامیاب ہوا، البتہ استنباط مسائل میں فقہاء اور اس کے استعمال میں یکسان حیثیت نہیں رکھتے تھے، مثلاً حنفیہ کو اس میں بہت زیادہ شدت و غلو تھا، حنابلہ اور مالکیہ اس سے بہت کم کام لیتے تھے، شافعیہ ان دونوں فریق کے بین بین تھے، بعض ائمہ حدیث اور شیعہ اس سے الگ تھلگ رہے اور ظاہر یہ ہے کہ انکار میں نہایت غلو کیا، (۳) قیسری نزاع اجماع کے متعلق پیدا ہوئی،

فقہاء بعض مسائل پر یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ اس مسئلہ پر اجماع ہو گیا ہو، اور کتاب و سنت کی طرح اس اجماع کو بھی اصول دین میں سے ایک اصل قرار دیتے ہیں اور اس پر کتاب و سنت کے بعض نصوص جن سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جماعت سے نکلنا حرام ہے دلیل لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے صرف حلال و حرام کرنے کی مخالفت مقصود ہے امام شافعی نے اس پر خداوند تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا جو

ومن یشا قف الرسول من بعد ما  
یتبینی لا یهدی و یتبع عنبر  
جو شخص اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت ظاہر ہو گئی  
پیغمبر کی مخالفت اور مسلمانوں کے راستے کے علاوہ

سبیل المومنین فیہ ما فوق فی الفضلہ  
 دوسرے راستے کا اتباع کرتا ہوا ہم اس کو جھٹھمہ بن  
 جھٹھم و مساعت مصیبا  
 ڈالینگے اور وہ بُرا انجام ہوا

اور یہ فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے راستے کے علاوہ دوسرے راستے پر چلنا بھی اجماع کی مخالفت ہو، لیکن جب اُن کو اپنے مخالفین کے ساتھ مناظرہ کرنا پڑا تو ان کے مخالفین جس اجماع کے مدعی تھے، اس کے دھمکے ہو گئے، اور ان کو اس کا انکار کرنا پڑا، کہ فرائض مثلاً نماز، زکوٰۃ، اور تحريم حرام کے سوا جن سے کوئی شخص ناواقف نہیں رہ سکتا، اس اجماع کا وجہ نہیں ہے، لیکن خواص کا علم جس کی ناواقفیت عوام کے لیے مضر نہیں ہے، اس کے متعلق ہم صرف دو باتوں میں سے ایک بات کہہ سکتے ہیں، جس چیز کے متعلق ہم کو ان کے اختلاف کا علم نہیں ہے اس کے متعلق ہم یہ کہیں گے کہ ہم کو ان کا اختلاف معلوم نہیں ہے اور جس چیز میں اُنھوں نے اختلاف کیا ہے ہم یہ کہیں گے کہ اُنھوں نے اختلاف کیا اور جہاں کیا اس بنا پر کتاب و سنت میں سے کسی میں اگر اس کے متعلق کوئی دلیل نہ ملے حالانکہ ایسا بہت کم ہوگا تو ہم ان کے اُس قول کو لین گے جو کتاب و سنت سے مشابہ ہوگا یا اس قول کو اختیار کریں گے جو آخراذ انجام کے لحاظ سے اہل علم کے نزدیک بہتر ہوگا، لیکن جب یہ لوگ اختلاف کریں تو عیباً کہ میں نے بیان کیا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ یہ قول ایسے اشخاص سے مروی ہے جنھوں نے اس میں اختلاف کیا ہے اور اس حالت میں ہم تین اشخاص کے قول کو اختیار کریں گے دو کے قول کو نہ لین گے یا چار اشخاص کے قول کو اختیار کریں گے تین اشخاص کے قول کو نہ مانیں گے لیکن ہم اس کو اجماع نہیں کہہ سکتے کیونکہ جس شخص نے کوئی بات نہیں کہی اس کے خلاف اجماع ایک قطعی فیصلہ کی حیثیت رکھتا ہوا حالانکہ ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کہتا تو کیا کہتا اور یہ اجماع کی روایت کا ادعا ہے حالانکہ اُس نے

جس چیز نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے اس کے مخالف پائے جاتے ہیں  
 انھوں نے ایک دوسرے مناظر سے ایک سوال کیا جو مجتہدین کی شخصیت سے  
 تعلق رکھتا ہے چنانچہ انھوں نے کہا کہ وہ اہل علم کون ہیں؟ کہ جب وہ اجماع کر لیں تو  
 اُن کے اجماع سے حجت قائم ہو جائے گی، اُس نے کہا وہ وہ لوگ ہیں جن کو کسی شہر کے  
 لوگوں نے اپنا فقہ مقرر کیا، اس کے قول کو پسند کیا اور اُس کے حکم کو قبول کیا، انھوں نے  
 اس پر اُس سے ایک طویل مناظرہ کیا اس کے بعد فرمایا کہ میں اکثر شہروں میں اہل کلام  
 کو بھیلوا ہوا پاتا ہوں اور ان میں سے ہر فرقہ نے ایک ایسے ہی شخص کو مقرر کر لیا ہے جیسا کہ  
 تم نے بیان کیا ہے، تو کیا وہ لوگ بھی فقہاء ہیں ورنہ ہاں جو فقہاء، سے اس وقت تک  
 قبول نہیں کرتے جب تک کہ ان کے ساتھ جمع ہو جائیں یا یہ لوگ اُن سے خارج ہیں  
 اس کے بعد انھوں نے اجماع کی نقل کے متعلق اس سے دوسرا سوال کیا اور کہا کہ تم  
 جو یہ کہتے ہو کہ صرف اس چیز سے حجت لائی جاسکتی ہے جس پر تمام شہروں کے فقہاء نے  
 اجماع کیا ہے، تو کیا تم ان سب کے اجماع کے معلوم کرنے کا کوئی طریقہ پاتے ہو حالانکہ جب  
 تم ان سب سے پہلے لو یا عام طور پر لوگ اُن لوگوں میں ہر ایک سے روایت نہ کر لیں وہ کسی شخص  
 کیلئے حجت نہیں ہو سکتا، اُس نے کہا کہ اس قسم کا کوئی طریقہ نہیں پایا جاتا، تو میں کہتا ہوں  
 کہ اگر تم نے خاص خاص اشخاص کی روایت سے اس اجماع کو قبول کر لیا تو تم نے وہی  
 بات قبول کی جس پر تم نے اعتراض کیا ہو، اور اگر تم نے بغیر عام نقل کے ہر فقہ کے قول کو قبول  
 نہیں کیا تو جب تک کہ ہم خواص کی نقل کو قبول نہ کر لیں تمہارے قول میں اس اہل کو نہیں  
 پاتے کہ اس پر تمام شہروں نے اتفاق کر لیا ہو، کیونکہ ابتداء میں اس کا کوئی طریقہ نہیں ہو  
 اس لیے کہ تمہارے لیے وہ کسی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور اُن سے تم کو ایسی خبر نہیں مل سکتی کہ

عام طور پر لوگوں نے انکی روایت لوگوں سے کی ہو،

بظاہر امام شافعیؒ کے ایسے مکمل اجماع کے انکار کرنے کی وجہ موجود ہے کیونکہ یہ اس بات پر موقوف ہے کہ ہر ایک زمانہ کے مجتہدین کی شخصیت معلوم ہو، قائم طور پر لوگ ان کو تسلیم کریں اور جس مسئلہ میں فتویٰ دیا جاتا ہے اس کے متعلق ان میں سے ہر ایک کا قول منقول ہو اور اس سے اس قول کو ایک ایسی جماعت نقل کرے جو جھوٹ اور غلطی سے محفوظ ہو اور یہ تمام چیزیں صرف انہیں خبروں میں پائی جاسکتی ہیں جسکو وہ ”علم عامہ“ کہتے ہیں مثلاً یہ کہ مفروضہ نمازین بائچ ہیں صبح کی رکعتیں دو ہیں اور اسی کے مثل اور چیزیں لیکن جسکو ”علم خاصہ“ کہتے ہیں تو تم کو بہت کم ایسا مسئلہ مل سکتا ہو جسکے متعلق تمام آسانی کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہو کہ ایک زمانے کے مجتہدین نے اس کا جواب متفقہ طور پر دیا ہے ایسی وجہ ہے کہ امام احمدؒ سے یہ روایت مروی ہے کہ جس شخص نے اجماع کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے لیکن امام شافعیؒ کو اگرچہ اجماع کی حقیقت سے انکار ہے تاہم اگر سلف سے کوئی حکم منقول ہو اور اس کے متعلق یہ مدعا ہو کہ انہوں نے اس میں اختلاف کیا ہے تو وہ دین میں اسکو حجت سمجھتے ہیں ایسے خود حجت میں نہیں بلکہ حجت کی تبصیر میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

حقیقہ اکثر اجماع سکوتی کا ذکر بھی کرتے ہیں جسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کسی مسئلہ پر فتویٰ دیتا ہے اور دوسرے لوگ اسپر سکوت اختیار کرتے ہیں لیکن جیسا کہ حدیث کی فصل میں گذرا ہمارے نزدیک یہ لوگ اسکو حدیث کی تائید کا ایک طریقہ سمجھتے ہیں گو با اعتراض نہ کرنے سے وہ لوگ صحت حدیث پر اتفاق کر لیتے ہیں اس لیے یہ حدیث عام طور پر ان لوگوں سے مروی ہو جاتی ہے کیونکہ اگر ان کے پاس اس کے مخالف کوئی حدیث ہوتی تو وہ تردید کرنے سے باز نہ آتے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اکثر یہ کہتے ہیں کہ ہمارے



نزدیک یہ مسئلہ متفق علیہ ہے، لیکن جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں وہ بھی اسکو تاہید حدیث کا ایک طریقہ خیال کرتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں قرآن و حدیث کی نص موجود نہ ہو اور سلف اُس کے متعلق کوئی فتویٰ دین اور اس فتویٰ کے متعلق ائمہ کسے سے اختلاف معلوم نہ ہو تو جمہور فقہاء اسکو دین کے معاملے میں حجت سمجھتے ہیں جبکہ وجہ یہ ہے کہ اُن کا اتفاق عام راسے سے نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر یہ اتفاق راسے سے ہوتا تو اس میں اختلاف کیا جاتا اس بنا پر حقیقت اس کامرجع علی بالسنت ہے اور عدم اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی حدیث موجود ہے جس پر اس فتوے کا دار و مدار ہے، چنانچہ جس چیز میں علما نے اجتہاد کیا ہے اس قسم کا اتفاق بہت کم پایا جاتا ہے

(۴) چوتھی نزاع اس عظیم الشان مسئلہ میں پیدا ہوئی جس پر تکلیف کا دار و مدار ہے تمام تکلیفات شرعیہ کی بنیاد و قیود یعنی ”کرو“ اور ”نہ کرو“ پر قائم ہے جس میں پہلے کو امر اور دوسرے کو نہی کہا جاتا ہے قرآن و حدیث دونوں میں امر و نہی موجود ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان دونوں کے ادا و نواہی جس چیز پر دلالت کرتے ہیں آیا وہ لازمی ہوگی اور اس بنا پر قرآن و حدیث نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ فرض اور جس چیز کی ممانعت کی ہے وہ حرام ہوگی یا اس کے علاوہ وہ دوسرے معنی پر محمول کیے جائیں گے یہاں تک کہ اُن کے لازمی ہونے پر دوسری دلیل کی ضرورت ہوگی؟ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن و حدیث کے امر و نہی لازمی ہیں تو اگر ماور بہ عبادت اور معاملہ کے دوسرے امر کے ساتھ متعلق ہو تو کیا اس کا چھوڑ دینا اس دوسرے امر کیلئے مغل ہوگا؟ اور اگر غل ہوگا تو اس غل کی مقدار کیا ہوگی؟ اسی طرح جس چیز کی ممانعت کی گئی ہے اگر کسی دوسری چیز کے ساتھ متعلق ہو تو کیا اُس کا کرنا اُس دوسری چیز میں مؤخر ہوگا؟ اور اگر ہوگا تو اس

تاثیر کی مقدار کیا ہوگی؟ ہم اس موقع پر چند مثالیں بیان کرتے ہیں جن سے اس مسئلہ کا مقصد واضح ہو جائے گا،

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَذْكُرُوا الَّذِينَ بَلَغُوا حُلُمًا يَمَانَكُمْ  
وَالَّذِينَ لَهُمْ مِلَّةٌ مِّنكُمْ فَلَا تُحَرِّسُوا عَلَيْهِمْ  
لِيَكُنْ أَجَارَتُكُمْ طَلَبِي كَمَا يَهْدِيكُمْ إِلَيْهِمْ  
لِيَكُنْ أَجَارَتُكُمْ طَلَبِي كَمَا يَهْدِيكُمْ إِلَيْهِمْ

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ  
فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ  
اسپے منہوں کو دھو لو،

لیکن وضو کا یہ حکم ایک دوسری عبادت یعنی نماز کے ساتھ متعلق ہے،  
اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا مَتَّأْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ  
فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ  
اسپے منہوں کو دھو لو،

کنا بت کا یہ حکم بھی ایک مقصد یعنی قرض کے تحفظ کا ذریعہ ہے،  
اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ  
فَطَلِقُوهُنَّ لَعَدَّتِهِنَّ  
اسے پیچھے رہنے دو،

اس میں بھی طلاق کی ابتدائی عدت کے لحاظ رکھنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ ایک مقصد یعنی طلاق کا ذریعہ ہے تاکہ وہ مطلقہ کے نقصان کا سبب نہ بن جائے،

تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ خدا نے جس چیز کا حکم دیا وہ لازمی ہے اور جب وہ کسی چیز کے ساتھ متعلق ہو تو اس صورت میں بھی لازمی ہے اور اگر وہ چھوڑ دیا جائے تو وہ جس چیز کے ساتھ متعلق ہے اس میں اثر کرے گا یہ بیان تک کہ بغیر وضو کے نماز بغیر تحریر و کتابت کے فرض اور عورت کے حائضہ ہونے کی حالت میں طلاق باطل ہوگی

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ  
الْبَاطِلُ، اور اس جان کو جسکو خدا نے حرام کیا ہو بغیر عقی کے  
بِالْحَقِّ، قتل کرو،

اس میں جس قتل کی ممانعت کی گئی ہے وہ کسی دوسری چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہے،

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ  
وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ  
مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ تاکہ  
تم جو کچھ کہتے ہو اسکو جانو،

لیکن متواسے شخص کا نماز پڑھنا نماز کے ساتھ متعلق ہے تاکہ مناجات خداوندی کے  
ٹھیک موقع پر واقع ہو،

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ  
مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ  
مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان  
دی جائے تو خدا کے ذکر کی طرف دوڑو اور سچ کو  
وذکر اللہ، چھوڑ دو،

اور اس میں بیچ کی ممانعت نماز کی حفاظت کیلئے ہے،

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے

وان احد تمراستبدال زوج مكان  
 زوج و انتيم احد انهن قنطاراً فلا  
 تاخذوا منه شيئاً،  
 اس مال میں سے کچھ نہ لو

تو اس آیت میں جس مال کے لینے کی ممانعت کی گئی ہے اس کا تعلق طلاق کے ساتھ ہے، تو کیا اب یہ کہا جاسکتا ہو کہ ان تمام چیزوں کی ممانعت قطعی اور فرض ہے اور جب اس کا تعلق دوسری چیز کے ساتھ ہو تو وہ بھی حرام ہے؟ اور اس حرمت سے متاثر ہوئی ہے؟ اس اثر کی مقدار کیا ہے؟ کیا وہ بالکل باطل ہو جائے گی؟ یا اس میں صرف نقصان آئے گا؟ مثلاً یہ کہا جائیگا کہ آذان سننے کے بعد بیچ کرنا اور مطاقہ عورت سے مال لینا حرام ہے، اور نشہ کی حالت میں اگر ناز پڑھ لی یا ناز جمعہ کے وقت بیچ کر لی اور طلاق دینے کے بعد مال لیلیا تو اس کے اثر کی مقدار کیا ہوگی؟

احادیث میں بھی اسی قسم کے امور نہی موجود ہیں تو کیا جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے اور جن چیزوں کی ممانعت لگائی ہے وہ قطعی ہیں اور جن چیزوں کے ساتھ ان کا تعلق ہے ان کے خلاف کے اثر کی مقدار کیا ہے؟

یہ سلسلہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا بنیاد فقہ ہونے کی حیثیت سے اگرچہ نہایت اہمیت رکھتا ہے لیکن اس دور کے فقہاء نے اس پر اتفاق نہیں کیا بلکہ اس کے اجمال و تفصیل میں نہایت کثرت سے اختلافات کئے، چنانچہ امام شافعیؒ کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۲۷۲ میں فرماتے ہیں کہ قرآن، حدیث، اور عام لوگوں کے کلام میں امر کے متعدد معانی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ خداوند تعالیٰ نے پہلے ایک چیز کو حرام کیا پھر اسکو مباح کر دیا، اس لیے اس موقع پر امر کے معنی ایک حرام چیز کو حلال کر دینے کے ہیں مثلاً خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد

و اذ احللتهم فاصطادوا  
 فاذا قضيت الصلاة فانتشروا في الارض  
 وابتغوا من فضل الله  
 جب تم نے حج کا احرام کھول دیا تو شکار کرو،  
 جب نماز جمعہ ادا کی جا چکی تو زمین میں پھیل جاؤ  
 اور خدا کے فضل کی تلاش کرو،

کیونکہ خدا نے پہلے محرم پر شکار کرنا حرام کیا اور اذانِ جمعہ کے وقت بیچ کی ممانعت  
 فرمائی، پھر ان اوقات کے علاوہ جن میں ان دونوں کو حرام کیا تھا ان دونوں کو  
 مباح کر دیا،

خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد،

و اتوا النساء صدقاتهن نحلة فان  
 طبن لكم عن شيء منه نفسا فكلوه هنيئا مريئا  
 فاذا وجبت جنوا فكلوا منها  
 عورتوں کو ان کی مہر میں دوا اور اگر وہ ان میں سے  
 کچھ خوشی چھوڑ دیں تو اس کو مزے سے کھاؤ،  
 جب قربانیاں ذبح ہو چکیں تو ان میں سے کھاؤ،

اور ان کے مثل اور بہت سے ارشاداتِ قرآن مجید اور احادیث میں موجود ہیں لیکن  
 احرام کھولنے کے بعد شکار کرنا نمازِ جمعہ کے بعد تجارت کیلئے منتشر ہو جانا اگر عورت خوشی مہر کا  
 کوئی حصہ چھوڑ دے تو اس سے فائدہ اٹھانا اور ذبح ہونے کے بعد قربانی کا گوشت کھانا  
 واجب اور فرض نہیں ہے

اور خداوند تعالیٰ کے اس قول میں

وانكحوا الايامى منكم والصالحين  
 من عبادكم  
 اپنی بیواؤں اور اپنے نیک لوگوں کا نکاح  
 کر دیا کرو،

یہ احتمال ہے کہ نکاح کے ذریعہ سے ان لوگوں کی جو بھلائی متصور ہے اس کا راستہ  
 دکھلایا ہو کیونکہ خداوند تعالیٰ کا یہ قول

ان لیکنوا افتراء یغنیهم اللہ اگر وہ محتاج ہوں گے تو خداوند تعالیٰ اپنے فضل سے  
من فضلہ اُن کو دولت مند بنا دیگا

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نکاح عفت اور دولت کا سبب ہو سکتا ہے  
جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں

سافر و اتصحا و نذر ذقوا سفر کرنا کہ تھیں صحت اور رزق حاصل ہوا  
صرف ان چیزوں کا راستہ دکھایا گیا ہے، صحت اور رزق کیلئے سفر کرنا فرض  
نہیں ہے

اور یہ بھی احتمال ہے کہ نکاح کا حکم فرض ہو، اور خدا نے جو چیزیں فرض  
کی ہیں اس میں بھلائی ہی ہے، اس لیے فرض اور بھلائی دونوں ایک جگہ  
جمع ہو سکتے ہیں

اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ جب تک قرآن حدیث، یا اجماع سے یہ  
ثابت ہو کہ امر سے تعلیم مراد ہے، اس لیے وہ فرض ہے جس کا چھوڑنا جائز نہیں  
تمام امر کے معنی اباحت اور بھلائی کا راستہ دکھانے کے ہیں مثلاً خداوند تعالیٰ  
کا یہ قول،

واقیموا الصلوة واتوا الزکوة نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ فرض ہے، ان ارشادات میں

خذ من اموالہم صدقة اُن کے مال سے صدقہ لو

وامتوا الحج والعمرة للہ خدا کیلئے حج اور عمرہ کو پورا کرو

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع اور خدا کیلئے لوگوں پر یعنی ان لوگوں پر جب کہ سفر

البیہ سبیل

کی استطاعت ہو خانہ کعبہ کا حج فرض ہو

خدا نے امر کے سلسلہ میں حج اور عمرہ دونوں کا ذکر ایک ہی ساتھ کیا ہے، لیکن فرض میں حج کو الگ کر لیا ہوا، اس لیے اکثر اہل علم نے عمرہ کو صرف فرض نہیں کہا ہے، گو ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی مسلمان اُسکو چھوڑ دے، اور قرآن مجید میں اس قسم کی مثالیں بہت سی ہیں

اور خداوند تعالیٰ نے جس چیز کی مانعت کر دی ہے، جب تک یہ ثابت ہو کہ اس نہی سے حرم مراد نہیں بلکہ ارشاد تنزیہی یا ادب مراد ہے اس وقت تک وہ حرام بھی جائے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں سے مانعت فرمائی ہے انکی بھی یہی حال ہے

اور جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ جب تک دلیل سے یہ نہ ثابت ہو کہ امر فرض ہے اس وقت تک وہ غیر فرضیت پر رہے گا اس سے اُن کی مراد ہے کہ امر نہی میں جو فرق ہم نے بیان کیا ہے، اس پر وہ دلالت ہو اور ہم نے قرآن و حدیث کی ابتدا میں جو کچھ بیان کیا اور اُن کے امثال سے اس لیے خاموشی اختیار کی کہ جو کچھ ہم نے بیان کر دیا وہ اس چیز کیلئے کافی ہے جسکو ہم نے بیان نہیں کیا، سفیان نے محمد بن عجلان سے راویوں اپنے باپ سے اور راویوں نے حضرت ابو ہریرہ سے ہم کو خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جب تک میں تمکو چھوڑے رکھوں تم بھی مجھے چھوڑے رکھو کیونکہ جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ کثرتِ حالات اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے تو میں تم کو جو حکم دے اس پر جان تک تم استطاعت رکھتے ہو عمل کرو، اور جس چیز سے میں تم کو روکوں اُس سے باز آؤ“ یہ بھی احتمال ہے کہ امر نہی کے معنی میں ہو اس لیے دونوں باہم لازم و ملزوم ہوں

البتہ اس صورت میں یہ تلازم نہوگا جب کسی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ دونوں لازم و ملزوم نہیں، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کہ ہر امر پر حسب استطاعت عمل کرو، یہ مطلب ہوگا کہ تم کو صرف اس امر پر عمل کرنا چاہیے جو تمہاری استطاعت میں ہو، کیونکہ لوگوں کو صرف اُن افعال کی تکلیف دی گئی ہے جو اُن کی استطاعت میں ہیں اور خود فعل کی حقیقت ہی میں استطاعت داخل ہے کیونکہ وہ یہ تکلف کیا جاتا ہو لیکن انسان جس چیز کو چھوڑنا چاہے وہ اُسکی استطاعت میں داخل ہو کیونکہ اسکو کوئی ایسا کام کرنا نہیں پڑتا جسکی نسبت یہ کہا جائے کہ یہ ایک چیز ہے جس سے وہ باز آتا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت علم حدیث کی معرفت کے وقت اہل علم کا یہ فرض ہے کہ ان دلائل کی جستجو کریں جس سے ایک ساتھ مروی میں فرض مباح اور غیر مفروض ارشاد و ہدایت کا فرق معلوم کر سکیں، امام شافعیؒ رسالہ میں فرماتے ہیں کہ نبی کے کبھی کچھ معنی ہوتے ہیں اور کبھی کچھ اور یہ صرف استدلال سے معلوم ہو سکتا ہے انھوں نے اس کی چند مثالیں بھی دی ہیں اور ہم اس موقع پر ان میں سے بعض کو اس لیے درج کرتے ہیں کہ وہ ان کی بقیہ مثالوں پر بھی دلالت کر سکیں

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے، اُسکے بعد انھوں نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلالت سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ نبی کے معنی کچھ اور ہیں تو اس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا کہ آدمی نے جب سے منگنی شروع کی ہے اُس کے چھوڑ دینے تک ایک آدمی کا دوسرے آدمی کی منگنی کرنے پر منگنی کرنا حرام ہے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایک جواب ہو جس سے آپ نے ایک معنی



مراد یہ ہوں لیکن جس راوی نے یہ حدیث بیان کی ہو اُس نے اُس سبب کو نہ سنا ہو جسکی بنا پر آپؐ ایسا ارشاد فرمایا اس لیے اُس نے حدیث کے بعض حصے کو تو بیان کیا اور بعض کو چھوڑ دیا یا بعض حصے میں اسکو شک واقع ہوا اور جس چیز میں یہ شک واقع ہوا اُس سے اُس نے خاموشی اختیار کی یعنی رسول اللہ ﷺ کے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا کہ اُس نے ایک عورت سے منگنی کی اور وہ اُس سے راضی ہو گئی اور اس سے نکاح کی اجازت دیدی اُس کے بعد اس کو دوسرے شخص نے نکاح کا پیغام دیا جو اسکے نزدیک پہلے سے بہتر تھا، اب وہ پہلے سے جس کے ساتھ اُس نے نکاح کی اجازت دیدی تھی پھر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی خاص حالت میں دوسرے شخص کو عورت کے پیغام نکاح دینے سے منع فرمایا کیونکہ یہ ہو سکتا ہو کہ اُس نے پہلے جس شخص کے نکاح کی اجازت دیدی ہے اس سے پھر کر دوسرے کو پسند کر لے لیکن وہ دوسرا اُس سے نکاح نہ کرے، اس لیے اس سے عورت کے حق میں بھی خبرانی پیدا ہوگی اور اس شخص کے حق میں بھی جسکے ساتھ اُس نے نکاح کی اجازت دیدی تھی اس کے بعد انھوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث روایت کی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابو جہم نے اُن سے نکاح کا پیغام دیا ہو لیکن آپؐ نے فرمایا کہ ”ابو جہم تو ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں اور معاویہ ایک مفلس آدمی ہیں تم اسامہ بن زید سے نکاح کرو“ اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ آپؐ کو یہ معلوم تھا کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کے بعد ان کو پیغام نکاح دیا تھا لیکن جب آپؐ نے ان دونوں کو منع نہیں کیا اور اُن سے یہ نہیں فرمایا کہ ان میں ایک کو پیغام نکاح دینے کا اس وقت تک حق حاصل نہ تھا جب تک دوسرا اپنے پیغام نکاح کو ترک نہ

کر دے اور آپ نے ان دونوں کے پیغام نکاح کے بعد ان کو اسامہ بن زید کے نکاح کے لیے پیغام دیا، تو اُس سے ہم نے بطور استدلال کے یہ نتیجہ نکالا کہ انھوں نے نکاح پر رضامندی ظاہر نہیں کی تھی، اور اگر وہ کسی سے رضامند ہو چکی ہو تو آپ کے ساتھ ان کو نکاح کا حکم دیتے اور یہ کہ انھوں نے آپ کو اس پیغام نکاح کی خبر پہلے دی تھی کہ انھوں نے اب تک نکاح کی اجازت نہیں دی تھی اور غالباً آپ مشورہ طلب کیا تھا، اور اجازت نکاح کے بعد ایسا مشورہ طلب نہیں کر سکتی تھیں، لیکن جب آپ کو اسامہ بن زید کے نکاح کا پیغام دیا تو اُس سے ہم نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ نے جس حالت میں نکاح کا پیغام دیا وہ اُس سے مختلف تھی جس میں آپ نے پیغام نکاح دینے کی ممانعت فرمائی تھی اور اس قسم کی حالت جس میں ایک کی منگنی حلال اور دوسرے کی حرام ہو صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے جب اُس نے ولی کو اجازت نکاح دینی اور اگر ولی نے اس کا نکاح کر دیا تو اس کے شوہر کیلئے یہ حق ہے کہ اس کو نکاح کا پابند بنائے اور ولی کیلئے بھی ایسا ہی کرنا ضروری ہے، اور وہ عورت اُس کے لیے حلال ہوگی لیکن اس کے پہلے عورت کی حالت یکساں ہے اور جب تک وہ اجازت نہ دے ولی کو اُس کے نکاح کا حق حاصل نہیں، اور اُس کے ایمان یا عدم میلان دونوں برابر ہیں، غرض امام شافعیؒ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں منگنی کی ممانعت کی گئی ہے، وہ وہ ہے جب عورت ولی کو نکاح کی اجازت دیدے تاکہ ولی کا معاملہ جائز ہو جائے، لیکن جب تک خود ولی کا معاملہ جائز نہ ہو عورت کی ابتدائی اور انتہائی دونوں حالت یکساں ہے۔

بعض فقہاء کا قول ہے کہ جب عورت منگنی کرنے والے کی طرف مائل ہو تو اس صورت میں دوسرے کو منگنی کرنے کا حق حاصل نہیں، امام شافعیؒ نے جو یہ قید لگائی ہے کہ یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب وہ ولی کو نکاح کرنے کی اجازت دیدے، ان لوگوں نے اسکی جگہ

یہ قید لگائی ہو، یہ امام مالک اور ابو حنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ کی رائے ہے، چنانچہ امام مالک اس حدیث کو موطا میں روایت کر کے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی کہ ”تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی سنگنی پر سنگنی نہ کرے“ ہماری رائے میں تفسیر یہ ہے کہ ایک آدمی ایک عورت کو پیغام نکاح دے اور وہ اس کی طرف میلان ظاہر کرے اور دونوں کا اتفاق ایک عین مہر پر ہو جائے اور وہ دونوں اس پر راضی ہوں اور وہ عورت مرد کو اس پر اپنا پابند بنانا چاہے ایسی حالت میں آپ نے دوسرے شخص کو پیغام نکاح دینے کی ممانعت فرمائی ہے، آپ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب ایک مرد عورت کو پیغام نکاح دیا اور اس نے نہ اس سے موافقت کی نہ اس کی طرف میلان ظاہر کیا تو ایسی حالت میں بھی دوسرا شخص اس کو پیغام نکاح نہیں دے سکتا، کیونکہ اس سے لوگوں کے معاملات میں خرابی پیدا ہو جائے گی

دونوں اماموں کے طریقے اگرچہ مختلف ہیں لیکن دونوں نے مطلق حدیث کو مقید کیا ہے، امام مالک نے اس میں اس لیے قید لگائی ہے کہ اس سے لوگوں کے معاملات میں خرابی واقع ہوگی اور امام شافعی نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث کے رو سے اس کو مقید کیا ہے، لیکن بعض فقہاء نے اس ممانعت کو حالت اطلاق ہی میں رکھا ہے اور ان کا یہ قول ہے کہ جب ایک عورت کو ایک شخص نے پیغام نکاح دیدیا تو جب تک وہ اس کو چھوڑ نہ دے دوسرے کے لیے اس سے سنگنی کرنا جائز نہیں، لیکن اگر کسی نے اس حدیث کی مخالفت کر کے نکاح کر لیا تو اس کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک چونکہ یہ ممانعت حرمت کیلئے نہیں ہے، بلکہ کراہت کیلئے ہے اس لیے نکاح جائز ہو جائیگا، لیکن بعض فقہاء کے نزدیک نکاح کو

فسخ کر دیا جائیگا، امام مالک سے یہ دونوں قول مروی ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ زنا سے پہلے نکاح فسخ ہو جائیگا اور زنا کے بعد قائم رہے گا، اور یہ اختلافات جیسا کہ ہم ابھی بیان کر آئے ہیں خود نہیں بین اختلافات کا نتیجہ ہیں

ایک دوسری مثال جہین فرض کو فرضیت لگا لگا ہے یہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ ہر بالغ پر جمعہ کا غسل واجب ہے اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ میں آئے اُس کو غسل کر لینا چاہیے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال کے دو معنی ہو سکتے ہیں پہلا معنی جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ نماز جمعہ کیلئے بغیر غسل کے طہارت کافی نہیں ہو سکتی جس طرح جہنی کیلئے غسل کے سوا کوئی طہارت کافی نہیں ہوتی دوسرے معنی یہ ہیں کہ پاکیزگی اخلاق اور صفائی طبع کے لحاظ سے وہ واجب ہے اور آدمی کو چاہیے کہ اس کو پسند کرے اس حدیث کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن حضرت عثمان بن عفانؓ مسجد میں آئے اور حضرت عمر بن الخطابؓ خطبہ دے رہے تھے اور ان سے اُنھوں نے فرمایا کہ یہ کیا وقت ہے بولے کہ اے امیر المومنین میں بازار سے پلٹا تو اذان سنی اور وضو سے زیادہ کچھ نہ کر سکا بولے و صرف وضو حالانکہ تم کو یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیتے تھے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کو یہ یاد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیتے تھے اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت عثمانؓ کو اس حکم کا علم تھا پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو یہ حکم یاد بھی دلایا اور حضرت عثمانؓ کو وہ معلوم بھی ہو گیا، اس لیے اگر کسی شخص کو یہ خیال ہو کہ حضرت عثمانؓ کو یہ حکم یاد نہ تھا تو نماز سے پہلے حضرت عمرؓ نے اُن کو یاد دلادیا

لیکن با این ہمہ جب غسل کے نہ کرنے سے حضرت عثمانؓ نے ناز ترک نہ کی اور حضرت عمرؓ نے ان کو باہر نکل کر غسل کرنے کا حکم نہ دیا، تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ ان دونوں بزرگوں کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم اختیاری تھا، یہ نہیں کہ اس کے سوا دوسری طہارت اُس کے لیے کافی نہیں ہو سکتی خلاصہ یہ کہ شریعت کے ادا و نفاذ سے استنباط احکام میں فقہاء کے درمیان اختلاف تھا، کبھی وہ اسکو فرض تحریم پر باقی رکھتے تھے اور کبھی اسکو فرضیت و تحریم سے نکال کر استحباب اور کراہت کی طرف لاتے تھے اور کبھی اس سے صرف ہدایت و ارشاد کے معنی مراد لیتے تھے اور یہ سب کچھ قرینہ، استدلال اور رائے سے کرتے تھے، چنانچہ اس موقع پر ہم چند مثالیں درج کرتے ہیں جن سے استنباط فقہان کی وقت نظری ظاہر ہوگی

شارع نے معاملہ کو اُن کے مسببات کا سبب قرار دیا ہو، مثلاً اُسے بیع کو اس بات کا سبب قرار دیا کہ اس سے فروخت شدہ چیز کی ملکیت مشتری کو اور قیمت بائع کو حاصل ہو جائے اور بیع میں ہونے والی چیز کا حق ثابت ہو جائے اور وہ تمام قرضوں پر مقدم قرار دیا جائے، اس کے علاوہ دوسری معاملات میں جو شارع نے جائز کیا ہو اور انکو ایک چیز کا سبب بنایا ہو، لیکن جب معاملات کسی موضوع کے ساتھ متصف ہو جائیں تو شارع اُن کی حمانعت کر دیتا ہے مثلاً سود کو وہ ناجائز قرار دیتا ہو، اور اداسے قیمت کے لیے ایک نامعلوم مدت کی تعیین سے منع کرتا ہے، تو کیا اس صورت میں یہ معاملات اپنے مسببات کا سبب نہیں ہو سکتے اور وہ بالکل باطل ہو جاتے ہیں جن کے ذریعہ سے نہ تو انتقال ملکیت ہوتا اور نہ کوئی حق ثابت ہوتا، بعض فقہاء کا یہی خیال ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے اصحاب نے اس پر ایک دقیق نظر ڈالی ہے اور ان کا قول ہے کہ بیع کو مثلاً شارع نے ایک چیز یعنی انتقال ملکیت کا سبب قرار دیا ہو اور کسی کردہ صحت کے

عارض ہو جانے سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کی بیع کرنا حرام ہے لیکن ان دونوں سببات میں کوئی تناقض نہیں ہے اور ان میں ہر ایک کا اثر ایک ساتھ ظاہر ہو سکتا ہے، اور اس طریقہ سے ایک ایسی بیع کا وجود ہوتا ہے جو ایک وقت میں حرام بھی ہو سکتی ہے، اور اس سے انتقال ملکیت بھی ہو جاتا ہے، البتہ ان لوگوں نے حصول ملکیت کیلئے قبضہ کی شرط لگائی ہے، اور اس قسم کی بیع کو فاسد کہتے ہیں اور ان کا قول ہے کہ نہی کے اثر کے زائل کرنے کے لیے بائع و مشتری پر یہ فرض ہے کہ وہ بیع کو فسخ کر دیں، لیکن اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا اور مشتری نے فروخت شدہ چیز میں تصرف کیا تو اس کا یہ تصرف اُس ملکیت میں ہو گا جو اس نے بیع کے ذریعہ سے حاصل کی ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے اس مسلک کی بنیاد صرف اس پر نہیں ہے، بلکہ طلاق کے معاملے میں خود شارع نے بھی یہی روش اختیار کی ہے، کیونکہ طلاق ایک شرعی تصرف کا نام ہے جو اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے زوجیت کا رشتہ توڑ دیا جائے اور شارع نے یہ حکم دیا ہے کہ طلاق حالتِ طہرین دینا چاہیے جس میں شوہر نے بی بی کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، اس بنا پر جائزہ عورت کا طلاق ممنوع ہے، لیکن باوجود اس کے جب حضرت ابن عمرؓ نے ایسا کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اُن کو حکم دیا کہ وہ اپنی عورت سے رجعت کر لیں، اور باوجودیکہ انھوں نے حالتِ حیض میں طلاق دی تھی لیکن آپ نے اس کا اعتبار کیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی مکروہ و صغیر کے عارض ہو جانے کی بنا پر تصرف شرعی سے جو مانع کر دی جاتی ہے، وہ اسکی سیئت کو باطل نہیں کرتی، جو لوگ ممنوعہ طلاق کا اعتبار کرتے ہیں لیکن ممنوعہ بیع کا اعتبار نہیں کرتے ان کی تردید کے لیے یہ قول نہایت مناسب ہے، کیونکہ عقلی حیثیت سے ان دونوں کی حیثیت

ایک ہے، لیکن اہل ظاہر کی مخالفت میں اس سے کام نہیں چل سکتا کیونکہ وہ تمام ممنوعہ تصرفات شرعیہ کے متعلق ایک کلی رائے رکھتے ہیں اور ان کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے، یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک حائضہ عورت کی طلاق جائز نہیں، کیونکہ شریعت میں اس کی نہی وارد ہوئی ہے اور پہلا فرق جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمرؓ کی طلاق کو جائز قرار دیا تھا اس کی صحت پر ان کو اعتراض ہے۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے سعادتی قرض کے لیے دستاویز لکھنے کا حکم دیا ہے اور اسکو نہایت تاکید کے ساتھ جیسا کہ آیت دین سے معلوم ہوتا ہے بیان کیا ہے، لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک قرض کیلئے دستاویز لکھنا واجب نہیں ہے اور یہ امر صرف ارشادِ وہابیت کیلئے ہے اس لیے جس نے ایسا کیا اس نے اپنے لیے ایک احتیاط کی، لیکن جس نے اس پر عمل نہیں کیا اس پر کوئی گناہ نہیں صرف اس نے ایک احتیاط کو ترک کر دیا،

ان لوگوں نے یہ نتیجہ اخیر آیت میں خداوند تعالیٰ کے اس قول سے نکالا ہے،  
فان امن بعضکم بعضا فلیقوالذی  
اوقن امانتہ، اگر تم میں ایک دوسرے کو امین بنائے تو جو شخص امین بنایا گیا ہو اسکو چاہیے کہ اپنی امانت ادا کرے۔

لیکن اہل ظاہر نے ان کی مخالفت کی ہے اور ان کے نزدیک قرض کے لیے دستاویز لکھنا تمام وجہات و امور ہما کی طرح واجب ہے اس لیے جو شخص دستاویز نہ لکھے گا وہ گناہگار ہوگا، لیکن غالباً وہ لوگ اس میں یہ قید لگائیں گے کہ جب ائمن مدیون کو امانت دے گا نہ سمجھے تو دستاویز لکھنا واجب ہے جیسا کہ اخیر آیت سے سمجھا جاتا ہے،

مسئلہ امر وہی کی بحث ان اختلافات کے ساتھ جو ان کے ذریعہ سے استنباط احکام میں پیدا ہوئے ہیں نہایت طویل ہے اور اس موقع پر اس کا استقصا نہیں کیا جا سکتا۔

ایک دیکھا ہے۔  
میں نے اہل ظاہر کی مخالفت میں اس سے کام نہیں چل سکتا کیونکہ وہ تمام ممنوعہ تصرفات شرعیہ کے متعلق ایک کلی رائے رکھتے ہیں اور ان کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے، یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک حائضہ عورت کی طلاق جائز نہیں، کیونکہ شریعت میں اس کی نہی وارد ہوئی ہے اور پہلا فرق جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمرؓ کی طلاق کو جائز قرار دیا تھا اس کی صحت پر ان کو اعتراض ہے۔  
اس کی ایک مثال یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے سعادتی قرض کے لیے دستاویز لکھنے کا حکم دیا ہے اور اسکو نہایت تاکید کے ساتھ جیسا کہ آیت دین سے معلوم ہوتا ہے بیان کیا ہے، لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک قرض کیلئے دستاویز لکھنا واجب نہیں ہے اور یہ امر صرف ارشادِ وہابیت کیلئے ہے اس لیے جس نے ایسا کیا اس نے اپنے لیے ایک احتیاط کی، لیکن جس نے اس پر عمل نہیں کیا اس پر کوئی گناہ نہیں صرف اس نے ایک احتیاط کو ترک کر دیا،  
ان لوگوں نے یہ نتیجہ اخیر آیت میں خداوند تعالیٰ کے اس قول سے نکالا ہے،  
فان امن بعضکم بعضا فلیقوالذی  
اوقن امانتہ، اگر تم میں ایک دوسرے کو امین بنائے تو جو شخص امین بنایا گیا ہو اسکو چاہیے کہ اپنی امانت ادا کرے۔  
لیکن اہل ظاہر نے ان کی مخالفت کی ہے اور ان کے نزدیک قرض کے لیے دستاویز لکھنا تمام وجہات و امور ہما کی طرح واجب ہے اس لیے جو شخص دستاویز نہ لکھے گا وہ گناہگار ہوگا، لیکن غالباً وہ لوگ اس میں یہ قید لگائیں گے کہ جب ائمن مدیون کو امانت دے گا نہ سمجھے تو دستاویز لکھنا واجب ہے جیسا کہ اخیر آیت سے سمجھا جاتا ہے،  
مسئلہ امر وہی کی بحث ان اختلافات کے ساتھ جو ان کے ذریعہ سے استنباط احکام میں پیدا ہوئے ہیں نہایت طویل ہے اور اس موقع پر اس کا استقصا نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن ہم نے جو کچھ بیان کر دیا، اس سے یہ کافی طور پر معلوم ہو جاتا ہے، کہ وہ نزاع کا ایک سید ان اور اختلافات کے اسباب میں ایک سبب ہے، اور اُس کے ذریعہ سے ان لوگوں کے درمیان فرق ظاہر ہو جاتا ہے، جن میں ایک فریق روح فقہ کا لحاظ رکھتا ہے، اور دوسرا فریق صرف نصوص کے الفاظ و عبارت کو دیکھتا ہے۔

### ۴۔ تدوین اصول فقہ،

اصل احکام میں جو اختلافات پیدا ہوئے ان کی وجہ سے فقہاء نے اصول فقہ کی تدوین کی جو اُن قواعد کا نام ہے جن کی پیروی ہر مجتہد استنباط احکام میں کرتا ہے، تاریخ ابی یوسف اور محمد بن حسن میں مذکور ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے ان اصول کے متعلق کتابیں لکھی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ہم تک اُن کی کوئی کتاب نہیں پہنچ سکی، اس کے متعلق ہم تک جو کچھ پہنچا ہے، اور اس علم کا اصلی سنگ بنیاد اور عظیم الشان ذخیرہ بحث خیال کیا جاتا ہے، وہ امام شافعی کا رسالہ ہے جس میں انھوں نے حسب ذیل امور سے بحث کی ہے:

(۱) قرآن اور اس کا بیان،

(۲) حدیث اور قرآن مجید کے مقابلہ میں اس کا درجہ،

(۳) ناسخ اور منسوخ،

(۴) علل احادیث،

(۵) خبر واحد،

(۶) اجماع،

DR  
2/4/69



(۷) قیاس

(۸) اجتہاد

(۹) استحسان

(۱۰) اختلاف

انھوں نے پہلی فصل میں قرآن مجید کے بیان کی کیفیت لکھی ہے اور اس کی متعدد قسمیں قرار دی ہیں، مثلاً

(۱) خدا نے اس کو لوگوں کے لیے نصاً بیان کر دیا ہو مثلاً تمام فرائض

(۲) خدا نے قرآن مجید کے ذریعہ سے اُس کو فرض کر دیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی زبان سے اس کی کیفیت بیان کی ہو، مثلاً نمازوں کی تعداد،

(۳) اس کے متعلق خود خدا کا کوئی تصریحی حکم نہ ہو بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس طریقہ کو مقرر کیا ہو،

(۴) خداوند تعالیٰ نے اُسکی طلب و جستجو کیلئے بندوں پر اجتہاد فرض کر دیا ہو اور اس

اجتہاد کے ذریعہ سے ان کی اطاعت کی آزمائش مقصود ہو جیسا کہ اس نے اور فرائض

میں ان کی اطاعت کا امتحان لیا ہے،

امام شافعی نے ان میں ہر قسم کے سمجھانے کے لیے کافی مثالیں دی ہیں اُس کے

بعد انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور اوس میں کوئی خیر

بجز عربی کے اور کسی زبان میں نہیں بیان کی گئی ہے اور جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہو

کہ قرآن مجید میں عربی اور عجمی دونوں قسم کے الفاظ ہیں ان کے ساتھ بحث کی ہو اس سے

یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ جس طرح عرب اپنے کلام کے معنی سمجھتے ہیں اسی طرح قرآن مجید بھی سمجھا

جائے گا، اور عرب کا طریقہ کلام یہ ہے کہ وہ کبھی ایسا فقرہ بولتے ہیں جس سے بظاہر عموم سمجھا جاتا ہے اور عموم مقصود بھی ہوتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اس کی مثال یہ ہے:

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدْهُ وَهُوَ عَلَىٰ خَدَائِقِهَا خَالِقٌ ۚ

ہر چیز کا خالق ہے اس لیے اس کو پوجو اور وہ کل شئی کیل،

لیکن کبھی اس سے بظاہر عموم سمجھا جاتا ہے، لیکن مقصود خاص ہوتا ہے قرآن مجید میں اس کی مثال یہ ہے:

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ ۖ

وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگ تمہارے لیے جمع ہوئے ہیں

حالانکہ نہ تمام لوگوں نے ایسا کہا تھا اور نہ تمام لوگ جمع ہوئے تھے،

کبھی بظاہر کلام سے ایک معنی سمجھے جاتے ہیں لیکن سابق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظاہری معنی مراد نہیں، مثلاً

وَأَسْأَلُ الْعَتَرَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا ۖ

اس گائون سے پوچھوں جن میں ہم تھے اور اس فافلے سے جس میں ہم آئے

لیکن سابق سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل قریہ اور اہل قافلہ مراد ہیں

کبھی ظاہر قرآن سے عموم سمجھا جاتا ہے، لیکن سنت اس کی تخصیص پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ آیت درامت سے بظاہر عموم مفہوم ہوتا ہے لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض باپ، بعض لڑکے اور بعض میان بوی مراد ہیں، یعنی وہ باپ، وہ لڑکے وہ میان بوی جن کا دین ایک ہو اور ان دونوں میں سے دارش قاتل یا غلام نہ ہو

اس کے بعد انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ خود خداوند تعالیٰ کے حکم سے حدیث پر

عمل کرنا فرض ہے اور خداوند تعالیٰ کے ان ارشادات میں

ويعلمهم الكتاب والحكمة  
واذ كن من بيني في ميثق  
من آيات الله والحكمة،  
اور پیغمبر لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہو،  
اور تمھارے گھروں کے اندر آیات اللہ اور حکمت کی جو  
تلاوت کی جاتی ہو اس کو اسے ان ذرائع مطہرات  
یاد کرو،

حکمت سے یہی حدیث مراد ہے

انھوں نے حدیث کے حجت ہونے پر نہایت تفصیل کے ساتھ دلیل قائم کی ہے  
اس کے بعد یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں قرآن مجید کے ساتھ  
دو قسم کا تعلق رکھتی ہیں ایک تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہ قرآن مجید کی  
آیات کا اتباع کیا ہے، دوسرے محلات قرآنہ کی تشریح کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ  
خداوند تعالیٰ نے ان کو کیونکر فرض کیا ہے؟ وہ عام ہیں یا خاص؟ اور بندوں کو ان پر کیونکر  
عمل کرنا چاہیے؟ لیکن ان دونوں صورتوں میں آپ نے کلام الہی کی پیروی کی ہے، اس کے  
بعد انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ حدیث کی ایک تیسری قسم بھی ہے یعنی وہ حدیثیں جن کے  
متعلق قرآن مجید میں کوئی نص موجود نہیں، اور اسی میں اختلاف ہے بعض لوگ اس کو  
جائز رکھتے ہیں، اور بعض لوگوں کے نزدیک کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس کی اصل قرآن مجید  
میں موجود نہ ہو، اس لیے آپ نے جس چیز کو حلال یا حرام کیا وہ خداوند تعالیٰ کے ارشاد  
کی تفسیر ہے، جیسا کہ آپ نے نماز کی تشریح فرمائی ہے، اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کی  
خدمت میں ان حدیثوں کے متعلق خداوند تعالیٰ کا پیغام پہنچا اور خداوند تعالیٰ ہی کے  
فرض کرنے سے وہ حدیثیں مسنون ہوئیں، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تمام حدیثیں

بطور الہام کے آپ کے دل میں ڈالی گئیں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان میں جو صورت بھی ہو، لیکن خداوند تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت بہر حال فرض کر دی ہے، اس کے بعد انھوں نے نسخ و منسوخ پر بحث کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ رحمت کے لیے قرآن مجید کبھی کبھی منسوخ ہو جاتا ہے یعنی خداوند تعالیٰ نے ابتدا میں جو احسان کیا تھا اس میں بندوں کے لیے اضافہ و توسیع کر دیتا ہے، لیکن قرآن مجید کا نسخ صرف قرآن مجید ہی سے ہو سکتا ہے، حدیث قرآن مجید کو منسوخ نہیں کر سکتی بلکہ وہ خود قرآن مجید کی تابع ہوتی ہے، کبھی بعینہ نص قرآن کا اتباع کرتی ہے، کبھی اس کے مجملات کی تشریح کر کے خداوند تعالیٰ کے مراد معنی کو بتاتی ہے، اسی طرح حدیث کا نسخ بھی صرف حدیث ہی سے ہو سکتا ہے، انھوں نے اس پر جو دلیل قائم کی ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی رائیں جو حدیث سے کم درجہ رکھتی ہیں حدیث کو منسوخ نہیں کر سکتیں، البتہ وہ قرآن مجید سے منسوخ ہو سکتی ہیں، لیکن اس وقت ایک ایسی حدیث کا ہونا ضروری ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ منسوخ ہے، انھوں نے یہ احتیاط اس لیے کیا ہے کہ کہیں لوگ صرف عموماً قرآن پر عمل کر کے ان کی تخصیص حدیثوں کو نہ چھوڑ دیں اور یہ دلیل لائیں کہ عموماً قرآن نے تخصیص حدیث کو منسوخ کر دیا ہے چنانچہ انھوں نے اس کی توضیح کر دی ہے، اس کے بعد انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ کبھی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ایک آیت قرآنی دوسری آیت سے منسوخ کر دی گئی ہے، مثلاً آیت وصیت اور آیت میراث کے متعلق اس مشہور حدیث

دارث کیلئے وصیت نہیں ہے

کا وصیت لوارث

سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ وارث نے وصیت کو منسوخ کر دیا ہے اس لیے والدین اور

اور اقارب کیلئے وصیت فرض نہیں ہے لیکن طاؤس اور ان کے ساتھ چند لوگ یہ کہتے ہیں کہ والدین کیلئے تو وصیت منسوخ ہے، اور قرابت کی وجہ سے غیر ورثہ کے لیے ثابت ہے اس کے بعد انھوں نے اُن فرائض کی چند مثالیں دی ہیں جنکو خداوند تعالیٰ نے نصاً نازل فرمایا ہے اور وہ فرائض منصوصہ بھی بیان کیے ہیں جن کو اُن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں، اور اس فرض منصوص کا بھی ذکر کیا ہے جسکی نسبت حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے خاص مراد ہے، اس کے بعد انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ باوجود عدم قرآن کے فہم ابالاتفاق قاتل کو مقتول کی وراثت نہیں ملواتے اور یہ ایک ایسی دلیل ہے جس سے لازمی طور پر اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں فرق و امتیاز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جب خداوند تعالیٰ کے ایک فرض منصوص کے متعلق ان کا یہ درجہ ہے اور ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ فرض صرف بعض لوگوں کے لیے ضروری ہے بعض لوگوں کے لیے نہیں ہے تو اس کے مثل قرآن مجید کے اور فرائض کا بھی یہی حال ہوگا اور جو احکام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیے ہیں، اور ان کی نسبت خود خداوند تعالیٰ کا کوئی حکم نہیں ہے، ان کی بھی یہی حالت ہوگی اور ایک عالم کو انکی فرضیت میں بطریق اولیٰ شک نہیں کرنا چاہیئے اور یہ جاننا چاہیئے کہ احکام الہی اور احکام نبوی میں اختلافات نہیں ہوتا، اور دونوں ایک ہی روش پر چلتے ہیں

اس کے بعد انھوں نے علل حدیث کا بیان کیا ہے، اور ایک گناہم شخص کے عترت سے اسکی ابتدا اس طرح کی ہے کہ بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ قرآن مجید میں بھی اسی قسم کی تصریح موجود ہے، اور بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ قرآن مجید میں اجمالاً اسی کے مثل نص پائی جاتی ہے، بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کا اکثر حصہ قرآن مجید سے ماخوذ ہے، اور

بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کے متعلق قرآن مجید میں کچھ مذکور نہیں ہے، بعض احادیث بالاتفاق تسلیم کی جاتی ہیں اور بعض میں اختلافات ہیں، بعض حدیثیں باہم ناسخ و منسوخ ہیں اور بعض میں اختلافات ہیں جن میں ناسخ و منسوخ ہر کوئی دلالت نہیں ہے، بعض حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی موجود ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے جس چیز سے مانعت کر دی وہ حرام ہے، لیکن بعض حدیثوں کی یہی نہی کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ آپ کے امر و نہی اختیار ہی ہیں تحریمی نہیں ہیں پھر تم لوگ بعض مختلف حدیثوں کو تولیتے ہو اور بعض کو نہیں لیتے اور تم لوگ آپ کی بعض حدیثوں پر قیاس کرتے ہو اور تمہارے اس قیاس میں اختلاف ہوتا ہے، لیکن بعض حدیثوں کو چھوڑ دیتے ہو اور اس پر قیاس نہیں کرتے تو اس قیاس کرنے اور نہ کرنے پر ٹھاری کیا حجت ہے؟ اس کے بعد تم میں اختلافات ہو جاتے ہیں اور تم میں بعض لوگ ایک حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور اسی کے مثل یا اس سے زیادہ ضعیف الایسا حدیث کو لے لیتے ہیں

علل حدیث کی توضیح کے بعد انھوں نے حدیث کے ناسخ و منسوخ پر بحث کی اور اس کی بہت سی مثالیں دی ہیں اور متعدد حدیثیں لائے ہیں جو بظاہر مختلف ہیں اور ان کے وجوہ اختلاف کو بیان کیا ہے کہ تمہد کیونکر ان میں تطبیق یا ترجیح دے سکتا ہے اس کے بعد خبر واحد کی صحت پر گفتگو کی ہے اور اس کے حجت ہونے پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور انھوں نے جو کچھ لکھا ہے ان میں سب سے زیادہ طویل بحث یہی ہے

پھر اجماع پر کلام کیا ہے اور اسپر ان حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی جماعت مسلمین کو ترغیب دی ہے اور یہ بیان کیا

کہ اس کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں کی جماعت جس چیز کو حلال یا حرام سمجھتی ہے اُس کی پابندی اور اطاعت کی جائے، اس کے بعد قیاس اور اجتہاد پر گفتگو کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں اور یہ ذکر کیا ہے کہ قیاس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ کوئی چیز اہل کے معنی میں ہو اور دوسرے مختلف قیاس نہیں ہوتے، دوسری یہ کہ ایک چیز کے اصول کے مشابہت سی چیزیں ہوتی ہیں اس لیے اس چیز کا قیاس اُس چیز پر کیا جاتا ہو جو اس سے زیادہ تعلق رکھتی ہے، اور اُس سے زیادہ مشابہ ہوتی ہے اور قیاس کرنے والے اسی میں اختلاف کرتے ہیں، انھوں نے قیاس پر دلیل قائم کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ دین سے ہے، اور اجتہاد سے جو اختلاف پیدا ہوتا ہے اُس میں ثواب کی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت عمر بن العاصؓ کی یہ حدیث روایت کی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حاکم نے اگر اپنے فیصلہ میں اجتہاد سے کام لیا اور یہ اجتہاد صحیح نکلا تو اُس کو دو ثواب ملیں گے اور اگر اجتہاد میں غلطی کی تو ایک ثواب

پھر استحسان سے بحث کی ہو، اور جو لوگ اس کے قائل ہیں ان کا رد کیا ہے اور یہ کہ استحسان کے معنی یہ ہیں کہ بغیر حدیث و قیاس کے کوئی بات کہی جائے اور یہ بیان کیا ہے کہ قیاس کرنے کا کس کو حاصل ہے، اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ قیاس کے چند طریقے ہیں جن میں سب سے قوی طریقہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ قرآن پاک میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی سی چیز کو حرام قرار دین اس سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ جب اس چیز کا تھوڑا سا حصہ حرام کر دیا گیا تو اس کا بہت سا حصہ بھی اسی کے مثل یا قلت پر کثرت کی زیادتی سے اُس سے زیادہ حرام ہو گا، اسی طرح جب خدا نے تھوڑی سی طاعت

تعریف کی وجوہ طاعت اُس سے زیادہ ہوگی اُس پر بطریق اولیٰ تعریف کی جائے گی سید علی  
جب خدا نے ایک چیز کے بڑے حصے کو مباح کر دیا تو اس کا کم حصہ بطریق اولیٰ مباح ہوگا،  
لیکن بعض اہل علم اس کو قیاس نہیں کہتے اُن کے نزدیک خدا نے جس چیز کو حلال و حرام کیا  
اور جس پر مدح و ذم کی اس سے یہی مراد ہے کیونکہ وہ اس کے اندر داخل ہو اس لیے وہ چیز  
وہی چیز ہے دوسری چیز پر اس کا قیاس نہیں کیا گیا ہے جو چیز حلال و حرام کے معنی  
میں نہیں اور ان کو حلال و حرام کر دیا گیا اس کی نسبت بھی ان کا یہی قول ہے قیاس  
صرف اس کو کہتے ہیں کہ وہ مختلف معنی میں مشابہت ہو اور اُن میں یہ ثابت کیا جائے کہ اُس کا  
قیاس صرف ایک پر ہو سکتا ہے دوسرے پر نہیں ہو سکتا اُن کے علاوہ اور اہل علم کے نزدیک  
کتاب و سنت کے علاوہ جو چیز ان معنی میں ہو وہ قیاس ہے،

اس کے بعد انھوں نے اختلاف پر بحث کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ خداوند تعالیٰ  
نے خود قرآن پاک میں یا اپنے رسول کی زبان سے جس چیز کے ساتھ بعض صریح دلیل قائم  
کی ہے، اس میں اُس شخص کیلئے اختلاف جائز نہیں جس نے اس کو جان لیا اور جس چیز  
میں تاویل کا احتمال ہے یا وہ قیاس سے معلوم ہو سکتی ہے اس میں اختلاف جائز ہے  
اس کے بعد وہ بہت سی ایسی مثالیں لائے ہیں جن کا حکم انھوں نے قیاس سے استنباط کیا ہے  
اور اس قیاس میں اُن کے جو مخالف تھے اُن سے مناظرہ کیا جس کو اُن کی توفیق پائی اور سب اہل اطلاع معلوم تھے کہ  
امام شافعی کی تحریر میں مجھ کو سب سے زیادہ جو خوبی نظر آئی وہ یہ ہے کہ وہ جن کو کوئی  
مناظرہ کرتے ہیں اُن کے اقوال کو نہایت کامل اور واضح دلیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں  
اور ان کی تمام امکانی قوت کی تفصیل کرتے ہیں اُس کے بعد اُن کے دلائل کو توڑتے ہیں  
اور حدیث سے اپنے اور اپنے مخالفین کے لیے حجت لانے کے متعلق انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے



زیادہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہو سکتی حالانکہ بعض متاخرین نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ حدیث ایک ضرورت دینی ہے، لیکن ان دونوں علموں میں کس قدر فرق ہو؟

یہ رسالہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس عقلم کی ایک بہترین یادگار ہے جس سے اُس زمانے کے علماء کی بہت سی خصوصیات مثلاً حسنِ تحریر، حسنِ ادب، مناظرات میں لیاقت کا احترام، مناظرات کے وقت کتاب و سنت کا حاضر الذہن ہونا معلوم ہوتی ہیں

### ۷ :- اصطلاحات فقہیہ کا ظہور

قرآن مجید جس چیز کا خواستگار ہوتا تھا اُس کا مطالبہ ان اسالیب بیان کے ساتھ کرتا تھا جنکی توضیح ہم دورانِ ول میں کر چکے ہیں، لیکن قوتِ مطالبہ میں ان میں کسی اسلوب کے دوسرے اسلوب پر ترجیح حاصل نہیں ہو بلکہ اس میں سب کے سب برابر ہیں اس معاملے میں تفسیر کا بھی یہی حال تھا لیکن فقہاء کی نگاہ میں جب یہ مطالبے الگ الگ صورتوں میں نمایاں ہوئے تو پھر پورا بخون نے ان پر دلالت کرنے کے لیے الگ الگ نام رکھے مثلاً فرضِ واجب، سنت، مندوب، استحباب

فرض اور واجب ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کا مطالبہ ضروری ہوتا ہے، البتہ خفیہ کے نزدیک فرض وہ ہے جب کا مطالبہ ایسی دلیل کے ساتھ کیا جائے جو نزول و دلالت دونوں میں قطعی ہو مثلاً آیاتِ قرآنیہ اور وہ حدیثیں جو نص ہونے کے ساتھ تو اثرِ شہرت کے ذریعہ سے قطعی طور پر ثابت ہوں اور واجب وہ ہے جس کا مطالبہ ایسی دلیل کے ساتھ کیا جائے جو نزول، یا دلالت یا دونوں طریقے سے ظنی ہو، مثلاً نماز کی دو رکعتوں میں قرآن مجید

کی ممکن آیتوں کا بڑھنا ان کے نزدیک فرض اور ان دونوں کسٹوں میں ٹھکانا چاہتا ہے،  
 اور فرض کے چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز باطل ہو جائے گی اور سہواً واجب کے چھوڑنے  
 سے سجدہ سہواً لازم آئے گا اور قصداً واجب کے چھوڑنے پر اگر وقت باقی ہے تو نماز کا اعادہ واجب  
 ہوگا لیکن اگر وقت نکل گیا تو وہ شخص گنہگار ہوگا، لیکن خفیہ کے علاوہ اور لوگوں کے نزدیک  
 فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ جس چیز کا مطالبہ ضروری طور پر کیا جائے  
 وہ فرض اور واجب ہے، چاہے یہ مطالبہ قطعی دلیل کے ساتھ ہو یا ظنی کے ساتھ، البتہ  
 یہ لوگ صحیحین ان دونوں کے درمیان یہ فرق کرتے ہیں کہ شارع کے جس مطالبہ کی تلافی  
 نہیں ہو سکتی، مثلاً عرفہ کا قیام اور کوچ کا طواف وہ فرض ہے اور جس مطالبہ کے فوت  
 ہو جانے کی قربانی سے تلافی ہو سکتی ہے مثلاً احرام وہ واجب ہے،

فقہاء کے نزدیک ایک اور فرض ہے جبکہ نام فرض کفایہ اور وہ شارع کے  
 اس مطالبہ کا نام ہے جس میں اس کا کرنے والا مقصود نہ ہو اس لیے اگر کسی مکلف نے  
 اسکو کر دیا تو باقی لوگ گناہ سے سبکدوش ہو گئے، لیکن اگر سب نے اسکو چھوڑ دیا تو سب گنہگار رہے،  
 جس مآثورہ پر اس کا غیر موقوف ہو وہ اسکی حقیقت سے خارج ہے تو فقہاء اسکو  
 شرط کہتے ہیں مثلاً نماز کیلئے قبلہ کی طرف رخ کرنا، اور اس کا جزو ہو تو اس کا نام رکن  
 رکھتے ہیں مثلاً نماز میں رکوع،

خفیہ کی اصطلاح میں سنت اس کو کہتے ہیں جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 ہمیشہ کیا ہو، البتہ کبھی کبھی اسکو بلا عذر چھوڑ بھی دیا ہو اور مندوب و مستحب وہ ہے جس کو  
 آپ نے ہمیشہ نہ کیا ہو اور باوجود اس کی ترغیب دینے کے اسکو نہ کیا ہو، لیکن دوسری  
 اصطلاح میں سنت مندوب اور مستحب کے ایک ہی معنی ہیں یعنی وہ چیز جسکا مطالبہ

تطبی طور پر نہ کیا جائے، البتہ جسکو حنفیہ سنت کہتے ہیں اسکو یہ لوگ سنت مکرہہ اور جسکو وہ لوگ متدوب اور مستحب کہتے ہیں اسکو یہ لوگ سنت غیر مکرہہ کہتے ہیں، شارح نے جس چیز سے باز رہنے کا مطالبہ کیا ہے اس کو یہ لوگ اپنی اصطلاح میں حرام اور مکرہہ کہتے ہیں، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک حرام فرض کا مقابل مکرہہ تحریمی واجب کا مقابل اور مکرہہ تنزیہی سنت کا مقابل ہے، اور ان کے علاوہ اور لوگوں کے نزدیک چونکہ واجب اور فرض دونوں ہم معنی ہیں اس لیے حرام بھی ان ہی دونوں کا متر مقابل ہی اور مکرہہ تحریمی سنت مکرہہ کا اور مکرہہ تنزیہی بھی سنت غیر مکرہہ کا مقابل ہے،

اور شارح نے جس چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا ہے اس کو یہ لوگ مباح کہتے ہیں

فاسد اور باطل بھی فقہی اصطلاحات ہیں اور بعض فقہاء کے نزدیک دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں یعنی وہ چیز جس کا کرنا اس کے کرنے والے کے لیے کافی نہ ہو اور اس پر اس کا نتیجہ ظاہر نہ ہو لیکن حنفیہ نے ان دونوں میں فرق قائم کیا ہے، اور باطل اس چیز کو کہتے ہیں جس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو، اور فاسد پر اثر تو ظاہر ہوتا ہے، لیکن برائی کے ساتھ، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی اصطلاحات ہیں جو کتب فقہ سے معلوم ہو سکتی ہیں لیکن ہم اس موقع پر صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان میں اکثر اصطلاحات نو پیدا ہیں

م:۔ اُن اکابر فقہاء کا ظہر جنکی سیادت کو عام طور پر لوگوں نے تسلیم کیا

دونوں گذشتہ دوروں میں اگرچہ بہت سے بڑے بڑے فقہاء تھے، لیکن ان کی شہرت اس سے زیادہ قائم نہیں رہی کہ کتب خلا فیہ میں ان کے اقوال منقول ہوتے ہیں

مثلاً فقہ اسلامی بن فقہائے صحابہ اور فقہائے تابعین کی عظیم الشان یادگارین موجود ہیں کیونکہ یہی لوگ سلف صالح، اذرعہ کے آنے والوں کیلئے مشعل ہدایت ہیں، لیکن ہائیمہ ان کے نام نہ کر کے رکھ دیے گئے اور ان میں کوئی شخص جمہور کا پیشوا نہیں قرار دیا گیا جن کی تمام رایوں میں وہ لوگ تقلید کرتے ہوں لیکن اس دور میں ایسے ایسے مجتہدین پیدا ہوئے جنکو جمہور نے اپنا امام بنا لیا۔ ان کے نقش قدم پر چلنے لگے، ان کی رائے عمل کرنے لگے، یہاں تک کہ ان کو بمنزائے ساتھ ان کی دوستی سے اکثر اہل جہر ایسے ان کے بخاؤ کرنا ان کے لیے جائز نہ تھا، دران کے نہ قبول کرنے پر ان کو سزا دی کیونکہ اس کو ان مجتہدین کو جن اساتذہ تخریف ہیں نہ اس لیے کہ انھوں نے تضار سے انکار کیا (۱) ان کی تمام رائے سی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے اور معاملے کی سچائی میں حاصل نہ تھی، مثال مثول کرنے سے نفرت کرتے تھے، شگفتہ رو، پاکیزہ صحبت (۲) ان کے تلامذہ ہمدرد تھے، ان کا قدمیا نہ گفتگو کا طریقہ عمدہ اور لہجہ نہایت شیرین میں ایسا درجہ حاصل تھیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے بیان پانچ سال تک قیام کیا لیکن (۳) عام طور پر لوگ خاموش آدمی نہیں دیکھا لیکن جب ان سے فقہ کے متعلق سوال کیا جاتا کا جو مذہب ہو اس کا ہنسنے لگتے تھے، اور غلغلہ انگیز گفتگو کرتے تھے، وہ قیاس کے امام تھے ہو کہ وہ تضار سے متعلق ہیں کہ میں نے سفیان ثوری سے پوچھا کہ امام ابو حنیفہ غیبت سے تک نہیں حاصل ہو سکتی جو میں نے ان سے ان کے دشمن کی غیبت بھی نہیں سنی بولے وہ اب ہم ان فقہاء میں نہیں چاہتے کہ اپنے کے درمیان ہی چیز غالب کر دیں جو ان کا ان کے مقلد موجود ہیں

(۱) امام ابو حنیفہ نے ان سے تعلیم حاصل کی اور مسائل کے بنانے اور ان کے جواب دینے میں

ان کی مدد کی انھوں نے جو طریقہ استنباط اختیار کیا تھا اس کو خود اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب مجھے کتاب اللہ مل جاتی ہے تو اس کو لے لیتا ہوں، لیکن جس مسئلہ کو کتاب اللہ میں نہیں پاتا اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور آپ کے ان آثار کو لیتا ہوں جو تفصیلات میں شامل ذرا لے ہیں، لیکن جب مجھ کو کتاب و سنت میں بھی وہ مسئلہ نہیں ملتا تو آپ کے اصحاب کے قول کو لیتا ہوں اور ان میں جسکو چاہتا ہوں لیتا ہوں اور جسکو چاہتا ہوں چھوڑتا ہوں ان کے علاوہ اور کسی کے قول کو نہیں لیتا، جب ابراہیم، شیخی، حسن ابن سیرین اور سید بن را اور بھی مجتہدین کے نام لیے ہیں، انکے معاملہ ہو چکا ہے تو مجھے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ جس طرح ان لوگوں نے اجتہاد کیا ہے اسی طرح میں بھی کروں

سہل بن مزاحم کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ فقہ کو لیتے ہیں، بڑائی سے بھاگتے ہیں اور لوگوں کے معاملات اور اس چیز پر جس پر وہ استقامت کے ساتھ قائم ہیں اور اس کی وجہ سے ان کے معاملات ٹھیک ہو گئے ہیں نظر ڈالتے ہیں وہ تمام مسائل کے متعلق قیاس کرتے ہیں، لیکن جب قیاس ٹھیک نہیں ہوتا تو جب تک استحسان سے کام چلتا ہے استحسان سے کام لیتے ہیں، لیکن جب استحسان سے کام نہیں چلتا تو مسلمانوں کے عملدراۓ کی طرف رجوع کرتے ہیں پہلے وہ حدیث معروف و مجمع علیہ کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے پھر جب تک قیاس ہو سکتا تھا اس پر قیاس کرتے تھے، پھر استحسان کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان دونوں میں جو قابل اعتماد ہوتا تھا اس پر عمل کرتے تھے

محمد بن حسن کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اپنے اصحاب سے قیاسات میں مناظرہ کرتے تھے اور یہ لوگ اس میں ان کا مقابلہ کرتے تھے، لیکن جب وہ یہ کہہ دیتے تھے کہ میں استحسان

کرتا ہوں تو ان میں کوئی ان کی گرد کو نہیں پہنچتا تھا، کیونکہ وہ استخوان میں بہ کثرت شامل  
لائے تھے اس لیے وہ لوگ ان تمام مسائل کو چھوڑ کر ان کے حوالے کر دیتے تھے، امام  
ابوصنفہؒ اہل کوفہ کی حدیث و فقہ کے ماہر تھے، اور ان کے اہل شہر کا جو مذہب تھا اس کی  
شدت کے ساتھ تقلید کرتے تھے،

ان کے زمانہ میں کوفہ میں تین بڑے بڑے فقیہ تھے

(۱) سفیان بن سعید ثوری جو الحمدیث کے امام ہیں تھے، ان کے دینداری و دین  
زہد اور ثقات پر لوگوں کا اجماع ہے اور وہ ان امام مجتہدین میں ہیں جن کے مقلد موجود  
سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے حلال و حرام کا عالم ثوری سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا،

(۲) شریک بن عبداللہ النخعی ۹۵ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے اور وہ عالم فقیہ اور  
ذہین تھے، تہمدی کی خلافت میں کوفہ کے قاضی رہے، پھر موسیٰ ہادی نے ان کو معزول  
کر دیا، قضاوت میں عادل، حاضر جواب اور کثیر الصواب تھے، ۱۲۵ھ میں کوفہ میں  
وفات پائی،

(۳) محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور وہ اصحاب الراے  
میں تھے، کوفہ میں قضاوت کی خدمت انجام دی اور ۳۳ سال تک حاکم رہے پہلے  
بنو امیہ کے عہد میں پھر بنو عباس کے زمانے میں حکومت کی اور فقیہ اور مفتی تھے، امام ثوری  
کہتے ہیں ابن ابی لیلیٰ اور ابن شہرہ ہمارے فقہاء ہیں ۱۴۵ھ میں وفات پائی،

ان تینوں فقہاء، اور امام ابوصنفہؒ کے درمیان نوک جھوک جتنی تھی سفیان بن  
سعید ثوری سے تو اس لیے کہ اہل حدیث اور اہل الراے میں غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی اور  
ابن ابی لیلیٰ سے اس لیے کہ وہ شہر کے قاضی تھے اور جس چیز کے متعلق وہ اپنا فیصلہ صاف

کرتے تھے، بسا اوقات امام ابو حنیفہؒ سے اُس کے متعلق استفتا کیا جاتا تھا اور وہ اپنے خلاف فتوے دیتے تھے جس کا اثر ابن ابی لیلیٰؒ پر پڑتا تھا، یہاں تک کہ ان لوگوں نے ایک بار امیر کو اسپر مادہ کیا کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کو فتویٰ دینے سے روک دے اور شریک اور امام ابو حنیفہؒ کے درمیان محاصرہ چمک بھئی،

جب ابو جعفر منصورؒ نے شہر بغداد کی بنیاد ڈالی تو وہاں مختلف شہروں کے بہت سے اکابر علماء کو طلب کیا جن میں ایک امام ابو حنیفہؒ بھی تھے، لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں بھی اُن کے سامنے قضات کا عہدہ دوبارہ پیش کیا گیا اور اُسکی وجہ سے اُن کو سزا دی، امام ابو حنیفہؒ نے ۷۵ھ میں وفات پائی،

جن تلامذہ نے اُن سے بحیثیت طالب علم کے تعلیم پائی اور فروعات کی تفریح اور اُن کے جواب کے دینے میں اُن کو مدد ملی حاصل تھا ان میں سب سے زیادہ مشہور تلامذہ حسب ذیل ہیں

نیکو (۱) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاریؒ ۱۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور جو ان کے بعد روایت حدیث کرنے لگے، چنانچہ ہشام بن عروہ ابو اسحاق شیبانی عطاریؒ بن اسباب اور اُن کے طبقہ کے لوگوں سے روایت کی، اُس کے بعد ابن ابی لیلیٰؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور اُن کے ساتھ ایک مدت تک قیام کیا، اُس کے بعد امام ابو حنیفہؒ کے حلقہ درس میں آئے اور اُن کے اکابر تلامذہ اور بہترین مددگاروں میں محسوب ہوئے، وہ پہلے شخص تین سو تین امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں کتابیں تصنیف کیں، مسائل قلمبند کروائے، اُن کی اشاعت کی اور تمام روئے زمین میں امام ابو حنیفہؒ کے علم کو پھیلا دیا، بہت سے اصحاب حدیث نے بھی امام ابو یوسفؒ کی تعریف کی ہے، حالانکہ وہ اصحاب الراے کی تعریف میں بہت کم

تعریفی الفاظ کہتے ہیں مثلاً یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ اصحاب الراسے میں امام ابو یوسف سے زیادہ کثیر الحدیث اور صحیح الروایت کوئی شخص نہیں انھوں نے ان کی نسبت یہ الفاظ بھی کہے ہیں "ابو یوسف صاحب حدیث اور صاحب السنہ" امام ابو یوسفؒ کے  
سلسلہ میں وفات پائی،

(۲) زفر بن ہذیل بن قیس کو فی سلسلہ میں پیدا ہوئے پہلے الحمد للہ تھے پھر ان پر راسے کا غلبہ ہو گیا اور امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ قیاس کرنے والے تھے، لوگ کہتے تھے کہ امام ابو یوسفؒ ان لوگوں میں سب سے زیادہ متبع حدیث امام محمدؒ سب سے زیادہ کثیر التفریع، اور زفر سب سے زیادہ قیاس کرنے والے ہیں وہ مدنیوں کی شکست سے الگ رہ کر ہمیشہ تعلیم و تعلم میں مصروف رہے یہاں تک کہ سلسلہ میں وفات پائی، اور امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے پہلے انھیں نے انتقال کیا،

(۳) محمد بن حسن بن فرقد شیبانی جو ان کے آزاد شدہ غلام تھے ان کے باپ دمشق کے صوبوں میں سے ایک گانوں حرستی نامی کے رہنے والے تھے، اس کے بعد عراق میں آئے اور محمد واسط میں سلسلہ میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں نشو و نما پائی، اس کے بعد عباسیوں کے زیر سایہ بغداد میں اقامت اختیار کی، اور بچپن ہی سے علم حاصل کرتے اور حدیث کی روایت کی اور امام ابو حنیفہؒ سے اہل عراق کا طریقہ سیکھا، لیکن چونکہ ان کی کمسنی ہی میں امام ابو حنیفہؒ کا انتقال ہو گیا اس لیے ان کے حلقہ درس میں زیادہ بڑھ چکے اور امام ابو یوسفؒ سے اس طریقہ کی تکمیل کی، چونکہ وہ عاقل اور ذہین تھے اس لیے بہت زیادہ ترقی کی اور امام ابو یوسفؒ کی زندگی ہی میں اہل الراسے کا مرجع بن گئے، ان دونوں میں باہم نوک جھوک ہمتی تھی جو ایک مدت تک قائم رہی یہاں تک کہ امام ابو یوسفؒ



نے وفات پائی،

امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی تعلیم کا سلسلہ امام محمدؒ کی ذات سے قائم ہوا کیونکہ جیسا کہ تم کو فضل تدوین میں معلوم ہوگا حنفیوں کے پاس صرف ان ہی کی کتابیں موجود ہیں، امام شافعیؒ نے بغداد میں اُن سے ملاقات کی اور اُن کی کتابیں پڑھیں اور بہت سے مسائل میں اُن سے مناظرہ کیا، ان دونوں کے مناظرے مدون طور پر موجود ہیں اور اُن کا بیشتر حصہ ہم نے خود امام شافعیؒ اور اُن کے تلامذہ کی روایت سے پڑھا ہے، امام محمدؒ نے مقام رے میں جبکہ وہ رشید کے ہمراہ تھے ۸۹ھ میں وفات پائی،

رہم حسن بن زیاد لولوی کو فی جو انصار کے غلام تھے، وہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں اس کے بعد امام ابو یوسفؒ کے پھر امام محمدؒ کے شاگرد ہوئے اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب ہیں کتابیں تصنیف کیں، لیکن امام محمدؒ کی راویوں اور کتابوں کو جو اعتبار حاصل ہوا وہ اُن کی کتابوں کو حاصل نہیں ہو، اور الحدیث کے نزدیک اُن کا درجہ بہت ہزار اٹھوٹا ہے۔ ۱۲۰ھ میں وفات پائی، عراقیوں کا مذہب ان ہی چار بزرگوں سے پھیلا اور لوگوں نے ان ہی سے ان کی تعلیم پائی، اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو عباسیوں کے دربار میں جو خصوصیت حاصل تھی اُس نے اُن کے علاوہ دوسرے الحدیث پر اُن کے احوال کو مقدم کر دیا، فقہ کے مسائل کے بتانے اور اُن کے جواب دینے میں بھی اُن کو بہت بڑا شرف حاصل تھا اور امام ابو حنیفہؒ کی طرف جو نسبت تھی وہ تقلید کی نہ تھی بلکہ اُن کے درمیان معلم و معلم کا تعلق تھا، اُس کے ساتھ یہ لوگ فتویٰ دینے میں بھی مستقل حیثیت رکھتے تھے اور صرف اپنے استاد کے فتوے پر قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ اگر کوئی وجہ مخالفت معلوم ہوتی تھی تو اُن کی مخالفت کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ کتب حنفیہ میں ان چاروں

اماموں کے اقوال مع دلیل کے نقل کیے جاتے ہیں اور بہا و قات ایک ہی مسئلہ میں آثار و معانی کے لحاظ سے چار اقوال ہوتے ہیں ایک قول امام ابو حنیفہ کا ہوتا ہے دوسرا امام ابو یوسف کا تیسرا امام محمد کا، اور چوتھا قول امام زفر کا ہوتا ہے بعض حنفیہ نے ان سب کے تمام مختلف اقوال کو امام ابو حنیفہ ہی کا قول ثابت کرنا چاہا ہے جن سے انھوں نے رجوع کیا ہے، لیکن یہ ان ائمہ کی تاریخ بلکہ خود ان کی کتابوں کی تصریحات سے غفلت کا نتیجہ ہے، کیونکہ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں ابو حنیفہ کی رائے بیان کرتے ہیں، پھر یہ تصریح اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ان کے مخالف ہیں اور جب اختلاف بھی بیان کر دیتے ہیں کتاب خلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ میں بھی ایسا ہی کرتے ہیں کیونکہ دونوں کی رائے کو بیان کر کے کبھی کبھی ابن ابی لیلیٰ کی رائے اختیار کر لیتے ہیں امام محمد بھی اپنی کتابوں میں امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف اور اپنے اقوال کو اختلاف کی تصریح کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اگر ان لوگوں کا یہ قول صحیح ہوتا کہ یہ وہ اقوال ہیں جن سے امام ابو حنیفہ نے رجوع کیا ہے تو یہ مسئلہ اختلاف روایت کا ہونا اختلاف رائے کا نہ ہوتا، حالانکہ یہ ثابت ہو کہ کہ امام ابو یوسف اور امام محمد جب اہل حجاز کی حدیثوں سے واقف ہوئے تو امام ابو حنیفہ کی بہت سی راہوں سے رجوع کر گئے، اس لیے تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہ کے بعد ہم نے جن ائمہ حنفیہ کا ذکر کیا ہے وہ ان کے مقلد نہیں ہیں کیونکہ اس زمانے کے مسلمانوں میں تقلید نہیں پیدا ہوئی تھی بلکہ مفتی لوگ فتوے دینے میں مستقل حیثیت رکھتے تھے، ان کو جیسی دلیلین معلوم ہوتی تھیں ویسا ہی فتوے دیتے تھے اپنے اساتذہ کی نفی اور موافقت دونوں صورتوں میں ان کا یہی حال تھا، اور امام ابو یوسف اور امام محمد کو امام ابو حنیفہ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو امام شافعی کو امام مالک کے ساتھ حاصل تھی،

امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کے جن شاگردوں نے اُن کی کتابیں نقل کیں ان کے نام حسب ذیل ہیں

(۱) ابراہیم بن رستم موزی، امام محمدؒ سے فقہ کی تعلیم پائی، اور امام مالکؒ وغیرہ سے حدیثیں سنیں اور اُن کے بہت سے نوادر مسائل ہیں جنکو انھوں نے امام محمدؒ سے سُنکر لکھا ہے انھوں نے سلسلہ میں وفات پائی،

(۲) احمد بن حفص جو ابو حفص البکیر البخاری کے نام کے ساتھ مشہور ہیں امام محمدؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور اُن سے اُن کی کتابوں کی روایت کی امام محمدؒ کی مسوط کا جو نسخہ میں نے دیکھا ہے وہ ان ہی کا لکھا ہوا ہے،

(۳) بشر بن غیاث المریسی امام ابو یوسفؒ سے فقہ حاصل کی اور ان کے فضیض نامذہب میں داخل تھے، اگرچہ وہ زاہد اور متورع شخص تھے، لیکن چونکہ علم فلسفہ میں بھی مشہور تھے اس لیے لوگوں نے اُن سے اعراض کیا اور امام ابو یوسفؒ بھی اُن کو برا کہتے تھے اور اُن سے اعراض کرتے تھے، انھوں نے سلسلہ میں وفات پائی، اُن کی بہت سی تصنیفات ہیں اور انھوں نے امام ابو یوسفؒ سے بہت سی روایتیں کی ہیں مذہب کے متعلق اُن کے بہت سے غریب اقوال ہیں جن میں ایک گدے کے گوشت کھانے کا جواز ہے، ان میں اور امام شافعیؒ میں بہت سے مناظرات ہوئے اور ان کی طرف مرجعہ کا ایک فرقہ منسوب ہے، جبکہ مرہبیہ کہتے ہیں

(۴) بشر بن ولید کنذی، امام ابو یوسفؒ سے فقہ حاصل کی اور ان کی کتب دامانی کی روایت کی اور متصم کے زمانے میں بغداد کے قاضی مقرر ہوئے اور سلسلہ میں وفات پائی، وہ امام محمدؒ سے بغض رکھتے تھے، اور حسن بن مالکؒ ان کو اُس سے

رہتے تھے اور کہتے تھے کہ امام محمد نے یہ کتاب تصنیف کیں تم صرف ایک ہی مسئلہ ایجاد  
کر دو، وہ فقہ میں وسیع العلم اور عبادت گزار تھے،

(۵) عیسیٰ بن ابان بن صدقہ قاضی امام محمد اور حسن بن زیاد سے فقہ کی تعلیم  
حاصل کی اور محدث تھے، بصرہ میں ۱۳۲ھ میں وفات پائی،

(۶) محمد بن سماعہ ثنی، لیث بن سعد ابو یوسف اور امام محمد سے روایت حدیث  
کی، اور امام ابو یوسف امام محمد اور حسن بن زیاد سے فقہ کی تعلیم پائی اور امام ابو یوسف اور  
امام محمد سے نوادرسائل لکھے ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۳ھ میں وفات پائی اور  
۱۹۲ھ بغداد میں مامون کے قاضی مقرر ہوئے، جب ان کا انتقال ہوا تو یحییٰ بن معین نے  
کہا کہ اہل الراے میں ریحانۃ الفقہاء کا انتقال ہوا،

(۷) محمد بن نجاشی، حسن بن زیاد سے فقہ سیکھی اور علم میں کمال حاصل کیا،  
اپنے زمانہ میں عراق کے فقیہ تھے اور زہد و عبادت کے ساتھ فقہ و حدیث میں مؤتم  
خیال کیے جاتے تھے، ۱۳۶ھ میں وفات پائی، اور صحیح الآثار کتاب النوادر اور کتاب المضار  
وغیرہ ان کی تصنیفات میں ہیں وہ معتزلہ کے مذہب کی طرف میلان رکھتے تھے، اور  
المحدثین کے نزدیک ضعیف الروایہ تھے، چنانچہ اٹھنوں نے ان پر بہت سی حرصین لگی  
(۸) ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان الجوزجانی، امام محمد سے فقہ سیکھی اور اصول امامی  
کے مسائل لکھے، دوسری صدی کے بعد وفات پائی،

(۹) ہلال بن یحییٰ بن سلم الراے البصری، وسعت علم اور کثرت فہم کی بنا پر انکو  
راے کہا گیا جس طرح ربیعہ الراے کہا جاتا ہے، امام ابو یوسف اور زفر سے فقہ کی تعلیم  
حاصل کی اور مشرودہ اور احکام الوقف میں ان کی ایک تصنیف ۲۴۵ھ میں وفات پائی،

(۱۰) ابو جعفر احمد بن ابی عمران قاضی دیار مصریہ محمد بن سماعہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ابو جعفر طحاوی کے استاد ہیں ۳۸۰ھ میں وفات پائی اور ایک کتاب تصنیف کی جسکا نام منجج ہے،

(۱۱) احمد بن عمر بن الشیر بالجصاص اٹھون نے اپنے باپ سے اور اٹھون نے حسن بن زیاد سے تعلیم حاصل کی وہ قرآن کے عالم، حساب کے ماہر اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے عالم تھے، اور محمد بن بادر کیلئے کتاب الخراج تصنیف کی اور کتاب الجلیل کتاب الوصیاء کتاب الشروط، اور کتاب الوقف وغیرہ ان کی تصنیفات سے ہیں اٹھون نے ۳۸۰ھ میں وفات پائی،

(۱۲) بکار بن قتیبہ بن اسد القاضی مصری ۳۸۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور ہلال الراے سے فقہ تعلیم حاصل کی اپنے زمانہ کے لوگوں میں مذہب میں سب سے بڑے فقیہ تھے، کتاب الشروط، کتاب المحاضر والسجلات، کتاب الوثائق والحمد لکھی اور امام شافعی نے امام ابو حنیفہؒ کا جو رد کیا ہے اس کی تردید میں ایک بڑی کتاب لکھی اٹھون نے ۳۹۰ھ میں وفات پائی،

(۱۳) قاضی ابو خازم عبد الحمید بن عبد العزیز عیسیٰ بن ابان اور ہلال سے فقہ کی تعلیم حاصل کی کتاب المحاضر والسجلات، کتاب ادب القاضی اور کتاب الفرائض انکی تصنیفات سے ہیں ۳۹۰ھ میں وفات پائی،

(۱۴) ابو سعید احمد بن حسین البردعی اٹھون نے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہؒ بواسطہ اپنے باپ دادا کے اور ابو علی دقاق سے بواسطہ موسیٰ بن نصیر کے محمد سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور ۳۸۰ھ میں حجاج کے ساتھ واقفہ واسطہ میں مقتول ہوئے اٹھون نے اہل ظاہر کے

امام داؤد بن علی کے ساتھ ایک مناظرہ کیا ہے،

(۱۵) ابو جعفر احمد بن محمد بن سنانہ از دی طحاوی اس دور میں متاخرین کے امام گذرے ہیں، سنیہ میں پیدا ہوئے اور پہلے امام شافعی کے شاگرد مزی سے تعلیم حاصل کی جو ان کے مامون تھے، اس کے بعد قاضی ابو جعفر احمد بن ابی عمران کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور ان سے فقہ سنی کی پھر شام میں قاضی القضاۃ ابو غازم کے پاس گئے اور ان سے علم حاصل کیا، وہ اخبار و حدیث کے امام تھے، اور اپنی تصانیف کے ذریعہ سے جن کا تذکرہ بعد کر کیا جائیگا اپنے معاصرین پر فوق حاصل کیا،

دوسرے امام مالک ہیں

ان کا نام مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر ہے ان کا سلسلہ نسب یمنی قبیلہ ذی اصبح تک پہنچتا ہے ان کے اجداد یمن سے ایک شخص مدینہ میں آئے اور وہاں آباد ہو گئے، ان کے دادا ابو عامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں ہیں اور بدر کے سوا تمام غزوات میں آپ کے ساتھ شریک ہوئے ہیں امام مالک مدینہ میں سنیہ میں پیدا ہوئے اور علماء مدینہ سے تحصیل علم کی چنانچہ سب سے پہلے عبد الرحمن بن ہرمز کے شاگرد ہوئے اور ایک طویل مدت تک بلا شرکت غیرے ان سے علم حاصل کرنے رہے اور نافع موی بن عمر اور ابن شہاب زہری سے بھی تعلیم حاصل کی فقہ میں ان کے شیخ ربیعہ بن عبد الرحمن المعروف برہیۃ الراے ہیں، جب ان کے شیوخ نے ان کو فقہ و حدیث کی اجازت دیدی تو روایت و فتویٰ کی مسند پر بیٹھے، وہ فرماتے ہیں کہ جب تک ستر شیوخ نے یہ شہادت نہ دیدی کہ میں اس کا اہل ہوں اس مسند پر نہ بیٹھا،

اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ علم حدیث کے امام ہیں اور ان کی روایت

قابل اعتماد ہے اُن کے شیوخ، ہمسرا اور اُن کے بعد کے لوگ اسپر متفق ہیں یہاں تک کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ صحیح ترین حدیث وہ ہے جو امام مالک حضرت ابن عمرؓ سے بواسطہ نافع کے روایت کرتے ہیں اس کے بعد وہ سلسلہ روایت ہے جو مالک سے شروع ہو کر بہ ترتیب زہری، اور سالم کے واسطہ سے حضرت ابن عمرؓ تک پہنچتا ہے پھر وہ سلسلہ جسکی روایت امام مالک بہ ترتیب ابوالزناد، اور اعرج کے ذریعہ سے حضرت ابو ہریرہؓ کرتے ہیں

واقعی وغیرہ کہتے ہیں کہ امام مالک کی مجلس علم نہایت باوقار تھی اور وہ عرب و عجم آدمی تھے، ان کی مجلس میں مجادلہ اور شور و غلبہ نہیں ہوتا تھا، جب اُن سے کوئی سوال کیا جاتا تھا اور وہ سائل کو کوئی جواب دیتے تھے تو وہ اُن سے یہ نہیں پوچھتا تھا کہ تم نے اس سوال کا جواب کس ماخذ سے دیا؟ عجیب نامی ایک شخص اُن کا کاتب تھا جس نے ان کی کتا بن لکھی تھیں وہ طلباء کی جماعت کے سامنے اُن کتابوں کو پڑھتا تھا لیکن حضار میں نہ کوئی شخص اُن کے فریب جاسکتا تھا، نہ اُن کی کتابوں کو دیکھ سکتا تھا اور نہ اُن سے پوچھ کر سکتا تھا اور یہ سب اُن کے ہیبت و جلال کا نتیجہ تھا، عجیب جب غلطی کرتا تھا تو امام مالکؓ اس کی تصحیح کر دیتے تھے اور اُن کی عادت یہ تھی کہ اپنی کتابیں کسی کو پڑھ کر نہیں سناتے تھے، لیکن یحییٰ بن بکیر کا بیان ہے کہ انھوں نے امام مالک سے سوط جعدہ باریسی اور زیادہ تر اُس کو امام مالک نے خود پڑھ کر سنایا اور بعض خود پڑھا،

بابی حنیفہ

امام مالکؓ سے بہت سے اکابر محدثین نے حدیث کی تعلیم پائی اور بہت سے تعلیم اُن کی تقلید کی، کیونکہ امام مالکؓ میں دو صفت جمع ہو گئے تھے ایک تو وہ محدث اہل ظاہر کے

اور مستند تھے، اس لیے پہلے وصف کے لحاظ سے اُن کے اکابر شیوخ مثلاً ربیعہ، یحییٰ بن سعید اور موسیٰ بن عقبہ وغیرہ اور اُن کے ہمسرون میں سفیان ثوری، لیث بن سعد اور زاعمی، سفیان بن عیینہ اور امام ابی حنیفہ رحمہ کے شاگرد امام ابو یوسف اور اُن کے اکابر تلامذہ میں محمد بن ادریس شافعی، عبداللہ بن مبارک اور محمد بن حسن شیبانی وغیرہ نے اُن سے روایت حدیث کی اور دوسری حیثیت سے اُن کے ائمہ مذاہب میں جن کا ذکر فقہ آریگا کبار علمائے اُن سے سائل فقہ سیکھے،

امام مالک اپنے فتاویٰ میں اولاً کتاب احمد پر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن حدیثوں پر جو اُن کے نزدیک صحیح تھیں (اعتما ذکر کرتے تھے، اور اس معاملہ میں اُن کا دار و مدار علمائے حجاز میں سے کبار محدثین پر تھا، جن حجاز پر اہل مدینہ عامل تھے، بالخصوص ائمہ کے عمل کو جن میں مقدم ترین شخص عمران تھے وہ نہایت اہمیت دیتے تھے، بلکہ حدیث کو بھی اس لیے رد کر دیتے تھے کہ اہل مدینہ نے اس پر عمل نہیں کیا، بلکہ مختلف ملکوں کے علمائے اس بارے میں اُن سے مخالفت کی ہے، اور امام لیث بن سعد نے اس بارے میں اُن کو جو خط روانہ کیا ہے ہم اوپر اسکو نقل کر آئے ہیں اور کتاب الام میں امام شافعی نے اور اسی طرح امام ابو یوسف نے اُن کی تردید کی ہے، لیکن جب تلامذہ کی نفس یا حدیث نہیں ملتی تھی تو وہ قیاس پر اعتماد کرتے تھے جس طرح حنفیہ کی طرف استیحسان ربیعہ بن عبات کی گئی ہے، اسی طرح اُن کی طرف عمل بالمصالح المرسلہ کی نسبت بھی لگائی ہے، کی اجازت بمصالح کو استصلاح بھی کہتے ہیں اور مصالح مرسلہ ان مصالح کو کہتے ہیں جن کے یہ شہادتیں اور اعتبار کی شہادت کسی نص معین نے نہیں دی ہے اور اُن پر عمل کرنے اختلاف اسوقت ہوتا ہے جب وہ کسی نص یا قیاس کے مخالف ہو، مثلاً چوری کے



اقرار کرے لیے کسی شخص کو مارنا امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے، لیکن اور لوگ اس مسئلہ میں  
 اُن کے مخالف ہیں؛ کیونکہ دوسری مصلحت اس مصلحت کے معارض ہے اور وہ اُس  
 شخص کی مصلحت ہے جسکو مارا گیا ہے، کیونکہ وہ بعض اوقات بری ہوتا ہے اور مجرم  
 کو سزا دینا ایک بری الذمہ شخص کے سزا دینے سے آسان ہے اگر یہ کہا جائے کہ  
 اس طریقہ سے مال کا برآمد کرنا دشوار ہو جائیگا، تو اس طریقہ سے ایک بری الذمہ شخص  
 کے سزا دینے کا دروازہ کھل جائیگا اُس کی ایک مثال وہ عورت بھی ہے جس کا شوہر  
 غائب ہو گیا اور اس کے مرنے اور جینے کی خبر معلوم نہیں ہوتی، اس نے چند سال تک ظاہر  
 بھی کر لیا، اور شوہر کی علیحدگی سے نقصان اٹھایا، نیز وہ عورت بھی ہے جسکو برہنہ سے  
 حیض نہیں آتا اور اس کی عدت ٹک گئی، اور وہ نکاح نہ کر سکی، ان دونوں عورتوں کے  
 متعلق امام مالکؒ نے عمر کا لحاظ کیا ہے، اور اُن کا قول یہ ہے کہ پہلی عورت خبر کے نہ آنے کے  
 چار سال بعد نکاح کر سکتی ہے، اور دوسری عورت کو عدت حل یعنی نو ماہ کے گزر جانے کے  
 تین مہینہ تک عدت میں بیٹھنا چاہیے، اس لیے اس کا مجموعہ ایک سال ہوگا پہلی صورت  
 میں ان لوگوں نے زوجہ کی مصلحت کا لحاظ رکھا ہے، اور غائب شدہ شوہر کی مصلحت کو  
 نظر انداز کر دیا ہے، اور دوسری صورت میں بھی زوجہ کی مصلحت کا لحاظ رکھا ہے حالانکہ وہ  
 اس نص صریح کے مخالف ہے

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروا اور مطلقہ عورتیں تین جہین تک انتظار کریں،

اور وہ اب تک سن یا س کو نہیں پہنچی ہو کہ مہینوں کے حساب سے عدت گزرے  
 خلاصہ یہ کہ مصلحتِ مرسلہ اس مصلحت کو کہتے ہیں جس سے کسی ایسے مقصدِ شرعی  
 کی حفاظت کی جائے، جس کا مقصدِ شرعی ہونا کتاب یا سنت یا اجماع سے معلوم ہو، البتہ

اس کے قابل اعتبار ہونے کی شہادت کوئی اصل معین نہ دے سکے؛ بلکہ اس کا مقصد نہ ہوا  
ایک دلیل سے نہیں بلکہ دلائل کے مجموعہ حالات کے قرائن اور متفرق علامتوں سے معلوم ہوا  
یہی وجہ ہے کہ اسکو مصلحتِ مرسلہ (یعنی غیر معینہ) کہتے ہیں، اس کی پیروی کرنے میں  
کوئی اختلاف نہیں ہو، البتہ جب کوئی دوسری مصلحت اس کی معارض ہوتی ہو تو جیسا  
کہ ہم نے استحسان کے متعلق بیان کیا ہے ان دونوں مصلحتوں کے ترجیح دینے میں اختلاف  
پیدا ہو جاتا ہے؛ مستثنیٰ غزالی میں دیکھو مصالحِ مرسلہ کی فصل کہونکہ وہ نہایت عمدہ ہو،  
جب ہم امام مالکؒ کے مذہب کی کتابوں پر بحث کریں گے تو ان کے بہت سے مسائل  
کا تذکرہ کریں گے،

امام مالکؒ نے مدینہ ہی میں قیام کیا اور وہاں سے کسی دوسرے شہر میں نہیں گئے،  
یہی وجہ ہے کہ ان کی بیشتر حدیثیں اہل حجاز کی روایت کردہ ہیں اور ان کی موطنین  
حجازیوں کے سوا اور لوگوں کا ذکر کم آتا ہو،

لوگ سفر کر کے ان کے پاس آئے، اور ان سے حدیث اور مسائل سیکھے یہاں تک کہ  
انھوں نے سلعہ میں وفات پائی، زیادہ تر ان کے پاس مصری اور مغربی یعنی اہل افریقہ  
اور اہل اندلس سفر کر کے آئے، اور ان ہی لوگوں نے تمام شمالی افریقہ اور اندلس میں ان کے  
مذہب کی اشاعت کی، اُس کے بعد ان علماء کے ذریعہ سے جن کا تذکرہ ہم کریں گے بصرہ بغداد  
اور خراسان میں ان کا مذہب پھیلا،

مصریوں میں جو لوگ ان کے پاس سفر کر کے آئے، اور وہی لوگ ان کے مذہب کا  
ستون ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں

(۱) ابو محمد عبد اللہ بن وہب بن مسلم قرشی جو ان کے آزاد شدہ غلام تھے، امام مالکؒ

لیث بن سعد سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری اور امام مالک کے طبقہ میں ان کے علاوہ اور لوگوں سے روایت حدیث کی اور امام مالک اور امام لیث سے فقہ کی تعلیم حاصل کی وہ ۱۲۵ھ میں امام مالک کے پاس آئے، اور ان کی وفات تک ان کی خدمت میں رہے، امام مالک ان کو خطاب میں عبد اللہ بن وہب فقیہ مصر اور ابو محمد مفتی لکھتے تھے، اور ان کے سوا یہ اور کسی کو نہیں لکھتے تھے، ان کے متعلق ان کا یہ قول تھا کہ ”ابن وہب عالم ہے“ محمد بن عبد الحکم کہتے ہیں کہ وہ امام مالک کے بارے میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں اور وہ ابن القاسم سے بڑھ کر فقیہ ہیں، البتہ تورع کی وجہ سے وہ فتویٰ نہیں دیتے تھے، اصیغ بن وہب کہتے ہیں کہ ”ملاذہ امام مالک میں وہ سنن و آثار کے سب سے بڑے عالم ہیں البتہ انھوں نے ضعف اسے روایت کی ہے“ وہ دیوان علم کے جاتے تھے، اور ان کے سوا کوئی شخص ایسا نہ تھا جسکو امام مالک نے جھڑکی نہ دی ہو، کیونکہ وہ ان کی تعظیم اور حریت کرتے تھے، ابن وہب کہتے ہیں کہ ”اگر خدا نے امام مالک اور امام لیث کے ذریعہ سے مجھے نہ بچایا ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا“ لوگوں نے کہا ”کیونکر“ بولے ”میں نے اس کثرت سے حدیث کی روایت کی کہ اس نے مجھے حیرت میں ڈال دیا لیکن میں ان کو امام مالک اور امام لیث کے سامنے پیش کرتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ ”اسکو لے لو اور کچھ چھوڑ دو“ وہ ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۷ھ میں بمقام مصروفات بائی،

(۲) ابو عبد اللہ عبد الرحمن بن القاسم الحنفی جو ان کے آزاد کردہ غلام تھے، امام مالک لیث، ابن الماجشون اور مسلم بن خالد وغیرہ سے روایت حدیث کی تقریباً ابن وہب کے دس سال بعد امام مالک کی طرف سفر کیا اور بہت دنوں تک ان کی صحبت میں رہا اور مالک کے علم کو دوسروں کے علم کے اختلاط سے محفوظ رکھا، بیان تک کہ امام مالک کے

بارے میں سب سے زیادہ ثقہ ہو گئے، امام مالک سے ان کے اور ابن وہب کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ ابن وہب عالم اور ابن القاسم فقیہ ہیں۔ خود ابن وہب نے ابونابر سے بیان کیا کہ اگر تم امام مالک کی فقہ جاسٹے ہو تو ابن القاسم کی صحبت اختیار کرو، کیونکہ وہ صرف انھیں کی صحبت میں رہے اور ہم نے دوسروں سے بھی فائدہ اٹھایا یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ابن القاسم علم مالک کے سب سے بڑے عالم اور اس بارے میں سب سے زیادہ قابل اعتماد تھے، انھوں نے مصر میں ۱۹۱ھ میں وفات پائی،

(۳) اشہب بن عبد العزیز القسی العامری الجندی امام مالک اور امام لیث وغیرہ سے روایت حدیث کی اور امام مالک اور مدنی اور مصری علما، سے فقہ کی تعلیم پائی، امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے اشہب سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا اور ابن القاسم کے بعد وہی مصر کے پیشوا تسلیم کیے گئے، انھوں نے سوال کیا گیا کہ ابن القاسم اور اشہب میں زیادہ فقیہ کون ہے؟ تو بولے کہ وہ دونوں گھوڑوں کے دو گھوڑوں کے مثل تھے کہ جی بڑی بڑی تھا اور کبھی وہ اشہب ۱۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں بمقام مصر وفات پائی،

(۴) ابو محمد عبد اللہ بن حکم بن عین بن لیث امام مالک، لیث بن سعد بن عیینہ اور ابن اسیمہ وغیرہ سے حدیث سنی، وہ ایک صالح، ثقہ، امام مالک کے مذہب کے محقق، صادق، عاقل اور حلیم شخص تھے، اور اشہب کے بعد مصر کے پیشوا قرار پائے، مصر میں عبد الحکم کی اولاد نے وہ جاہ و ترقی حاصل کی جو کسی کو حاصل نہیں ہوئی تھی، وہ امام شافعی کے دوست تھے، اور جب آئے تھے تو انھیں کے یہاں اُترے تھے، وہ ان کے ساتھ نہایت لطف و مدارات سے پیش آئے تھے، انھوں نے امام شافعی ہی کے یہاں وفات پائی، اور اپنے اور اپنے لڑکے کے لیے ان کی کتابیں لکھیں اور اپنے فرزند

محمد کو ان کے ساتھ ملحق کر دیا، ابن القاسمؒ ابن وہبؒ اور شہبؒ نے ابن عبدالحکم کو وصیت کی وہ ۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۵ھ میں مصر میں وفات پائی،

(۵) اصبح بن الفرج الاسویؒ جو ان کے آزاد کردہ غلام تھے، امام مالکؒ سے حدیث سننے کیلئے مدینہ کا سفر کیا، لیکن ان کے عین وفات کے دن مدینہ میں پہنچے، اس لیے ابن القاسمؒ ابن وہبؒ اور شہبؒ سے تعلیم حاصل کی ان سے حدیث سنی اور ان کے ساتھ گفت و گو بھی وہ ابن وہبؒ کے بزرگ ترین شاگرد اور ان کے منشی اور مخصوص لوگوں میں تھے، انہیں سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد ہمارا پیرو کون ہوگا؟ بولے اصبح بن الفرج ابن اللہاد کہتے ہیں کہ مجھ کو فقہ کا جو طریقہ بھی معلوم ہوا وہ اصبح ہی کے اصول سے معلوم ہوا، انہیں اور ان کے علاوہ ان کے اور شیوخ کے ساتھ ان سے بھی فتویٰ پوچھا جاتا تھا، ابن عیینہؒ کا قول ہے کہ تمام خلق المدین ابن اصبح امام مالکؒ کی راے کے سب سے بڑے عالم تھے، ایک ایک مسئلہ کر کے اُس کو جانتے تھے،

(۶) محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم اپنے باپ اور ابن وہبؒ اور شہبؒ اور ابن قاسمؒ وغیرہ ملائذہ مالکؒ سے حدیث سنی اور امام شافعیؒ کی صحبت میں رہے ان سے تسلیم حاصل کی اور ان کی کتابیں لکھیں، ان کے باپ نے ان کو امام شافعیؒ کے ساتھ ملحق کر دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ ان سے اور شہبؒ سے پڑھیں اور وہ اور لوگوں سے زیادہ ان کی فقہ سے واقف تھے، ابن حارثؒ کہتے ہیں وہ علمائے فقہ میں کامل اور اہل نظر تھے، اور جو کچھ کہتے تھے اور جس مذہب کے مقلد تھے اس پر مناظرہ کرتے تھے اور حجت لاتے تھے، علم فقہ حاصل کرنے کے لیے لوگ مغرب اور اندلس سے ان کے پاس سفر کر کے آتے تھے اور مصر کے پیشوا تسلیم کیے جاتے تھے ۸۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۶۵ھ میں وفات پائی،

(۷) محمد بن ابراہیم بن زیاد الاسکندری المعروف بابن الموارث ابن الماحضون اور ابن عبد الحکم سے فقہ کی تعلیم پائی اور اصبح پر اعتماد کیا اور یحییٰ بن ابن قاسم سے روایت کی، مصر میں اُن کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے اور فقہ اور فتویٰ میں وہ ایک عالم راسخ تھے ہشامہ میں پیدا ہوئے اور دمشق میں ۲۶۹ھ میں وفات پائی،

اہل افریقیہ اور اہل اندلس میں امام مالک کے تلامذہ حسب ذیل تھے،

(۱) ابو عبد اللہ زیاد بن عبد الرحمن القرطبی الملقب بشبطون امام مالک سے موطنی، اور فتادی کے متعلق بھی انھوں نے اُن سے سنا ایک کتاب مرتب کی جو سماع زیاد کے نام سے مشہور ہے وہ ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں جن میں لیث بن سعد اور ابن عیینہ شامل ہیں، زیاد پہلے شخص ہیں جنھوں نے فقہانہ حیثیت سے موطن کو امام مالک سے سنا اندلس میں داخل کیا، اسکے بعد یحییٰ بن یحییٰ نے اُن کی تقلید کی اہل مدینہ زیاد کو فقہ اندلس کہتے تھے اور انھوں نے امام مالک کی طرف دو سفر کیے تھے ۱۹۳ھ میں وفات پائی،

(۲) عیسیٰ بن دینار اندلسی سفر کر کے آئے اور ابن قاسم سے سنا اور ان پر اعتماد کیا، اور اندلس کو واپس گئے قرطبہ میں فتاوے اُنھیں کے پاس آتے تھے، اور اُن کے زمانے میں کوئی شخص اُن پر ترجیح نہیں رکھتا تھا، اور مشرق سے واپس آنے کے بعد وہی قرطبہ کے پیشوا تسلیم کیے جاتے تھے، ابن قاسم اُن کی تعظیم کرتے تھے، اور فقہ و درع میں اُن کے مداح تھے، اُن کے ہمسر میں کوئی شخص اندلس میں اُن سے زیادہ فقیہ نہیں خیال کیا جاتا تھا، ابن یحییٰ کہتے ہیں کہ ہمارے اہل مصر کو انھوں نے مسائل سکھائے یحییٰ بن یحییٰ کی جلالت شان کے باوجود وہ اُن سے زیادہ فقہ تھے، جب وہ ابن القاسم سے رخصت ہوئے

تو انھوں نے تین کو س تک ان کی مشایعت کی، لوگوں نے اسپر اعتراض کئے تو بولے کہ تم اسپر مجھے ملامت کرتے ہو کہ میں نے ایک ایسے شخص کی مشایعت کی جس نے اپنے بعد اپنے سے زیادہ فقیہ اور زاہد شخص کو اپنا قائم مقام نہیں چھوڑا، انھوں نے سلسلہ میں بمقام طلیطلہ وفات پائی،

(۳) یحییٰ بن یحییٰ کثیر اللیثی جو ان کے آزاد کردہ غلام تھے، ابتداء میں زیاد بن عبدالرحمن سے موطاء امام مالک ثنی اُس کے بعد ۲۰ سال کے سن میں سفر کیا اور امام مالک سے موطاسنی البتہ کتاب الاعتکاف کے چند ابواب میں ان کو شک پیدا ہوا تو زیاد سے ان کی روایت کی وہ سلسلہ میں امام مالک سے ملے تھے اور اسی سن میں انھوں نے وفات پائی، انھوں نے ایک دوسرا سفر بھی کیا ہے جس میں صرت ابن القاسم سے فقہ سیکھے وہ اندلس میں بہت سا علم لیکر واپس آئے اور عیسیٰ بن دینار کے بعد اندلس کے فتاویٰ کا مرجع ان کی رائے رہ گئی، اندلس میں امام مالک کا مذہب صرت یحییٰ اور عیسیٰ کے ذریعہ سے پھیلا، یحییٰ کو علمی حیثیت سے ان کے علم پر ترجیح حاصل تھی ابن سبابہ کہتے ہیں عیسیٰ بن دینار اندلس کے فقیہ اور اس کے عالم ابن حبیب اور اس کے حاکم یحییٰ تھے، اندلس کی علمی ریاست ان ہی کے حصے میں آئی اور انھوں نے سلسلہ میں وفات پائی،

(۴) عبدالملک بن حبیب بن سلیمان السبی، ان کا خاندان طلیطلہ کا باشندہ تھا، پہلے ان کے دادا سلیمان قرطبہ میں آئے پھر ان کے باپ فتنہ الریض میں سرہ آئے انھوں نے اندلس میں تعلیم حاصل کی پھر سلسلہ میں سفر کیا اور ابن ماجنون مطرف عبداللہ بن عبدالحکم اور اسد بن موسیٰ وغیرہ سے حدیث سنی اور بہت سا علم حاصل کر کے سلسلہ میں

انڈس واپس آئے اور سیرہ میں قیام کیا، اُن کے علم و روایت کا شہرہ ہوا تو امیر عبدالرحمن بن عبدالحکم نے ان کو قرطبہ میں بلا لیا اور وہاں کے مفتیوں کے طبقہ میں جگہ دی اور وہی بن یحییٰ کے ساتھ جو وہاں کے مشاہیر و مناظرہ کے سردار تھے مقیم رہے اور ان دنوں میں سخت تعلقات قائم ہو گئے، یحییٰ نے اُن سے پہلے وفات پائی، اور اُن کے بعد تنہا پیشوا ہو گئے، عبدالملک ابامالک کے مذہب پر فقہ کے حافظ تھے لیکن حدیث کے عالم اور اس کے صحیح و ضعیف کے ماہر نہ تھے، امامت فقہ کے ساتھ وہ ادیب بھی تھے اور ابن موزان نے اُن کے علم و فقہ کی تعریف کی ہے، حسن و فقہ میں وہ کتاب الواضح کے مولف ہیں اور اس کے علاوہ اُن کی مختلف تصنیفات ہیں، انھوں نے ۳۳۷ھ میں وفات پائی،

(۵) ابوالحسن بن زیاد تونسلی مالک انوری، اور لیث بن سعد وغیرہ سے حدیث سنی اور اُن کے زمانے میں افریقہ میں ان کا مثل نہ تھا، ان سے اسد بن الفرات اور سمخون وغیرہ نے حدیث سنی اور انھوں نے امام مالک سے موطا اور دوسری کتابوں کی روایت کی اور فقہ میں وہ سمخون کے استاد تھے، اور سمخون اہل افریقہ میں کسی کو ان پر ترجیح نہیں دیتے تھے، قیروان کے اہل علم جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تھے تو اسکو علی بن زیاد کی خدمت میں لکھ کر بھیجتے تھے کہ وہ ان کو صحیح بات بتائیں، سمخون کہتے ہیں کہ اگر مصریوں کی طرح علی بن زیاد کو طلب علم کا شوق ہوتا تو ان میں سے کوئی ان سے نہ چھوڑتا اور ان میں سے کوئی اُن کے ساتھ نہ رہتا، انھوں نے ۳۵۷ھ میں وفات پائی،

(۶) اسد بن فرات، ان کا خاندان نیشاپور کا رہنے والا تھا اور وہ دیار بکر میں حران میں پیدا ہوئے، تونس میں نشو و نما پائی، اور علی بن زیاد سے فقہ کی تعلیم حاصل کی،



مشرق کا رخ کیا اور امام مالکؒ سے موطا وغیرہ کو سنا، اس کے بعد عراق گئے، اور ابو یوسفؒ، محمد بن حسنؒ، اسد بن عمرؒ اور صحاب ابو حنیفہؒ سے فقہ کی تعلیم پائی، امام ابو یوسفؒ موطا سے امام مالکؒ انھین سے پڑھی اور مدونہ کو جبکا ذکر عنقریب آئے گا انھین نے تالیف کیا انھون نے ۲۳۷ھ میں محاصرہ سر قوسہ میں وفات پائی جبکہ وہ اسکے سپہ سالار اور قاضی تھے،

(۷) عبد السلام بن سعید التتوخی الملقب لبحنون وہ خاندانی طور پر شامی یعنی حمص کے رہنے والے تھے، ان کے باپ حمص کی فوج کے ساتھ آئے اور قیردان کے مشائخ بالخصوص تونس کا سفر کر کے علی بن زیادؒ سے علم حاصل کیا، اُس کے بعد مصر آئے اور مصری علماء میں جو لوگ امام مالکؒ اور بلاؤ مغرب کے طالب العلمون کے درمیان واسطہ تھے، مثلاً ابن قاسمؒ اور ابن وہب وغیرہ سے حدیث سنائی پھر مدینہ میں آئے، اور امام مالکؒ کی وفات کے بعد وہ ان کے علماء سے ملاقات کی اور ۲۴۷ھ میں افریقہ واپس ہوئے، ابو العرب کہتے ہیں کہ سمحونؒ ثقہ حافظ علم اور فقیہ تھے، ان میں چند خصائل ایسے مجتمع تھے جو ان کے سوا اور کسی میں نہیں پائے جاتے تھے، یعنی 'نقہ پرہیزگاری کامل، حق گوئی، زہد فی الدنیا، موٹا جھوٹا کھانا پہننا اور فیاضی کہی قسم کا شاہی عطیہ قبول نہیں کرتے تھے، اور بسا اوقات اپنے تلامذہ کو ۳۰ دینار یا اس کے مثل دیتے تھے، ابن قاسمؒ کا قول ہے کہ افریقہ سے ہمارے یہاں سمحونؒ جیسا شخص کوئی نہیں آیا، وہ افریقہ میں آئے تو لوگ ان کے گردیدہ ہو گئے، اور نئے زمانے کا آغاز ہوا جس نے اس کے پہلے کی باتیں مٹا دیں ان کے تلامذہ اہل قیردان کا چرلغ تھے، مدونہ کی تصنیف انھین نے کی اور اہل قیردان اس پر اعتماد رکھتے ہیں، وہ ۳۴۷ھ میں جب کہ ان کا سن ۷۴ سال کا تھا افریقہ کے قاضی ہوئے اور مرتے دم تک اس عہدے پر ممتاز رہے، وہ قضاوت کے زمانے

میں اپنے لیے بادشاہ سے وظیفہ اور صلہ نہیں لیتے تھے، البتہ اپنے عملہ کیلئے اہل کتاب کے جزیہ سے لیتے تھے، جب فلول مقدمہ باہم سخت کلامی یا گواہوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے تو ان کو سزا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ جب گواہوں سے چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو وہ کیونکر شہادہ دینگے، اگر فریق مقدمہ گواہ پر کسی عیب یا جرح کا الزام لگاتا تھا، یا کہتا تھا کہ مجھ سے گواہوں کے بارے میں پوچھیے کیونکہ وہ ایسے ہیں تاکہ وہ ان کے مجروح ہونے کا سوال کر سکیں تو وہ اس کی تادیب کرتے تھے اور اس سے کہتے تھے کہ میں اس بارے میں تجھ سے بے نیاز ہوں اور یہ میرا کام ہے، میرا نہیں وہ طلاق وعتاق کی ناجائز قسموں پر لوگوں کی تادیب کرتے تھے تاکہ وہ خدا کے سوا کسی اور کی قسم نہ کھائیں، وہ فسق پر تادیب کرتے تھے، اور جو شخص اس کا مستحق ہوتا تھا اسکو بازار سے نکلوا دیتے تھے، لوگ اپنے اپنے نام رتھوں میں لکھ کر دیتے تھے جو ان کے سامنے پیش کیے جاتے تھے، اور وہ ان میں سے ایک ایک کو الگ الگ بلاتے تھے، البتہ اگر کوئی مجبور یا ستم رسیدہ شخص آتا تھا تو اس کے لیے ایسا کرنے کی ضرورت نہ تھی انھوں نے سترہ میں وفات پائی،

یہ لوگ اکابر علماء امین بن جنھوں نے مغربی ممالک میں امام مالک کے مذہب کی اشاعت کی، لیکن مشرقی ممالک میں کوئی شخص ایسا نہیں پیدا ہوا جس نے امام مالک کو دیکھا ہو اور ان سے فقہ پڑھی ہو، البتہ ایسے لوگ مشرق میں بھی پیدا ہوئے جنھوں نے نہ امام مالک کو دیکھا تھا نہ ان سے سنا تھا، مثلاً

(۱) احمد بن محمد بن غیلان العبدی الفقیہ المصکم وہ عبد الملک بن باجشون اور

محمد بن مسلمہ کے تلامذہ میں تھے اور ادیب فصیح مذہب مالک کے فقیہ زاہد دیندار اور عبد الملک بن محمد تھے، عراق میں امام مالک کیلئے ان سے بلند رتبہ اور اہل حجاز کے مذہب کا ماہر ان سے

بڑھ کر کوئی نہ تھا اور مشرقی شہروں میں ان ہی کے ذریعہ سے امام مالک کا مذہب پھیلا،

(۲) قاضی ابواسحاق اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل بن حماد بن زید بصرہ میں

پیدا ہوئے، بغداد میں لوطن اختیار کیا اور وہیں حدیث سنی اور ابن المعدل سے فقہ کی

تعلیم حاصل کی، وہ کہتے تھے کہ میں لوگوں پر دو آدمیوں کے ذریعہ سے فخر کرتا ہوں ایک

ابن سعدل جو مجھ کو فقہ کی تعلیم دیتے ہیں دوسرے ابن المدینی جو مجھے حدیث پڑھاتے

ہیں، عراق کے مالکیوں نے اُن ہی سے فقہ کی تعلیم پائی، ابوبکر بن خلیب کہتے ہیں کہ

اسماعیل فاضل عالم اور امام مالک کے مذہب کے فقیہ تھے، اُن کے مذہب کی شرح دغنیس کی

اور اُن کے لیے بخت لائے، اور مسند اور علوم قرآن کے متعلق متعدد کتابیں لکھیں اور امام

یحییٰ بن سعید الانصاری اور یوب سحنانی کی حدیثیں جمع کیں ابوالولید الباجی نے

ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو درجہ اجتہاد کو پہنچے، اور اُن میں بہت سے علوم جمع ہو گئے

بیان کیا ہے، امام مالک کے بعد یہ درجہ صرف قاضی اسماعیل کو حاصل ہوا، وہ بغداد کے

قاضی مقرر ہوئے، اور ایک ہی وقت میں اُن کی ذات میں تمام علوم جمع ہو گئے، اور اُن

پہلے وہ کسی کی ذات میں جمع نہ ہوئے، مائیں نہز اور انات کے وہ قاضی مقرر ہوئے اور

اخیر میں قاضی القضاۃ کا منصب حاصل کیا، ابو عمر الدانی کہتے ہیں کہ اسماعیل ۲۲ سال تک

اور دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ وہ کچھ اور پڑچاس سال تک قاضی رہے اُن کی متعدد

تالیفات ہیں جن میں عنقریب بعض کا ذکر آئے گا، وہ سن ۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور سن ۲۸۲ھ

میں وفات پائی،

اور اہل مدینہ میں امام مالک کے سب سے بڑے شاگرد ابو مردان عبد الملک بن عبد الغفر

بن عبد الدوس ابی سلمۃ الماجشون ہیں جو قریش میں بنو تمیم کے آزاد شدہ غلام تھے، ماجشون

ناری لفظ ہے جسکے معنی گلابی کے ہیں چونکہ اُن کے چہرے پر سُرخی تھی اس لیے ان کا یہ  
 ام رکھا گیا، عبد الملک فقہ و فصیح تھے، اُن سے پہلے فتویٰ کا دار و مدار اُن کے باپ پر تھا،  
 وراُن کے بعد تا وفات اُن پر رہا، وہ اپنے زمانے میں اہل مدینہ کے مفتی تھے اپنے  
 پاپ اور امام مالک وغیرہ سے فقہ کی تعلیم پائی، جب امام شافعی اُن سے مذاکرہ کرتے تھے  
 لوگ اکثر اُن کی گفتگو نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ امام شافعی نے بدوُن میں ہندیل سے اور  
 عبد الملک نے بدوُن کے قبیلہ کلب میں اپنے ماموُن سے ادب سیکھا تھا، فاضلی بھی اُن  
 لیتے ہیں کہ "عبد الملک ایک ایسا دریا ہے، میں جب کوٹول گدلا نہیں کرتے، سحون نے  
 اُن کی تعریف کی ہے اور اُن کو ترجیح دی ہو، اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی طرف  
 سفر کرنے کا ارادہ کیا اور ان کتابوں کو ان پر پیش کرنا چاہا تاکہ وہ اُن میں سے جس کی اجازت  
 دیں اُس کو جائز رکھوں اور جب کو رد کردین اسکو رد کردوں، ابن حنیبل نے ان کی بہت تعریف  
 کی ہے اور اکثر تلامذہ مالک پر اُن کو سمجھ میں بلند خیال کرتے تھے، اُن سے بہت سے لوگوں  
 اور بڑے بڑے ائمہ مثلاً احمد بن محمد بن اسود اور سحون نے فقہ کی تعلیم حاصل کی ہو،  
 اور اُنھوں نے سائنس میں وفات پائی،

یہ لوگ اکابر تلامذہ مالک ہیں اور ان کے مذہب کے شائع کرنے والوں میں ہیں  
 اور اُن کو امام مالک سے وہی نسبت ہے جو ایک شاگرد کو اُستاد سے اور ایک راوی کو  
 مستنبط سے ہوتی ہے، لیکن یہ لوگ امام مالک سے بہت کم اختلاف رکھتے ہیں اور اگر کہیں  
 اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خود اس مسئلہ کی روایت میں امام مالک  
 سے اختلاف ہوتا ہے یا جو خصوص اُن سے مروی ہیں اُن کے سمجھنے میں اختلاف پیدا  
 ہو جاتا ہے، کبھی کبھی ابن وہب اور ابن القاسم اُن سے اختلاف کرتے ہیں اور یہ جیسا کہ

ہم نے بیان کیا ہے بہت کم ہے،

تیسرے امام، امام شافعیؒ ہیں

المطلب

اُن کا نام و نسب ابو عبد اللہ محمد بن ادريس بن العباس بن عثمان بن شافع بن شافع

ہے جو ہذا المطلب میں عبد مناف سے تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی اور امام

شافعیؒ کی نوین پشت میں تھے، اُن کی ماں مینی اور قبیلہ ازد سے تھیں جو نہایت

ذہین تھیں،

امام شافعیؒ عثمان کے صوبے میں بہ مقام غزوہ میں پیدا ہوئے غزوہ اُن کے

آبا و اجداد کا وطن نہ تھا، بلکہ اُن کے باپ ادريس وہاں کسی ضرورت سے آئے تھے اور وہیں

انتقال ہو گیا اور اُن کے فرزند محمد وہیں پیدا ہوئے پیدائش کے دو سال بعد اُن کی والدہ

اُن کے آبائی وطن مکہ میں اُن کو لے آئیں اور وہیں بحالت یتیمی اُنھوں نے اپنی ماں کی

سرپرستی میں نشو و نما پائی اور بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا، پھر بادیہ میں ہزیل سے

یہاں جو فصیح لہجہ تھے گئے اور اُن کے بہت سے اشعار یاد کئے، اُس کے بعد ادب و فصاحت

سیکھ کر واپس آئے اور شیخ اکرم مفتی اکرم مسلم بن خالد الزنجی کی شاگردی کی اور وہاں سے

فائز تحصیل ہو کر نکلے یہاں تک کہ اُنھوں نے ان کو فتوے دینے کی اجازت دی اس کے بعد

اُنھوں نے امام مالک بن انس امام دارالاجرت کے پاس اُن سے ایک سفارشی خط لکھنے کی

درخواست کی، اُنھوں نے خط لکھ دیا تو اُنھوں نے مدینہ کا سفر کیا، اور امام مالکؒ کے پاس آئے

وہ بوطایا درجہ تھے اور اسکو امام مالکؒ کے سامنے پڑھا، اور اُن کی قرأت ان کو بہت پسند

امام شافعیؒ نے اُس زمانے میں مسلم بن خالد کی فقہ اور دو بلند رتبہ اشخاص یعنی سفیان

بن عیینہ محدث مکہ اور امام مالک بن انس محدث مدینہ کی حدیثیں حاصل کیں اہل حجاز کی

حدیث کا سلسلہ انہی دونوں بزرگوں پر منتہی ہوتا ہے اور یہی دونوں اُن کے سب سے بڑے  
شیوخ میں ہیں لیکن ان کے علاوہ انھوں نے اور لوگوں سے بھی روایتیں کی ہیں،  
امام شافعیؒ دولت مند شخص نہ تھے، اس لیے اُنھوں نے مجبوراً حصولِ معاش کیلئے

کوئی کام تلاش کیا، مصعب بن عبد اللہ القرظی قاضی دین کی مدد سے اُن کو دین میں ایک  
کام مل گیا اور وہ اُس پر مقرر ہو گئے، اور اُس سے مدون شرف حاصل کرتے رہے، اس وقت  
ہارون رشید خلیفہ تھا، اور آل عباسؒ اور آل علیؒ میں سخت عداوت قائم تھی اور ہارون  
علمیوں اور ان کے معاونین کی حرکات سے سخت خائف اور چوکنا رہتا تھا اور صرف  
انہماک و شہسہ سے اُس پر مواخذہ کرتا تھا، امام شافعیؒ پر بھی تشیع کا الزام تھا اور بلادِ دین  
بہت سے شیعوں کا مرکز تھا، جو عباسیوں کی حکومت میں تھے، اور قوم کے افراد میں شیعی  
پر دیکھ بھلے پھیلاتے تھے، چنانچہ ہارون رشید تک ان شیعوں کا جن کے ساتھ امام شافعیؒ  
بھی تھے معاملہ پہنچا یا گیا اور اس نے اُن کو مسئلہ میں طلب کر لیا، کہا جاتا ہے کہ طرف  
بین مازن قاضی حنفی نے امام شافعیؒ کو اس الزام میں شامل کیا، اور حامد بربریؒ ان لوگوں  
عراقی میں لایا اور یہ لوگ رشیدیہ کے پاس شہرِ قہمین حاضر ہوئے،

اگر رشید کے حاجب فضل بن ربیع کی مدافعت سے امام شافعیؒ کی برائت نہ ثابت  
ہوتی ہوتی تو وہ اُس الزام کی وجہ سے بڑے خطرے میں پڑ جاتے، امام شافعیؒ نے اس  
الزام سے بچنے کے لیے جو فقرے کہے وہ یہ ہیں کہ ”کیا میں اُس شخص کو چھوڑ سکتا ہوں جو یہ  
کہتا ہے کہ میں اس کے چچا کا لڑکا ہوں (رشید) اور اس شخص کی طرف رجوع کر سکتا ہوں  
جو یہ کہتا ہے کہ میں اس کا غلام ہوں“ (امام شیعہ) رشید پر اس فقرہ کا سخت اثر ہوا اور اُس نے  
ان کی رہائی کا حکم دیا اور اُن کو صلہ عطا کیا،

اسی موقع پر امام شافعیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانی سے  
 سیل جول پیدا کیا اور فقہائے عراق کی کتابوں سے واقفیت حاصل کی اور طریقہ اہل حدیث  
 پر ان معلومات کا اضافہ کیا، انھوں نے امام محمد بن الحسنؒ سے مناظرات بھی کئے جن کی  
 خبر رشید کو ملی تو ان سے بہت خوش ہوا اور امام شافعیؒ کی کتابیں ان مناظرات سے بھری ہوئی  
 امام شافعیؒ عراق سے حجاز کو دہرائے، اور ایک مدت تک مکہ میں رہ کر افادہ و شفا دہ  
 کرتے رہے اس وقت کہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں تمام ملکوں کے علماء آتے رہتے تھے اور  
 امام شافعیؒ ان سے ملتے تھے ان سے مناظرہ کرتے تھے ان سے یہ اور ان سے وہ اخذ  
 کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ ۹۵ھ میں رشید کی وفات اور عبداللہ الامین کے خلیفہ ہونے  
 کے بعد دوبارہ عراق میں آئے اور اس آمد میں علیہ عراق کی ایک جماعت نے ان کی شاکر رہی  
 اختیار کی اور ان سے کسب علم کیا اور یہیں انھوں نے ان کو وہ کتابیں ملا کر ان کو جو انھوں نے  
 اپنے مذہب عراقی یا مذہب قدیم پر لکھی تھیں اس آمد میں وہ محمد بن ابی حسان الزبیدی کے یہاں  
 اترے تھے، اور دو سال تک قیام کیا تھا، امام محمد بن حسنؒ کا انتقال ہو چکا تھا اور عراق میں  
 تلامذہ امام ابو حنیفہؒ میں اس وقت حسن بن زیاد و لوی تھے، لیکن امام شافعیؒ جب طرح امام محمد  
 بن الحسنؒ کے ساتھ معروف مناظرہ تھے ان سے مناظرہ نہیں کرتے تھے اس کے بعد وہ  
 حجاز کو جبکہ بغداد میں ان کو کافی شہرت حاصل ہو چکی تھی اور بہت سے علماء ان کے  
 طریقہ کو قبول کر چکے تھے، واپس آئے، پھر ۹۸ھ میں مدینہ منورہ میں آئے اور وہاں  
 چند مہینے قیام کر کے ہصر کا سفر کیا اور فسطاط میں بطور ایک معزز زمان کے عبدالمدین عبدالحکم  
 بیان اترے اس وقت مصر میں امام مالکؒ کا مذہب پھیلا ہوا تھا، اور اکثر علماء ہصر کا  
 یہی مذہب تھا، اور تلامذہ مالکؒ میں جن لوگوں نے ان کا کلام سنا اور ان سے روایت کی تھی

عبداللہ بن عبدالحکم اور شہب باقی رہ گئے تھے،

مصر میں امام شافعی کی قابلیت اور اُن کی کلامی قدرت کا اظہار ہوا اور انھوں نے اپنے مصری تلامذہ کو اپنی جدید کتابیں املا کر دلائیں اور یہی اُن کا مصری یا جدید مذہب ہے وہ مصر میں براہِ یقین رہے یہاں تک کہ سنیہ طرہ میں وفات پائی اور قبرہ بنی عبدالحکم میں دفن ہوئے اور موت و حیات دونوں میں مصری اُن کو بزرگ سمجھتے رہے یہاں تک کہ وہ پہلے حجازی تھے اور اب مصری ہو گئے امام شافعی پہلے امام ہیں جنھوں نے متصل سفر کر کے بذاتِ خود اپنے مذہب کی اشاعت کی اور خود اپنے تلامذہ کو اپنی کتابیں املا کر دلائیں، اُن کے علاوہ دوسری کبار ائمہ کو یہ بات حاصل نہیں ہوئی، امام شافعی کے مذہب کی بنیاد اُن کے رسالہ اصولیہ میں مدون کی گئی ہے، وہ ظواہرِ قرآن سے استدلال کرتے ہیں تاکہ کہ کسی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ ظاہرِ قرآن مراد نہیں اُس کے بعد حدیث کو لیتے ہیں اور خبر واحد پر عمل کرنے کی جب اُس کا راوی ثقہ ہو سخت حمایت کرتے ہیں اور جب حدیث کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بہ متصل پہنچ جائے، تو امام مالک کی طرح اُس کے بعد وہ کسی عمل کی جو حدیث کی تائید کرتا ہو، اور اہل عراق کی طرح شہرت حدیث کی سطر نہیں لگاتے، حدیث کی اس تائید کی بنا پر ان کو اہل حدیث میں نہایت حسن قبول حاصل ہوا، یہاں تک کہ اہل بغداد اُن کو ناصرِ سنت کہتے تھے وہ احادیث صحیحہ کو اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس نگاہ سے قرآن مجید کو دیکھتے ہیں اور دونوں کو واجب الاتباع سمجھتے ہیں، حدیث کے بعد وہ اجتماع پر عمل کرتے ہیں اور اُن کے نزدیک اجتماع کے معنی یہ ہیں کہ اُس کے خلاف کا علم نہ ہو، کیونکہ حبیباً کہ ہم نے اور بیان کیا ہے، اُن کے نزدیک اجتماع کا علم ناممکن ہے لیکن جب کوئی دلیل منصوص موجود نہیں ہوتی تو وہ قیاس پر اس



شرط کے ساتھ عمل کرتے ہیں کہ اُس کیلئے کوئی اصل معین موجود ہو، اور اہل عراق جس چیز کو  
استحسان اور اہلی جس چیز کو استصلاح کہتے ہیں انھوں نے اُس کی شدت کے ساتھ تردید  
کی ہے، البتہ وہ استدلال پر عمل کرتے ہیں جو اس کے قریب قریب ہے،  
امام شافعی کی عزائم چونکہ حجازیوں اور عراقیوں کی فقہ اور بدوُن کی فصاحت کا  
مجموعہ تھی اس لیے وہ مناظرہ اور خوبی خیرین کیٹنا تھے، اور اُن کی تحریر اس زمانے کے  
لیج ترین انشا پردازوں مثلاً جاحظ وغیرہ سے کم درجہ نہیں رکھتی تھی

### تلامذہ شافعی و روافد مذہب شافعی

امام شافعی کے تلامذہ عراق اور مصر دونوں میں موجود تھے، چنانچہ اُن کے عراقی  
شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) ابو ثور ابراہیم بن خالد بن ایمان الکلبی البغدادی، اُن کی فقہ کا دار و مدار ہے  
پر تھا، اور اہل عراق کے قول کو لیتے تھے، لیکن جب امام شافعی بغداد میں آئے تو اُن سے  
تعلیم حاصل کی، وہ اگرچہ امام شافعی کے مقلد نہیں ہیں بلکہ جب ان کو کوئی دلیل مل جاتی ہو  
تو اُن کی مخالفت کرتے ہیں لیکن اُن کا شمار ائمہ فقہائے شافعیہ میں ہے، اُن کی چند مخصوص  
راہیں ہیں، ان کا ایک خاص مذہب ہے اور اُن کے پیرو بھی ہیں، لیکن اُن کا  
مذہب بہت دنوں تک قائم نہ رہ سکا، ابو عمر بن عبد البر کہتے ہیں کہ ”وہ اپنی مرویات  
میں ثقہ اور حسن النظر ہیں، لیکن اُن کے چند شاذ مسائل ہیں جن میں انھوں نے  
جمہور سے اختلاف کیا ہے، اور لوگوں نے اُن کو ائمہ فقہاء میں شمار کیا ہے، انھوں نے  
جن مسائل میں جمہور یا امام شافعی سے علحدگی اختیار کی ہے وہ حسب ذیل ہیں“

(۱) تمام فقہاء کے نزدیک قرض وصیت پر مقدم ہے، لیکن ابو ثور نے خدا کے ظاہر قول کی بنا پر وصیت کو مقدم کیا ہے،

من بعد وصیة یوصیٰ بھاء و دین وصیت یا قرض کے بعد

(۲) کسی خریدے ہوئے مال میں عیب نکل آنے پر واپس کرنے کا اختیار رضا <sup>مندی</sup> کے ساتھ صرف گفتگو سے حاصل ہو سکتا ہے یا ایسے فعل سے جس سے یہ سمجھا جائے کہ وہ رضا مندی ہے، لیکن امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ یہ اختیار فوراً حاصل ہوتا ہے

(۳) جب دو آدمی قبلہ کے رخ میں اجتہاد کریں اور دونوں کے اجتہاد کا نتیجہ ایک دوسرے سے مختلف ہو تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کی اقتدار کر سکتا ہے اور ہر ایک اسکی جہت کی طرف نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن یہ ان کے علاوہ اور لوگوں کے قول کے مخالف ہے اور یہ ایک کلی ہوئی بات ہے

ابن ثور نے <sup>۲۷۲</sup> میں (اور ابن خلکان کے قول کے مطابق <sup>۲۷۳</sup> میں)

وفات پائی،

(۲) احمد بن حنبل اور ان کا حال مستقلاً آگے آئے گا،

(۳) حسن بن محمد بن الصباح الزعفرانی البخاری وہ مذہب قدیم کے سب سے زیادہ ثقہ راوی ہیں اور کتاب عراقی انھیں کی طرف منسوب ہے امام شافعی کی مجلس میں وہی قرائت کرتے تھے اور ان کی قرائت کے ذریعہ سے احمد ابو ثور اور کرامیسی نے سماعت کی ہے وہ سواد کے ایک گاون زعفرانیہ کی طرف منسوب ہیں اس کے بعد بغداد کے بعض دروہ میں قیام کیا اور وہ ان کی طرف منسوب ہو گیا، زعفرانی نے سفیان بن عیینہ اور امام شافعی وغیرہ سے حدیث سنی اور مسلم کے علاوہ امام بخاری وغیرہ

اکثر حدیث نے اُن سے روایت کی، امام شافعی کو ان کی فصاحت بہت پسند تھی، یہاں تک کہ اُن کے متعلق فرماتے تھے کہ میں نے بغداد میں ایک ایسے نبلی کو دیکھا جو عربی معلوم ہوتا، اور اُس کے مقابل میں میں نبلی نظر آتا ہوں، انھوں نے مسئلہ میں وفات پائی،

(۱۷) ابو علی حسین بن علی الکراہیسی، انھوں نے پہلے عراقیوں کے مذہب کے مطابق فقہ کی تعلیم حاصل کی، پھر امام شافعی سے فقہ سیکھی اور اُن سے اور اُن کے علاوہ اور لوگوں سے حدیث سُنی، امام شافعی نے اُن کو زعفرانی کی کتابوں کی اجازت دی، لوگوں نے ان سے روایت کرنے میں اجتناب کیا ہے، کیونکہ مسئلہ لفظ یعنی اس کہنے کی وجہ سے کہ میرا قرآن کے الفاظ کو بڑھنا مخلوق ہے، امام احمد بن حنبل نے ان کو مطعون کیا ہے، اور یہ ایک عجیب بات ہے، محمد بن عبداللہ الصیرفی الشافعی کہتے ہیں کہ حسین کراہیسی اور ابو ثور سے عبرت حاصل کرو، کیونکہ حسین علم و حفظ میں ممتاز ہیں اور ابو ثور علم بن اُن کے عشر عشر بھی نہیں، لیکن مسئلہ لفظ کی وجہ سے امام احمد بن حنبل نے اُن کے بارے میں کلام کیا اور وہ پست ہو گئے، لیکن ابو ثور کی تعریف کی تو وہ بلند رتبہ ہو گئے،

(۵) احمد بن یحییٰ بن عبدالعزیز البغدادی المتکلم، وہ بغداد میں امام شافعی کے کہا تلامذہ میں تھے، پھر احمد بن ابی داؤد کے شاگرد ہو گئے، اور ان کی رائے کا اتباع کیا، ابو عاصم کہتے ہیں کہ وہ حافظوں زاہدون اور مفتیوں میں سے ایک ہیں، چونکہ انکی آنکھ میں خرابی تھی اس لیے امام شافعی نے اپنی کتابوں کی قرات سے اُن کو منع کیا، مسترلہ کے خیالات کی پیروی نے ان کو اپنے درجہ سے گرا دیا تھا، ابن سبکی کہتے ہیں کہ وہ بہت سے قابل اعتراض مسائل کے قائل تھے، مثلاً ان کے نزدیک طلاق بالصفات

جائز نہیں کیونکہ جب نکاح متہ اس لیے جائز نہیں کہ وہ ایک ایسا عقد ہے جو ایک صفت کے ساتھ معلق ہے، اسی طرح طلاق بالصفہ بھی عقد معلق ہے۔ ابن سبکی کہتے ہیں کہ یہ ایک باطل قول ہے، اور اُس سے خرقِ اجماع ہوتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اُس قول کے مثل ہے جسکی ابن حزم نے محلی وغیرہ میں تصریح کی ہے کہ جس شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ جب مہینہ کی ابتدا ہوگی تو مجھ کو طلاق ہے، یا اُس نے اور کسی وقت کا ذکر کیا تو اس قول سے نہ سہر دست طلاق واقع ہوگی اور نہ اُس وقت جب مہینہ کا آہٹ ہوگا اور غالباً اس مسئلہ میں ظاہر ہے الگ ہیں

امام شافعیؒ کے عراقي تلامذہ سے جن لوگوں نے فقہ کی تعلیم پائی ان کے نام حسب ذیل ہیں

(۱) داؤد بن علی امام اہل الظاہر، ہم ان کا تذکرہ خاص طور پر کریں گے

(۲) ابو عثمان بن سعید الانطاہی، انھوں نے فرنی اور ربیع سے علم حاصل کیا، اور بغداد میں ان ہی کے ذریعہ سے امام شافعیؒ کی کتاہیں مشہور ہوئیں اور ابن سرتج نے ان ہی سے فقہ سیکھی، انھوں نے ۲۸۸ھ وفات پائی

(۳) ابوالعباس احمد بن عمر بن سرتج، حسن زعفرانی وغیرہ سے حدیث سنی اور ابوالقاسم الانطاہی سے فقہ سیکھی اور تمام تلامذہ شافعیؒ بیان تک کہ فرنی پر بھی اُن کو ترجیح دیا جاتی تھی، شیخ ابو حامد سمرانی کہتے ہیں کہ ہم ابوالعباس کے ساتھ طواہر فقہ میں چلتے ہیں، وفاق فقہ میں نہیں چلتے، وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مناظرہ کی ابتدا کی اور لوگوں کو جہل کا طریقہ سکھایا، ان کی بہت سی تصنیفات ہیں جنکی تعداد چار سو بیان کی جاتی ہے، ان میں اور داؤد بن علی ظاہری اور اُن کے بیٹے محمد کے درمیان

نہایت مشہور مناظرے ہوئے اور انھوں نے سنیہ میں وفات پائی،

(۹) ابو العباس احمد بن ابی احمد الطبری الشہیر بن القاسم ابن سرج سے فقہ سیکھی اور وہ مشہور کتابوں مثلاً المختار، اور ادب القاضی وغیرہ کے مصنف ہیں اور اصول فقہ میں ان کی ایک کتاب ہے وہ بہت بڑے امام تھے،  
سنہ ۳۳۵ھ میں وفات پائی،

(۱۰) ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، ہم ان کا تذکرہ خاص طور پر کریں گے  
امام شافعی کے مصری تلامذہ حسب ذیل ہیں

(۱۱) یوسف بن یحییٰ البوطی المصری، وہ امام شافعی کے مصری تلامذہ میں سے بڑے تھے، امام شافعی سے فقہ پڑھی، اور ان سے اور عبداللہ بن وہب غیر سے حدیث کی روایت کی، ان کی ایک مشہور مختصر ہے جس کا اختصار انھوں نے امام شافعی کے کلام سے کیا ہے، امام شافعی فتویٰ میں ان پر اعتماد کرتے تھے، اور جب ان کے پاس کوئی مسئلہ آتا تھا تو ان کے حوالے کر دیتے تھے، اور اپنی موت کے بعد ان کو اپنے تمام تلامذہ کا خلیفہ بنایا اور ان کے حلقہ درس سے بہت سے ائمہ نکلے، اور مختلف شہروں میں جا کر تمام ملک میں امام شافعی کے علم کی اشاعت کی، انھوں نے فتنہ خلقِ قرآن میں قید ہو کر بغداد میں سنہ ۳۳۵ھ میں وفات پائی،

(۱۲) ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنی المصری وہ ۳۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور جوانی میں تحصیل علم میں مصروف ہوئے، اور حدیث کی روایت کی یہاں تک کہ ۳۹۹ھ میں جب امام شافعی مصر میں آئے، تو ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، ابو اسحق غیلازی کہتے ہیں کہ ”وہ زاہد عالم مجتہد مناظر اور معانی دقیقہ کی تہ میں ڈوبنے والے تھے“ امام شافعی نے

اُن کی نسبت فرمایا کہ "مزنّی میرے مذہب کا حامی ہے" جن کتابوں پر امام شافعیؒ نے بیسک  
دار و مدار ہے وہ انہی کی لکھی ہوئی ہیں اور زراسان عراق اور شام کے بہت سے علمائے  
اُن کا مذہب حاصل کیا، اور انھوں نے ۲۲۴ھ میں وفات پائی،  
مزنّی بھی کبھی اپنے استاد کے مذہب کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنے لیے نئی چیزیں  
اختیار کرتے ہیں، لیکن شافعیہ ان اختیارات کو مذہب میں نئے اقوال نہیں خیال کرتے  
اور وہ زیادہ بھی نہیں ہیں

(۳) ربیع بن سلیمان بن عبد الجبار المرادی جو اُن کے آزاد کردہ غلام اور جامع متین  
میں موزن تھے، ۲۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور امام شافعیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر  
اُن سے بہ کثرت روایتیں کیں وہ اُن کی کتابوں کے راوی ہیں اور اپنی روایت میں  
نہایت ثقہ خیال کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ مزنّی اگرچہ علم دین اور بزرگی میں نہایت  
بلند رہے ہیں اور جو روایت کرتے ہیں وہ قواعد کے مطابق ہوتی ہیں تاہم جب ربیع اور مزنّی  
کا کسی روایت میں تعارض ہوتا ہے تو امام شافعیؒ کے تلامذہ ربیع ہی کی روایت کو مقدم  
سمجھتے ہیں لوگ امام شافعیؒ کی کتابوں کے پڑھنے کے لیے اطراف ملک سے اُن کے  
پاس سفر کر کے آتے تھے، انھوں نے ۲۴۲ھ میں وفات پائی،

(۴) حرملة بن یحییٰ بن عبد اللہ الجعفی ۲۴۱ھ میں پیدا ہوئے وہ بہت بڑے امام  
تھے، ابن وہب سے بہت زیادہ حدیثیں روایت کیں اور امام شافعیؒ سے فقہ سیکھی اور  
اُن کے مذہب میں کتابیں تصنیف کیں اُن کے متعلق اشہب کا قول ہے کہ وہ اہل مسجد  
میں بہترین شخص ہیں انھوں نے ۲۴۳ھ میں وفات پائی،

(۵) یونس بن عبد الاعلیٰ الصدنی مصری ۲۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور سفیان

بن عیینہ اور ابن وہب وغیرہ سے حدیث سُنی اور امام شافعیؒ سے فقہ حاصل کی مصر میں  
ان پر علمی ریاست کی انتہا ہوئی، اور امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ  
میں نے مصر میں یونس بن عبدالاعلیٰ سے زیادہ عاقل کسی کو نہیں دیکھا، اُنھوں نے  
۶۲۲ھ میں وفات پائی،

(۶) ابوبکر محمد بن احمد المعروف بابن الحداد مرنی کے وفات کے دن پیدا ہوئے  
وہ حفظ قرآن میں یکتا تھے، فقہ میں امام زمانہ اولغت میں ایک وسیع دریا تھے، معانی فقہ  
کی تہ تک پہنچنے، اور شروع مولدہ کے استخراج میں لوگوں کا اجماع ہے کہ وہ یکتا تھے اور  
اس میں کوئی شخص اُن کی گرد تک کو نہیں پہنچا، فقہ میں کتاب الباہر اور کتاب القضاء  
وغیرہ اُن کی تصنیفات میں ہیں، وہ مصر کی زینت اور علم قضا کے بہت بڑے ماہر تھے  
اُنھوں نے ۶۲۵ھ میں وفات پائی،

تلامذہ شافعیؒ میں یہی لوگ مشہور ترین ہیں، اور اُن کی تصنیفات کے ذریعہ سے  
لوگوں نے انھیں کے ذریعہ سے امام شافعیؒ کا علم حاصل کیا، ان کے علاوہ اور بھی بہ کثرت  
لوگ ہیں اور تلامذہ مالکؒ کی طرح ان لوگوں نے بھی امام شافعیؒ سے بہت کم اختلاف کیا،  
چوتھے امام احمد بن حنبل بن ہلال الذہلی الشیبانی المروزی ثم البغدادی ہیں، ۶۲۷ھ  
میں پیدا ہوئے اور نسیم اور سفیان بن عیینہ وغیرہ کے طبقہ میں اکابر محدثین سے حدیث سُنی  
اور امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ اور اُن کے طبقہ کے لوگوں نے اُن سے امام روایت کی چونکہ  
اُنھوں نے نہایت کثرت سے حدیثیں حفظ کیں، اس لیے اپنے زمانہ میں الحدیث کے امام  
ہو گئے، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں بغداد سے نکلا تو وہاں احمد بن حنبل سے زیادہ فضل  
زیادہ عالم اور زیادہ فقیہ کسی شخص کو نہیں چھوڑا، امام شافعیؒ جب بغداد میں آئے تو امام احمد

بن جنبل نے اُن سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور وہ اُن کے بغدادی شاگردوں میں سب سے بڑے ہیں اُس کے بعد خود اجتہاد کیا اور وہ اُن اہل حدیث مجتہدین میں ہیں جو امام شافعیؒ کی طرح صحیح السند ہونے کی حالت میں خبر واحد پر بلا شرط عمل کرتے ہیں اور اقوال صحابہؓ کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں امام احمد کا شمار فقہاء سے زیادہ اہل حدیث میں ہے اُنھوں نے سند تصنیف کی ہے جو چالیس ہزار سے زیادہ حدیثوں پر مشتمل ہیں اور اُن کے بیٹے عبداللہ نے ان سے اسکی روایت کی ہے اور اصول میں اُن کی کتاب طائفة الرسول کتاب النسخ والمسنوخ اور کتاب لعل ہے

امام احمد بن جنبل سے لوگوں نے اُن کے مذہب کی روایت کی ہے اُن میں مشہورین لوگ حسب ذیل ہیں

(۱) ابوبکر احمد بن محمد بن ابی معروف بالاثرم اُنھوں نے فقہ میں اپنی کتاب السنن امام احمد کے مذہب پر تصنیف کی ہے اور اُس پر حدیث سے بھی ثواب دلائے ہیں  
(۲) احمد بن محمد بن الحجاج المروزی، اُنھوں نے بھی ثواب ہر حدیث کے ساتھ کتاب السنن تصنیف کی ہے

(۳) اسحاق بن ابراہیم المعروف بابن راہویہ المروزی وہ امام احمد کے بہت بڑے شاگرد ہیں، اور اُنھوں نے بھی فقہ میں کتاب السنن تصنیف کی ہے  
مسئلہ خلق قرآن کی آزمائش میں صرف امام احمد بن جنبل ہی نے ثابت قدمی ظاہر کی کیونکہ مامون نے مسئلہ خلق قرآن کی جو دعوت دی اسکو بہت سے اہلحدیث نے قبول کر لیا، لیکن مسئلہ سے جس میں مامون کی دعوت شروع ہوئی، ۲۳۳ھ تک جب مین متوکل نے اس دعوت کو چھوڑ دیا، اور لوگوں کو عقائد و راے میں آزادی دی امام



امام احمد بن حنبل بالکل ثابت قدم رہے اور اسے کی صحت اور غلطی سے قطع نظر کر کے اس استقلال سے اُن کو امام العلماء کا شرف اور درجہ حاصل ہوا کیونکہ متفقدات کی حفاظت کے لیے تکلیف برداشت کرنا انسان کے لیے شرف کا بہترین زیور ہے امام احمد بن حنبل نے ائمہ میں وفات پائی،

یہ چاروں ائمہ جمہور اسلام کے وہ ائمہ ہیں جن کے مذاہب نے شہرت حاصل کی انکی تدریس کی گئی اور وہ باقی رہے

### ائمہ شیعہ

لایں دور میں شیعوں کے دو مذہبوں نے شہرت حاصل کی یعنی شیعہ زیدیه اور شیعہ امامیہ

زیدیه زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی طرف منسوب ہیں جنھوں نے کوفہ میں ہشام بن عبد الملک کے مقابلہ میں بغاوت کی اور اُن میں سے بہت سے لوگوں نے خلافت کے لیے نواسیہ اور نجاس کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کیا اور بلاد طبرستان اور بلادین میں بعض کامیابیاں بھی حاصل کیں

اس مذہب کے اصول کی رُو سے اُن کے ائمہ میں اجتہاد کی شرط ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ ان میں بہ کثرت ائمہ پیدا ہوئے جو فقہ میں اصحاب الراے تھے اور اس دور میں اُن کے سب سے بڑے امام الداعی الی اللہ الامام الناصر الحق الحسن بن علی بن الحسن بن زید بن عمر بن علی بن الحسن بن علی تھے جنھوں نے مذہب زیدیه کے متعلق بہت سی کتب تصنیف کیں جن کی ترتیب کتب فقہ کے مطابق دی گئی تھی مثلاً کتاب الطہارۃ اذ

## کتاب الاذان الخ

ان ہی امہ میں امام الداعی الی الحق الحسن بن زید بن محمد بن اسمعیل بن الحسن  
 بن زید بن الحسن بن علی نقی جو بہت بڑے عالم تھے، اور بلاد طبرستان پر حملہ کیا اور ۲۵۵ھ  
 میں اُس پر قابض ہو گئے، اور اس پر برابر قابض رہے یہاں تک کہ ۲۷۵ھ میں وفات پائی،  
 انھوں نے فقہ میں کتاب جامع اور کتاب الیمان وغیرہ تصنیف کی ان امہ میں ایک  
 قاسم بن ابراہیم العلوی الیرسی بلاد میں صاحب صدہ تھے، ۲۷۶ھ ۲۸۵ھ زید  
 قاسمیہ اُن ہی کی طرف منسوب ہیں اور کتاب الاشربہ اور کتاب الایمان والندوان کی  
 تصنیفات میں ہیں

ان ہی امہ میں سے ہادی کبلی بن الحسن بن القاسم بن ابراہیم امام صدہ ۲۸۵ھ  
 ۲۹۵ھ ہیں اور زید ہادیہ ان ہی کی طرف منسوب ہیں اور فقہ میں ان کی ایک  
 جامع کتاب ہے

اس دور کے بہت سے علماء و محدثین امامت کے متعلق مذہب زید پر رکھتے تھے،  
 اور بلاد میں کا بڑا حصہ زیدیت پر مشتمل ہے اور شیعوں کے مذاہب میں یہ مذہب جمہور کے  
 مذاہب سے بہت زیادہ قریب ہے، کیونکہ زید اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین سے زیادہ  
 امامت کا مستحق سمجھتے ہیں لیکن وہ شیخین کی تنقیص نہیں کرتے،

شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کے سب سے بڑے امام اُس دور میں امام ابو عبد اللہ جعفر الصادق  
 تھے جو سادات اہلبیت سے تھے، اور اپنی حق گوئی کی وجہ سے صادق کا لقب پایا، تھا، وہ  
 میں پیدا ہوئے اور امام مالک بن انس امام ابو حنیفہ اور بہت سے علماء مدینہ نے اُن سے تروا  
 کی، البتہ امام بخاری نے اُن کی حدیث کی تخریج نہیں کی اُن کے باپ ابو جعفر محمد باقر کا کہ

اوپر گزر چکا ہو اور شیعہ امامیہ کی فقہ کا دار و مدار ان ہی دونوں بزرگوں پر ہے اس دور  
 میں ان کے سب سے بڑے مولف ابو النضر محمد بن مسعود العیاشی اور ابو علی محمد بن احمد  
 بن ابی حمزہ بن اوزر زرارہ بن اعین کو بھی جو فقہ، حدیث، کلام اور تشیع میں شیعوں کے  
 بہت بڑے شخص ہیں شیعوں میں بہت بڑی شہرت حاصل ہے وہ ابو جعفر باقرؑ کے  
 شاگرد تھے، اور ان کے لڑکے حسین بن زرارہ اور حسن بن زرارہ ابو عبد اللہ  
 جعفر صادقؑ کے شاگرد ہیں

اس مذہب کی بنیاد یہ ہے کہ امام معصوم ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 وصی ہیں آپ نے ان کو شریعت کے ظاہر و باطن کی تعلیم دی اور انھوں نے جس  
 شخص کو امامت میں اپنا خلیفہ بنایا اس کو اس کی تعلیم دی ایسی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک امام  
 کے اقوال خود شارع کی نفوس کے مثل ہیں اور احکام اجتہاد اور رائے سے نہیں معلوم ہو سکتے  
 صرف امام معصوم کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اجتماع عام اور قیاس کو  
 یہ لوگ شرعی اصول نہیں سمجھتے، اجتماع کو تو اس لیے کہ جو شخص امام ہیں سے نہیں ہو سکتے  
 قول کا کوئی اثر نہیں اور قیاس ایک رائے ہے اور دین رائے سے حاصل نہیں ہو سکتا یہ  
 لوگ فقیہ کے بھی قائل ہیں یعنی مخالفین کے شر سے بچنے کیلئے انسان اپنے عقیدہ کے خلاف  
 دوسرے عقیدہ کا بھی اظہار کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب ان کے امام سے روایتیں مختلف  
 ہوتی ہیں تو وہ اپنی کتابوں میں اس روایت کو جو جمہور کی رائے کے مطابق ہوتی ہیں فقہ  
 پر جمول کرتے ہیں اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب ان پر اعتراض کیا جاتا ہے استنباط  
 احکام پر سیاست کا جو اثر پڑا ہے اس کا غوث یہ ہے کہ شیعہ امامیہ کا اسپر اتفاق ہے کہ میراث  
 میں بیعتی چچا زاد بھائی علاتی چچا پر مقدم ہے حالانکہ ان سب کا قول یہ ہے کہ وراثت کا

دار و مدارِ اقرابت پر ہی، اس لیے انسان جب قدرِ ریت سے قریب تر ہو گا وہ اُس کے دور کے قریب دار سے اُس کی وراثت کا زیادہ مستحق ہو گا یہی وجہ ہے کہ اُن کے نزدیک حقیقی چچا زاد بھائی وراثت میں مامون سے مؤخر ہو، لیکن وہ اسکو چچا پر اس لیے مقدم کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وراثت میں حضرت عباسؓ پر مقدم قرار پائے گا اُن کی جو رائیں تہور کی رایوں کی مخالفت ہیں وہ حسب ذیل ہیں

(۱) بھانجی کا نکاح خالہ کے نکاح کی حالت میں اس کے اذن کے بغیر نہیں ہو سکتا اور بھانجی کے نکاح کی حالت میں خالہ کا نکاح اس کے اذن کے بغیر جائز ہے اور یہی حال پھوپھی اور بھتیجی کا بھی ہے

(۲) یہ لوگ نصرانیہ اور یہودیہ کے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں اور جس آیت سے اسکی طاعت ثابت ہے اُس کو خداوند تعالیٰ کے اس قول سے منسوخ سمجھتے ہیں وَلَا تُنْكِحُوا لِعَمَلِكُمُ الْكُفْرَ (۳) مریض طلاق نہیں دے سکتا، البتہ نکاح کر سکتا ہے، اس لیے اگر اس نے نکاح کر کے بی بی کے ساتھ مباشرت کی تو یہ جائز ہے اور اگر مباشرت نہ کی اور اسی مرض میں گیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اور عورت کو نہ مہر ملیگی نہ میراث

(۴) رضاعت سے نکاح کی حرمت صرف ان شرائط کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ ایک عورت کا جس نے ایک ہی مرد کے لطفہ سے کچھ جنا ہو پورے ایک دن اور ایک رات یا متصل پندرہ بار دودھ پیا ہو، اور اُن کے درمیان کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پیا ہو، (۵) کتاب و سنت میں جس طلاق کا حکم ہے اس کی صورت صرف یہ ہے کہ جب عیبت جائزہ ہو کر پاک ہو جائے تو مرد اس کے حلال کرنے سے پہلے دو عادل گواہوں کے سامنے ایک طلاق دے پھر جب تک اسکو تین حیض نہ آجائیں وہ اُس سے رجعت کر سکتا ہے اور اگر

اس نے رجعت کر لی تو وہ اُس کے پاس رہیگی اور اُس کے بعد اسکو دو طلاق کا حق حاصل ہوگا اور اگر رجعت سے پہلے تین حیض گزر گئے تو اسکو اپنے اوپر اختیار حاصل ہوگا اور شوہر اگر منگنی کرنے والوں کے ساتھ چاہے تو اُس سے منگنی کر سکتا ہے، اور اب اگر اُس نے نکاح کر لیا تو وہ اُس کے پاس رہیگی اور اس کو دو طلاق کا حق حاصل ہوگا اور اُس کے علاوہ جو تھوڑا طلاق نہ تھا،

(۶) اگر کسی شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ ”تو مجھ پر حرام ہے“ یا اسکو طلاق بائن باطلاق تہ دی یا برتہ یا خلیہ کہا تو یہ کچھ نہیں، طلاق صرف یہ ہے کہ عدت سے پہلے جب عورت حیض سے پاک ہو جائے تو اُس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے کہ ”تجھ کو طلاق ہے“ یا تو عدت میں بیٹھیں اور اس سے طلاق مراد لے اور اُس پر دو عادل آدمی گواہی دیں

(۷) ایک مجلس میں تین طلاق صرف ایک طلاق خیال کیے جائیں گے

(اس کے علاوہ اور بہت سی راہیں ہیں جنکو وہ اپنے اقوال کی طرف منسوب کرتے ہیں)

## فنا شدہ مذاہب

فقہاء کے مذاہب میں بعض فقہاء ایسے ہیں جن کے مذاہب کے پیرو موجود تھے اور انھوں نے ایک زمانے تک اُن کے مذاہب کی پابندی کی پھر اس کے بعد جو دوسرے مذاہب پیدا ہوئے وہ اس پر غالب ہو گئے اور اُس کے پیروں کا خاتمہ ہو گیا چنانچہ ان مذاہب کے مشہور ائمہ حسب ذیل ہیں

(۱) ابو عبد الرحمن بن محمد لاوازمی، اوزاعی، یحییٰ بن قسبہ ذی الکلاع کی ایک شاخ یا دمشق میں اب الفراءیس کے راستے پر ایک گائون ہے ابو عمر نے ان لوگوں میں قیام کیا

تو اُن ہی کی طرف منسوب ہو گئے، ورنہ اُن کا اصل خاندان سبلی بن عین التمر سے تعلق رکھتا ہے، لیکن خود اد زاعی بعلبک بن شہدہ بن پیدا ہوئے اور جوان ہونے کے بعد علم حدیث کی تحصیل میں مصروف ہوئے اور عطاء بن ابی رباح اور دہری اور اُن کے طبقہ کے لوگوں سے روایت کی اور خود اُن سے اکابر محدثین نے روایت کی، امام اد زاعی بہت بڑے ادیب اور انشا پرداز تھے اور اُن کے رسائل مشہور ہیں، ولید بن مرثد کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کوئی بہترین کلمہ ایسا نہیں سنا جس کے سننے والے کو اس کی ضرورت پیش نہ آئے کہ وہ اُن کی سند سے اس کو لکھ لے اور میں نے اُن کو کبھی تمثیلہ ماکر نہتے ہوئے نہیں دیکھا، ان کا ایک قول یہ ہے کہ جب خدا کسی قوم کے ساتھ برائی کرنا چاہتا ہے تو اُن پر مناظرہ کا دروازہ کھول دیتا ہے اور اُن کو عمل سے روک دیتا ہے، اُن کا قول ہے کہ اُن فقہ پر افسوس ہو جو عبادت کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے فتنہ سیکھتے ہیں اور جو چیزیں شہدہ کی وجہ سے حرام ہیں اُن کو حلال کر لیتے ہیں، اُن کے انتقال کے مشہور مقامات میں وہ گفتگو ہے جو انھوں نے عبداللہ بن علی کے ساتھ اس وقت کی جب وہ شام میں آئے اور بنو امیہ کو قتل کیا، چنانچہ جب وہ اپنی فوج میں جنگی ہتھیار کھینچی ہوئی تھیں موجود تھے تو انھوں نے اوزاعی کو بلایا اور اُن سے پوچھا کہ بنو امیہ کے خون کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ انھوں نے کہا ”تم میں اور اُن میں معاہدے تھے، اور تمہیں اُن کو پورا کرنا چاہیے تھا“ اُس نے کہا کہ یہ فرض کر لو کہ ہمارے درمیان معاہدہ نہیں ہے“ وہ کہتے ہیں کہ میں گھبراؤ اور کشت و خون کو گوارا نہ کیا اور یہ خیال کیا کہ میں خدا کے سامنے کھڑا ہوں، اب میں نے اُس سے کہا کہ ”اُن کا خون تجھے حرام ہے“ وہ برہم ہوا اور غصہ سے اُس کی آنکھیں نکل آئیں اور گردن کی رگیں پھول گئیں اور اُس نے

کہا "کیونکہ؟" میں نے کہا کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جہنم میں ہزاروں کے مسلمانوں کا خون حلال نہیں ہے، ایک تو یہ کہ بیاہ آدمی زنا کرے، دوسرے یہ کہ جان کے بدلے میں جان لی جائے، تیسرے یہ کہ ایک شخص دین کو چھوڑ دے، اُس نے کہا کہ کیا ہماری حکومت دینی نہیں ہے؟" میں نے کہا "کیونکہ؟" اُس نے کہا "کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کے لیے وصیت نہیں کی تھی؟" میں نے کہا "اگر آپ اُن کے لیے وصیت نہ کرتے تو وہ دو حکم نہ مقرر کرتے" اب وہ چپ ہو گیا اور غصے میں بھر گیا، اُسپر مجھے خیال ہوا کہ میرا سر میرے آگے گرسے گا، لیکن اُس نے اُنٹھ کے اشارے سے کہا کہ اُس کو نکالو اور میں نکل آیا،

امام اوزاعیؒ اُن محدثین میں تھے جو قیاس کو پسند نہیں کرتے اور اہل شام کا عمل اُن کے مذہب پر تھا، اور وہ شام کے قاضی تھے، پھر بنو امیہ کی اولاد میں جو لوگ اندلس گئے اُن کے ساتھ امام اوزاعی کا مذہب بھی اندلس میں گیا، پھر تیسری صدی کے نصف حصے میں امام شافعیؒ کے مذہب کے مقابلے میں شام میں امام مالکؒ کے مذہب کے مقابلے میں اندلس میں اس مذہب کا چراغ بجھ گیا، امام اوزاعی نے شہادت دی کہ وفات پائی،

(۲) ابوسلمان داؤد بن علی بن خلف الصہبانی المعروف بالظاہری سنہ ۳۰۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور اسحاق بن راہویہؒ اور ابو ثور وغیرہ سے علم حاصل کیا، وہ امام شافعیؒ کے سخت حامی تھے، اور اُن کی مدح و فضائل میں دو کتابیں لکھیں اور بغداد میں ابیہر علی ریاست کا خاتمہ ہو گیا، اُس کے بعد انھوں نے خود اپنا ایک نیا مذہب ایجاد کیا، جسکی بنیاد یہ ہے کہ وہ ظاہر کتاب و سنت پر عمل کرتے ہیں جب تک کتاب و سنت کی کسی دلیل یا اجماع سے یہ نہ ثابت ہو کہ ظاہر کتاب و سنت مراد نہیں لیکن اگر کوئی نص نہ ملے تو ان کا

عمل اجتماع پر ہوتا ہے، اور قیاس کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں اُن کا قول ہے کہ خود ہم کتاب و سنت سے ہر مسئلہ کا جواب نکل آتا ہے

امام داؤد ظاہری نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں بہت سی ابواب فقہ ہیں جن اور بہت سی اصول ہیں مثلاً کتاب ابطال التقليد، کتاب ابطال القیاس، کتاب خبر الواحد، کتاب الحجۃ الموجبہ للعلم، کتاب الحجۃ، کتاب الخصوص، وہم کتاب المفسر، و الجمل وغیرہ اُن کے بیٹے محمد نے اُن سے علم حاصل کیا اور اُن کے مذہب پر چلے، وہ فاضل اریستو شاعر، اخباری اور ظرافت و مستوریہ میں سے تھے اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں

امام داؤد کے مقلد اور اُن کے مذہب پر کثرتاً لکھنے والے ابو الحسن عبد السمیع بن محمد بن المنکلس ہیں اور اُن کے وقت میں داؤد یون کی ریاست کا اُن پر خاتمہ ہو گیا اور بعد کو بھی کوئی شخص اُن کا مثل نظر نہ آیا وہ تمام لوگوں کے نزدیک فاضل عالم صادق افتخار اور مقدم تھے، انھوں نے ۳۳۳ھ میں وفات پائی

لوگ پانچویں صدی کے نصف حصے تک امام داؤد کے مذہب کا اتباع کرتے رہے اُس کے بعد اُس کا چراغ گل ہو گیا، انھوں نے بہت سی راویوں میں جمہور کی مخالفت کی ہے اور یہ اختلاف قیاس و رائے کے چھوڑنے اور ظاہر کتاب و سنت پر عمل کر دینا نتیجہ ہے، یعنی ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حرم الاندلسی المتوفی ۳۵۰ھ کی کتاب المحلی میں اس قسم کے بہت سے مسائل دیکھے ہیں جن میں بعض یہ ہیں

۱، طلاق صرف تین الفاظ اور اُن کے مشتقات سے واقع ہوتی ہے طلاقاً  
تسریحاً، اور فرقی، بشرطیکہ ان الفاظ سے کوئی شخص طلاق کی نیت کرے، لیکن اگر ان الفاظ کے متعلق کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے طلاق مراد نہیں لی تو فتویٰ میں اسکی تصدیق کی جائے گی



لیکن طلاق اور اشتقاق طلاق کے متعلق تضارست میں تصدیق نہیں کی جائے گی اور طلاق کے علاوہ بقیہ الفاظ کے متعلق تضارست میں بھی تصدیق کی جائے گی ان الفاظ کے علاوہ جو الفاظ ہیں مثلاً "خلیہ" "دہریہ" "توبری" ہے "دین" نے بھگ کو بری کیا "تیری تیری گردن پر کڑی" دین نے غیرے خاندان پر یا خاندان کے علاوہ کسی اور پر بہہ کیا، اور تحریم تخلیہ اور تلیکات ان کے ذریعہ سے طلاق نہ فتویٰ میں واقع ہوگی نہ تضارست میں خواہ طلاق کی نیت کرے یا نہ کرے

(۲) طلاق میں وکالت جائز نہیں

(۳) اگر ایک فائز شخص اپنی بی بی کو طلاق دے تو یہ طلاق نہ ہوگی اور وہ حسبِ پہلے اس کی بی بی تھی اسی طرح اس کی بی بی رہے گی اگر ان میں سے ایک مر گیا تو دونوں میں وراثت جاری ہوگی اور زوجیت کے تمام حقوق دونوں کے درمیان قائم رہیں گے چاہے وہ دخول ہو یا غیر دخول، تین طلاق ہو یا اس سے کم، البتہ جب وہ اسکو طلاق کا بیٹھا روانہ کرے اور عورت اس کے بھیجے ہوئے شخص کی خبر کی تصدیق کرے یا اس کی شہادت فیصلہ میں قبول کر لی جائے تو اگر عورت حاملہ ہوگی تو ایسے طر کے ساتھ پاک ہوگی کہ اس نے اس میں ان کے ساتھ جماع نہیں کیا ہے تو اس پر طلاق پڑ جائے گی

(۴) اگر ایک شخص نے بغیر قصد طلاق محض زبان کی لغزش سے طلاق دیدی اور اسپر گواہ قائم ہو گئے، تو اس کے متعلق طلاق کا فیصلہ کر دیا جائیگا، لیکن اگر گواہ نہ قائم ہوئے بلکہ وہ فتویٰ حاصل کرنے کے لیے آیا تو اس کے لیے طلاق لازم نہ ہوگی

(۵) طلاق کی قسم لازم نہیں ہو چاہے اس قسم کو پورا کرے چاہے نہ کرے اس کے ذریعہ سے طلاق واقع نہ ہوگی، طلاق وہی ہوگی جس کا حکم خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دیا ہے، اور قسم بھی وہی ہے جس کا حکم خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دیا ہے

ذریعہ سے دیا ہے

(۷) قسم ہی کا حال طلاق بالصنفہ کا بھی ہے اور ان سب سے طلاق واقع نہ ہوگی، طلاق صرف وہی ہے جسکو خداوند تعالیٰ نے حکم دیا، اور اُس کی تعلیم دی، اور وہ حکم یہ ہے کہ طلاق کا ارادہ کیا جائے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ باطل اور تجا وزعن حدود اللہ ہے (۷) اگر ایک شخص نے کہا کہ جب مہینہ شروع ہوگا تو تجھ کو طلاق ہے یا اور کسی وقت ذکر کیا تو اس سے طلاق نہ ہوگی نہ اب نہ اُس وقت جب مہینے کا آغاز ہوگا،

(۸) اگر ایک شخص نے اپنی بی بی کو طلاق کا اختیار دیا تو چاہے وہ طلاق لیلے یا نہ لے اس کو طلاق نہ ہوگی

(۹) اگر ایک عورت نے اپنے شوہر کو ناپسند کیا اور اس کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ وہ اس کا حق نہ ادا کر سکے گی یا یہ کہ شوہر اُس سے نفض رکھے گا اور اس کا حق نہ ادا کرے گا، تو وہ اس کو فدیہ دیکر اُس سے الگ ہو سکتی ہے اور اگر شوہر راضی ہو گیا تو وہ اس کو طلاق دے سکتا ہے، ورنہ میان بی بی کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، صرف اُن کی رضا مندی سے یہ معاملہ طے ہو سکتا ہے، اور فدیہ بجز دونوں مذکورہ وجوہ میں سے ایک یا دونوں کے اجتماع کے بغیر جائز نہیں، اور اگر ان دونوں کے علاوہ فدیہ دیا گیا تو وہ باطل ہے اور مرد نے عورت سے جو رقم لی ہے وہ اسکو واپس کر دی جائے گی، اور وہ پہلے ہی کی طرح اسکی بی بی رہے گی، اور صرف شوہر اُس پر ظلم کرنے سے روکا جائیگا، اور عورت اپنی تمام مملوکیات کو فدیہ میں دے سکتی ہے، اور وہ طلاق بھی ہوگی بجز اس صورت کے کہ وہ اسکو تین طلاق دے، یا تین طلاق کے آخر تک طلاق دے، یا وہ غیر موطوہ ہو اور اگر اس نے عہد کے زمانے میں رجعت کر لی تو یہ جائز ہے، عورت پسند کرے یا نہ کرے، اور عورت سے شوہر نے جو

رقم ملی ہے وہ واپس کر دیگا،

(۱۰) طلاق اور رجعت دو عادل گواہوں کے بغیر جائز نہیں؛

معلوم ہوتا ہے کہ بغداد میں علماء کو اسے اور استنباط کی امام آبادی حاصل تھی اور وہ اس سے پورا فائدہ اٹھاتے تھے، اور دوسرے فقہاء کی مخالفت سے ان کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا تھا، لیکن اندلس میں علماء کو یہ آزادی حاصل نہ تھی کیونکہ وہ ان کے علماء نے ابن حزم کو ان رایوں کی بنا پر جو انھوں نے اپنے مذہب کے خلاف اختیار کی تھیں اپنا آماجگاہ بنالیا اور امرائے دین ان کے خلاف شورش پیدا کی اور ان کو ان سے ڈرا کر ان کو خوف زدہ کرنا چاہا، لیکن وہ خوف زدہ نہ ہوئے، اور اپنی رائے سے باز نہ آئے، کیونکہ وہ ایک بہت بڑے شخص تھے، اور ہر بڑا شخص اپنے عقیدہ کے لیے تکلیف اٹھاتا ہے، لیکن ہم اہل قوت ان کی رائے کی صحت اور غلطی سے بحث کرنا نہیں چاہتے، صرف گذشتہ زمانے کی ایک حالت بیان کرنا چاہتے ہیں

میں نے طبقات الشافعیہ سبکی میں ظاہریہ کی رائے کے متعلق ایک فصل اس بحث پر دیکھی ہے کہ فروعات میں ان کی رائے کا اعتبار ہو سکتا ہو یا نہیں؟ انھوں نے اس کے متعلق تین قول بیان کیے ہیں

(۱) عموماً ان کا اعتبار ہوا دینی قول صحیح ہوا

(۲) عموماً ان کا اعتبار نہیں اور استاد ابو اسحاق نے اس رائے کو جمہور کی طرف

منسوب کیا ہے

(۳) قیاس جلی کی مخالفت رایوں کے سوا ان کی اور رایوں کا اعتبار ہوا  
ابن سبکی نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ امام داؤد ظاہری قیاس جلی کے منکر ہیں

صرف قیاس خفی کے منکر ہیں اور ابن سبکی نے اُن کے ایک رسالہ کی جس کا نام موصول ہے ایک عبارت بھی نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”قیاس کے ساتھ حکم کرنا ضروری نہیں اور استحسان ناجائز ہے“ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چیز کو حرام کر دیں پھر اسکے علاوہ دوسری چیز کو ایک شخص اس لیے حرام کرے کہ وہ اس کے مشابہ ہے، البتہ اگر آپ اس علت کو بتا دیں جس کی وجہ سے حرمت ہوئی ہے تو ہو سکتا ہے، مثلاً آپ یہ کہیں کہ یہ کچھ بڑے مین گیہوں اس لیے حرام کیا گیا کہ وہ نابالغ و نرسبت ہوتا ہے اور اُس کی طے کو دھو ڈالو کیونکہ اس میں خون لگا ہوا ہے، اور اُس کو مار ڈالو کیونکہ وہ سانپ ہے، کیونکہ اُس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ نے جس وجہ سے حکم دیا تھا، اُسکو بتلا بھی دیا تھا، اور جو حکم ایسا نہ ہو اسکو بلا چون و چرا مان لینا چاہیے، اور اُس کے علاوہ جو ہے اُس سے خاموشی اختیار کی ہے، اور وہ اُن چیزوں میں داخل ہے جو معائنہ کر دی گئی ہیں، گویا جس حکم کی علت بہ تصریح بیان کر دی گئی ہے اسکو وہ قیاس نہیں کہتے،

(۳) ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری

۲۲۴ھ میں آل طبرستان میں پیدا ہوئے، اور تحصیل علم اور تمام شہروں کی سیاحت کی اور اس قدر علم حاصل کیا کہ اُن کے معاصرین میں کوئی ان کا شریک نہ تھا، وہ کتاب التبیان کے حافظ، اصول صحابہ و تابعین کے ماہر، آیام الناس اور ان کی تاریخ کے عالم تھے اُن کی تصنیفات میں وہ مشہور تاریخ ہے کہ عربی تاریخوں میں کوئی تاریخ اس سے زیادہ قابل اعتماد نہیں، نیز وہ تفسیر ہے کہ اب تک اس کے مثل دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی، کتاب تہذیب الآثار بھی ان ہی کی تصنیف ہے لیکن اُنھوں نے اسکو پورا نہیں کیا، اُن کی ایک کتاب اختلاف الفقہاء بھی ہے، میں نے مصر کے کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی ٹکڑا دیکھا تھا جو سچ

اور بہت بڑی عقل پر دلالت کرتا تھا،

اُنھوں نے ابتدا میں ربيع بن سلیمان سے فقہ شافعی پڑھی، اور یونس بن عبد اللہ علی اور بنی عبد الحکم سے فقہ مالک حاصل کیا، اور ابو قتال سے رے میں اہل عراق کی فقہ سیکھی، اُن کے بعد اُن کا علم وسیع ہو گیا اور اُن کا اجتہاد اس درجہ کو پہنچ گیا کہ اپنی فقہی کتابوں میں اُنھوں نے اپنا ایک خاص مذہب اختیار کر لیا، اُن کتابوں میں ایک کا نام لطیف القول ہے، اور یہ وہ اقوال ہیں جنکو اُنھوں نے منتخب کیا ہے، اُن کی ایک کتاب کا نام خیف ہے، جسکو اُنھوں نے وزیر کتفی کی فرمائش سے لکھا ہے، اُس کے بعد کتاب البیض شروع کی اور اس میں کتاب الطہارۃ کو لکھا، اور اکثر صلاۃ کی اُس سے تخریج کی اور کتاب الحکام والمجاہز و السجالات کی اُس سے تخریج کی،

اُن کے وہ تلامذہ جنھوں نے اُن کے مذہب کے موافق فقہ کی تعلیم پائی، حسب ذیل ہیں  
(۱) علی بن عبد العزیز بن محمد دولابی، اُنھوں نے تلامذہ داؤد بن مغلس تقدم الذکر کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے اور کتاب افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کی تصنیف ہے،

(۲) ابو بکر محمد بن احمد بن محمد بن ابی الثلج الکاتب

(۳) ابو الحسن احمد بن یحییٰ النخعی المتکلم، کتاب المدخل الی مذہب الطبری ونہجہ مذہبہ،

کتاب الاجماع فی الفقہ علی مذہب الطبری اور کتاب الرد علی المخالفین ان کی تصنیفات سے ہیں

(۴) ابو الحسن الدیقی الحلوانی

(۵) ابو الفرج المعانی بن زکریا النہردانی، وہ امام ابو جعفر طبری کے مذہب اور اُن کی

کتابوں کے حفظ میں لیتا ہوں اس کے ساتھ بہت سے علوم کے ماہر اور ذکاوت، حافظہ اور حاضر جوابی میں معروف ہیں، امام طبری کے مذہب کے مطابق فقہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں

یہ مذہب پانچویں صدی کے نصف حصہ تک مشہور اور معمول بہ رہا ہے یہ وہ مشہور مذاہب ہیں جن پر ایک زمانہ تک عمل کیا گیا، اُس کے بعد اُن کے جاننے والوں کا خاتمہ ہو گیا اور اُن کے آثار صرف کتابوں میں محفوظ رہ گئے ان کے علاوہ اور بھی بیشمار ائمہ ہیں جو خود اجتہاد کرتے تھے، لیکن اُن کے مذہب کی اشاعت کے لیے اُن کو تقلید میں نہیں ہوئے، مثلاً اہل مصر کے امام اور امام مالک کے دوست لیث بن سعد بن کی نسبت امام شافعی کا قول ہے کہ وہ امام مالک سے زیادہ فقیہ ہیں، لیکن اُن کے تلامذہ نے اُن کا نام اونچا نہیں کیا، اور بھی بہت سے ائمہ ہیں جن کی تاریخ کے استقصاء کی گنجائش صفحات کاغذ میں نہیں

خلاصہ یہ کہ یہ دور اجتہاد کا دور تھا، اس میں تقلید کا اثر نہ تھا، بالخصوص ائمہ کے طبقہ اولیٰ کے تلامذہ میں تو تقلید کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا، اس کے بعد کے طبقات میں بے شمار تقلید کی تھوڑی سی خوشبو پائی جاتی ہے لیکن اُن میں سے جب کوئی شخص اجتہاد اور استنباط کی قدرت پاتا ہے تو وہ فوراً ناکل ہو جاتی ہے اور آزادی سے نہایت وسعت کے ساتھ پائی جاتی تھی اُس کے بعد ہم ایک فصل میں مذاہب اربعہ کی اشاعت اور جمہور اہل اسلام کے لیے اُن کی پابندی کا سبب بیان کریں گے

(۹) تفریق مسائل ✓

اس دور سے پہلے فقہ نہایت سادہ تھی، کیونکہ خود اوقات پیش آتے تھے وہ اُن کے

متعلق حکم کے اظہار تک محدود تھی اور فقہ افرضی مسائل پر کوئی حکم صادر نہیں کرتے تھے، لیکن اس دور میں فقہانے نہایت وسعت کے ساتھ مسائل ایجاد کیے، اور ان کے احکام مستنبط کیے، جن میں اہل عراق کو سب پر تفوق حاصل تھا، ان لوگوں نے قوت تحصیل پر اعتماد کیا اور لوگوں کے لیے ہزاروں ایسے مسائل نکالے جن میں بعض کا وجود ممکن ہے اور بعض ایسے ہیں کہ نسلیں گزر جائیں گی، لیکن کوئی شخص ان کے وجود کو محسوس کر سکے گا اور مختلف مالک کے وہ فقہاء جو قیاس کو فقہ کا ایک اصول سمجھتے تھے، اس معاملہ میں فقہاء عراق کے دست نگر تھے،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اٹھون نے تین جہزون کو سیکڑوں مسائل کی بنیاد قرار دیا ہے، اور ان کے جواب دینے میں نہایت مشقت کی ہے، یعنی غلام اور ان کے تصرفات، بی بی اور اس کی طلاق، قسم اور قسم شکنی، غلاموں کے بارے میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہ کثرت ان کے قبضہ میں تھے، اور اسی کثرت نے ان کے خیالات کو ان کی طرف مبذول کرایا، ایسی وجہ ہے کہ معاملات کا کوئی باب ایسا نہیں ہے جس کے اکثر مسائل کی بنیاد نوڈی اور غلام پر ہو، بیع، اجارہ، شریکۂ رہن، وصیت اور عتق وغیرہ سب میں ان ہی کے متعلق مسائل نظر آئیں گے،

لیکن عورت اور اس کے طلاق کے متعلق میں نے اس اصل پر غور کیا جس نے طلاق کے ان مسائل کی طرف فقہاء کو توجہ دلائی تو مجھے اس کے معلوم کرنے میں کامیابی ہوئی، اگر ایک ہندوستانی آدمی سے بھی مسائل کے وقوع کا تصور ہو سکے تو اٹھون نے اس کا جواب تیار کر لیا ہے اور اگر مفتی یا قاضی سے ان کا سوال کیا جائے تو ان کو جواب دینے میں کوئی توقف نہ ہوگا، رہی یہ بات کہ ان مسائل کے وجود کا تصور مشکل ہے تو اس

فحش اور بڑھ جاتا ہے، اور ان پر جو وقت صرف کیا گیا اس پر سخت افسوس ہوتا ہے  
 میں نے امام محمد بن حسن کی کتاب جامع الکبیر میں پڑھا ہے کہ اگر ایک شخص کے تین بیہاں  
 ہوں جن میں ایک کا نام زینب دوسری کا عمرہ، اور تیسری کا حمادہ ہو اور اس نے کسی کے  
 ساتھ مباشرت نہ کی ہو اور وہ زینب سے کہے کہ اگر میں تجھ کو طلاق دوں تو عمرہ کو طلاق  
 ہو جائے گی پھر اُس نے عمرہ سے کہا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دوں تو وہ حمادہ کو طلاق ہو جائے گی  
 پھر اُس نے حمادہ سے کہا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دوں تو زینب کو طلاق ہو جائے گی اس نے  
 بعد اُس نے زینب کو طلاق دی تو اُس کو یہ طلاق ہو جائے گی اور عمرہ کو قسم شکنی سے  
 طلاق واقع ہوگی لیکن ان دونوں کے علاوہ اور کسی عورت کو طلاق نہ ہوگی اور اگر  
 اُس نے زینب کو طلاق نہ دی بلکہ عمرہ کو طلاق دی تو عمرہ کو یہ طلاق ہو جائے گی اور حمادہ  
 قسم شکنی سے مطلقہ ہوگی اور زینب پر کوئی طلاق نہ پڑے گی اور اگر اُس نے عمرہ کو طلاق نہ دی  
 بلکہ حمادہ کو طلاق دی تو حمادہ پر یہ طلاق پڑے گی اور زینب قسم شکنی سے مطلقہ ہوگی اور عمرہ قسم شکنی  
 کی وجہ سے دوسری طلاق پڑ جائے گی کیونکہ اُس نے زینب کے متعلق قسم شکنی کی اس لیے اس قسم شکنی کی وجہ سے  
 مطلقہ ہو جائے گی لیکن اگر اس نے کسی عورت کو کوئی طلاق نہ دی بلکہ کہا کہ تم میں سے کسی کو  
 طلاق ہے، پھر قبل اس کے کہ وہ بیان کرے کہ اس نے کس عورت کو طلاق دی وہ  
 مر گیا تو عمرہ کو نصف مہر ملے گا، وراثت نہ ملے گی اور زینب اور حمادہ کو ایک پورا مہر اور  
 ایک چوتھائی مہر ملے گا جو ان کے درمیان نصف نصف تقسیم ہو جائے گا، میراث بھی ان کے  
 نصف ملے گی جو ان کے درمیان نصف نصف تقسیم ہو جائے گی اور نصف وراثت مرثا  
 کو ملے گی کیونکہ عمرہ ہر حالت میں مطلقہ ہوگی اور ایک حالت میں زینب اور حمادہ دونوں  
 پر طلاق پڑے گی اور ایک حالت میں صرف ان میں سے ایک مطلقہ ہوگی اس لیے ایک



حالت میں ان کو ایک ہر اور دوسری حالت میں ڈیڑھ ہر لگا، اس لیے ان کو ایک ہر اور اس کا چوتھائی حصہ ملے گا، لیکن وراثت تو ایک حالت میں ایک کو ملے گی اور ایک حالت میں ان دونوں میں سے کسی کو نہ ملے گی اس لیے نصف میراث دونوں میں نصف نصف تقسیم ہو جائے گی

اس کے بعد دوسرے مسئلہ میں ان بی بیوں کو جن کے ساتھ اُس نے مباشرت نہیں کی ہے چار فرض کیا ہے، اور حساب اور سورت کو زیادہ کر دیا ہے اور میں نے امام محمد بن ادویس شافعی کی کتاب الام میں پڑھا ہے

## طلاق بالحساب

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ تجھ کو ایک طلاق ہو جسکے قبل یا جس کے بعد ایک ہے تو اس پر دو طلاق پڑ جائے گی، لیکن اگر اُس نے کہا کہ میں نے ایک طلاق مراد لی ہے اور اسکے پہلے اور بعد سے طلاق مراد نہیں لی ہے تو فیصلہ میں اس کا اعتبار نہیں کیا جائیگا، لیکن فیما بینہ و بین اللہ اعتبار کیا جائیگا، اور اگر اُس نے بی بی کو ایک طلاق دیکر پھر رجعت کر لی اسکے بعد کہا کہ تجھ کو ایک طلاق ہے جسکے پہلے ایک ہے اور اُس نے کہا کہ میرا مقصد یہ تھا کہ اُس کے پہلے میں اس کو ایک طلاق دے چکا تھا تو قسم لینے کے فیصلہ میں بھی اس کی بات مان لی جائے گی اور اگر کہا کہ تجھ کو ایک طلاق ہے جس کے بعد ایک ہے، پھر خاموشی اختیار کر لی اور کہا کہ میرا مقصد یہ تھا کہ اس طلاق کے بعد تجھ کو ایک وقت کے بعد ایک طلاق دوں گا یا تجھ کو صرف اُسی وقت کے بعد وہ طلاق دوں گا تو فیصلہ میں اُس کا اعتبار نہیں کیا جائیگا، اور فیما بینہ و بین اللہ اعتبار کیا جائیگا، اگر کسی شخص نے

اپنی بی بی سے کہا کہ تیرا بدن، یا تیرا سر یا تیرا پاؤں یا تیرا ہاتھ یا اس کے کسی اور عضو یا اسکی انگلی یا اس کے کسی پور کا نام لیا تو عورت کو طلاق پڑ جائے گی، اور اگر اس سے کہا کہ تیرے بعض کو طلاق ہے یا تیرے کسی جزو کو طلاق ہے یا ہزار جزو میں سے کسی جزو کا نام لیا تو اسکو طلاق پڑ جائے گی، کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں کیے جاتے، اور اگر اس سے کہا کہ تجھ کو ایک طلاق کے دو نصف حصہ کے برابر طلاق ہے تو اس پر صرف ایک طلاق پڑے گی، البتہ اگر وہ دو طلاق مراد لے، یا یہ کہے کہ میرا مقصد یہ تھا کہ نصف اس کے حکم سے جو تھا واقع ہوا تو نصف اس کے حکم سے جو تھا نئے سرے سے دیجائے گی تو دو طلاق پڑ جائے گی اسی طرح اگر اس سے کہا کہ تجھ کو ایک طلاق کی تین تہائی یا چار تہائی طلاق ہے ان میں سے ہر ایک ایک طلاق سمجھی جائیگی کیونکہ ہر طلاق دو نصف یا تین تہائی یا چار چوتھائی کا مجموعہ ہوتی ہے، البتہ اگر وہ اس سے زیادہ کی نیت کرے تو وہ لفظ کے ساتھ نیت کرنے سے واقع ہو جائے گی اگر ایک شخص نے اپنی بی بی کی طرف دیکھا اور اس کے ساتھ ایک ایسی عورت ہے جو اس کی بی بی نہیں ہے، پھر کہا کہ تم میں سے ایک کو طلاق ہے تو شوہر اسی کے قول کا اعتبار کیا جائیگا، اگر اس نے کہا کہ اس نے اپنی بی بی کو مراد لیا تھا تو اس پر طلاق پڑ جائیگی، اور اگر اس نے اجنبیہ کو مراد لیا تھا تو اس کی بی بی کو طلاق نہ ہوگی اور اگر اس نے کہا کہ اس نے اجنبیہ کو مراد لیا تھا تو اس سے قسم لی جائے گی اور اسکی عورت ایسی حالت میں ہوگی کہ اس پر طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اس نے اپنی بی بی سے کہا کہ تجھ کو ایک طلاق دو میں ہے تو اسکو ایک طلاق ہو جائے گی اور اس کے قول "دو میں" کے متعلق سوال کیا جائیگا، اور اگر اس نے کہا کہ میں نے کوئی نیت نہیں کی تھی تو اسکو صرف ایک طلاق ہوگی انچ

اسی طرح انھوں نے اور بھی خیالی اور عجیب صورتیں بیان کی ہیں حالانکہ کتاب اللہ

اکثر حصہ خیالی مسائل سے الگ ہے،

کتاب المذنبہ بھی جو امام مالک سے منقول ہے طلاق کے متعلق بہت سے مسائل میں اس سے کم نہیں ہے کیونکہ امام محمد بن حسن کی کتاب میں اسکی اصل ہیں رہے تذر و تم تو وہ ایک دریا ہے ناپیدا کناس ہے تم کو اس میں حیرت انگیز تنوع نظر آئے گا گو یا قسم کی جس قدر خیالی صورتیں ہو سکتی تھیں ان فہم نے ان کو سامنے رکھ لیا ہے اور اس کے جواب دیے ہیں حالانکہ اس میں یقیناً بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے رسم و رواج میں مختلف ممالک کے لحاظ سے اختلاف ہو جاتا ہو کاش قسم غلاموں کی آزادی اور طلاق کے مسائل میں اس دراز نفی کا سبب مجھ کو معلوم ہو سکتا، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ پہلی صدی کے اواخر میں بہت پر قسم لینے کا جو طریقہ پیدا ہوا اس نے اس پر اثر ڈالا ہو گا چنانچہ ایک معاہدے میں جو دوسری صدی میں کیا گیا ہے یہ الفاظ مذکور ہیں،

اگر تم نے اس میں کسی چیز کو بدلا یا معاہدہ کی یا اس چیز کی مخالفت کی جس کا تم کو امیر المؤمنین نے حکم دیا، اور اس کتاب میں تم کو اس کا پابند بنایا تو تم خدا، رسول اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری سے بری ہو گئے، اور تم میں سے آج ہر شخص کے پاس جو مال ہے یا پچاس سال تک اس سے فائدہ اٹھائے گا وہ سیکینون پر صدقہ ہو اور تم میں سے ہر ایک کیلئے پچاس سال تک کہ کے بیت الحرام کی طرف بطور نذر واجب کے چلنا ہو گا، خدا صرف اس کے پورے کرنے کو قبول کرے گا، اور تمہارا ہر غلام یا تم میں سے ہر شخص پچاس سال تک جس غلام کا مالک ہو گا وہ آزاد ہے اور انکی ہر عورت کو تین طلاقیں قطعی طور پر پڑ جائیں گی اس میں کسی قسم کی استثنا نہیں ہے،

اور دوسرے معاہدے کے یہ الفاظ ہیں

اگرین نے تبدیلی پیدا کی اگر تو خدا سے اس کی ولایت سے اُس کے دین سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہو گیا اور قیامت کے دن خدا سے کافر مشرک ہو کر ملون گا اور آج میرے پاس جو عورت ہر پانچ سال تک میں اُس سے نکاح کر دوں گا اس کو تین قطعی طلاقین ہو جائیں گی اگر

کیا بیعت کے ان معاہدوں میں بی بی غلام اور نذر شدہ مال کے داخل کرنے کا اثر ان ابواب کے مسائل کی کثرت تفریع پر نہیں پڑ سکتا؟  
جو لوگ اس قسم کی قسمیں لیتے تھے، تمام ائمہ نے ان کے اغراض کی تائید نہیں کی، چنانچہ امام مالک بن انس اور اہل حجاز نے اس قول کے ساتھ کہ ”مجبور کردہ شخص پر قسم نہیں ہے“ ان کی مخالفت کی، گو ابو جعفر منصور کے عہد میں ان کو اسپر سزا دی گئی اور یہ یعنی ہو کہ یہی اسکا سبب تھا، امام شافعی نے بھی اس قول کے ساتھ کہ ”جو عورت نکاح میں نہیں آئی، اُس کے طلاق کی قسم کھانا بالکل بے اثر ہے“ ان سے اختلاف کیا، اور ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی وجہ سے ان کو کوئی صدمہ پہونچا، کیونکہ وہ ابو جعفر جیسے مستبد شخص کے زمانے میں نہ تھے، امام داد نے بھی اس قول کے ساتھ کہ ”غیر خدا کی قسم بالکل بے قیمت و بے اثر ہے“ ان کی مخالفت کی اور دوسرے لوگوں نے بھی اس قول کے ساتھ کہ قسم میں استثناء جائز ہے گو وہ چند دنوں کے بعد ہو، ان سے اختلاف کیا جسکے معنی یہ ہیں کہ قسم کھانے کے بعد اگر وہ انشاء اللہ کا لفظ کہے تو قسم کی کوئی قیمت باقی نہ رہ جائے گی ایک بار منصور سے کہا گیا کہ استثناء فی الیمین کے جواز میں امام ابو حنیفہ تھمارے دادا ابن عباس سے اختلاف کرتے ہیں چنانچہ ابو جعفر نے اُس کے بارے میں ان سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ جو شخص اس استثناء کو جائز رکھتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ میرے سپہ سالاروں تبریزی بختم کی پابندی لازم

نہیں ہو کیونکہ وہ تیری بیعت پر قسم کھائیں گے، پھر نکل کر اس تئنا کر لیں گے اس لیے یہ قسم اُن کے لیے لازم نہ ہوگی، اس پر ابو جعفر امام ابو حنیفہؒ سے خوش ہوا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کی بیعت کو دیکھو اور اس کلام سے جس کا نام ان لوگوں نے مباہیہ رکھا ہے اس کا مقابلہ کر دو تو کم کو دو دنوں زمانوں میں قوم کی روح میں عظیم الشان فرق نظر آئے گا، کیونکہ پہلے زمانہ میں یہ لفظ کہ "میں تم سے بیعت کرتا ہوں" حتمیہ کو شامل ہو جاتا تھا اس لیے بیعت کرنے والا نقص بیعت یا اس کی خلافت و رزی کی کوئی گنجائش نہیں پاتا تھا کیونکہ وہ شریف تھا اور اُس نے وفا پر اپنے شرف کو رہن کر دیا تھا اور اصحاب بیعت حجاجیہ اور منصور یہ ایسے لوگ تھے جن کے معاہدے پر صرف اس وقت اعتماد کیا جاسکتا تھا جب اسپر مال کے ضائع، عورتوں کے مطلقہ اور غلاموں کے آزاد ہونے سے مدد ملی جائے، اور اُن سب کو دین کا پابند کیا جائے لیکن اس کے ساتھ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جن بیعتوں میں ان ذرائع سے کام لیا گیا اُن میں اکثر بیعتوں کے کرنے والوں نے اُن کو پورا نہیں کیا اور اصحابِ شروط کے ایسے حیلے اُن کے پاس موجود تھے جنہوں نے اُن کو اس تنگ دائرے سے باہر نکال دیا،

ان تفریعات کا سلسلہ ابوابِ عبادات تک بھی پہنچا اور تم کو عبادات کے متعلق بھی بہت سی ایسی صورتیں مل سکتی ہیں جن کا عقل انکار کرتی ہے اور اُن کے وجود کی تصدیق نہیں کرتی، لیکن ان بزرگوں نے اپنے بعد کے لوگوں کو غور و فکر کرنے سے نجات دیدی اور ان کے لیے مسائل کی صورتیں وضع کیں اور اُن کے جواب تحریر کیے،

امام محمدؒ کی کتاب المبسوط بہت بڑی کتاب ہے جو چھ ضخیم حصوں میں لکھی ہوئی ہے اور ہر جلد کے اوراق کی تعداد بہت قطع کامل پانچ سو ہے اور ان سب میں مسائل کی تفصیل ہے

تو اب تم خود غور کرو کہ اُس کے مسائل کی تعداد کیا ہوگی؟ جبکہ مختصر قدوری میں جیسا کہ لوگوں کا بیان ہر بار ہزار مسئلے ہیں تو مبسوط میں کس قدر مسائل ہوں گے، حالانکہ مختصر قدوری اُس کے دسویں حصے کے برابر بھی نہیں ہے بلکہ غیبیہ بہت بڑا سرمایہ ہے اور اُس سے ان بزرگوں کی جدوجہد کی مقدار کا پتہ چلتا ہے۔

میں نے اپنے سامنے امام محمدؒ کی مبسوط اور امام شافعیؒ کی کتاب الام کی ایک ایک جلد ایک ہی موضوع کے متعلق چھین اور ایک بار اس کو اور ایک بار اس کو دیکھنا شروع کیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ امام شافعیؒ لکھتے ہیں تو پڑھنے والوں سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اُس اصول کو سیکھے اور جانے جس سے استنباط کیا گیا ہو اور مجتہد اپنے اجتہاد سے جس نتیجہ تک پہنچا ہے اس پر جو اعتراضات ہوتے ہیں وہ اُن کے جواب دینے کے طریقے بیان کرتے ہیں اس لیے اگر پڑھنے والے کا مقصد جواب مسئلہ کا معلوم کرنا نہ ہو تو وہ بکثرت اُس کے مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور اس غرض کو اُنھوں نے پورا کر دیا ہے لیکن امام محمدؒ شاگرد کے لیے لکھتے ہیں اور اس کو مسائل کے جواب سکھاتے ہیں اس لیے وہ فروعات کا ماہر ہو کر نکلتا ہے اور اُس کے دل میں کسی فرع کا تصور نہیں آتا جبکہ وہ لکھا ہوا نہ پائے اور اس کا جواب اُس کی نظر سے نہ گزرتے یہی وجہ ہے کہ پڑھنے والے کا وقت اُس میں اُسی قدر صرف ہوتا ہے کہ اس کو اپنے مسئلہ کا جواب مل جائے میں اس وقت یہ فیصلہ کرنا نہیں چاہتا کہ اس قدر فروعات فقہیہ کی کثرت صحیح ہے یا غلط؟ میں تم کو صرف یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ تفریع مسائل اس دور کا ایک خاصہ ہے اور صحابہؓ و تابعینؓ کا یہ طریقہ نہ تھا بلکہ جو مسئلہ پیدا نہیں ہوتا تھا اُس کے جواب دینے کو وہ لوگ بڑا سمجھتے تھے اور آئندہ کے دونوں دوروں میں تم کو اُس کا نتیجہ معلوم ہوگا،

## مسائل بحیل

تاریخی واقعات میں سب سے عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ ایک مذہبی مقنن ایسے مسائل فرض کرے اور لوگوں کو ان کی تعلیم اس غرض سے دے کہ وہ احکام شرعیہ سے کیونکر نجات حاصل کر سکتے ہیں؟ ایک دلیل کے متعلق جو لوگوں کے بنائے ہوئے قانون کا پابند ہے یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے، کیونکہ وہ قانونی حیلوں کے ذریعہ سے ایک مجرم کی رہائی کی تدبیر کرتا ہے اور کبھی کبھی اُس کو اس کا کمال بھی خیال کیا جاتا ہے، لیکن اگر وہ اُس کو بہت زیادہ وسعت دے اور لوگوں کے لیے قانونی حیلوں کے ذریعہ سے دوسرے حقوق کا باطل کرنا آسان کر دے تو یہ اس کی ذمہ داری کے ضعف کی دلیل خیال کی جائے گی اور وہ بھی جس چیز کو دینی خیال کرتا ہے اُس کے ابطال کے لیے ایسے جیلہ نہ کرے گا۔ ایسی حالت میں اگر ہم ایک مذہبی آدمی کو دینی احکام کے ساتھ ایسا کرتے ہوئے پائیں تو ہم پر کیا اثر پڑے گا؟ لیکن ہم کو اس دور میں ایک ایسا شخص ملتا ہے جس نے لوگوں کے لیے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام کتاب بحیل رکھا اور اہل حدیث نے نہایت سختی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ اُس کے مصنف کو شیطان کہا اور اسپر فسق و فجور کے داغ کا نشان لگا یا، لیکن اُس کے مصنف کا نام نہ معلوم ہو سکا، لوگوں نے اہل عراق میں سے بعض اصحاب الراے پر اس کا الزام لگا یا، لیکن یہ تعین نہ کر سکے کہ وہ کون ہے؟ اس کے بعض مسائل سے اُس کے مصنف کی بھی کمزوری کا پتہ چلتا ہے، کیونکہ جو شخص ایک مسلمان کیلئے فریضہ زکوٰۃ کے چھوڑ دینے میں آسانی پیدا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب سال قریب ختم کے ہو تو بھٹوڑی دیر کے لیے اپنا مال اپنے لڑکے یا بی بی پر ہبہ کر دو، پھر اُس سے اپنے اوپر لے لے

کیونکہ اب نیا سال شروع ہو جائے گا اور زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اس کی نسبت مختار کیا خیال قائم ہو سکتا ہے، مسائل حیل میں جہرم کے لحاظ سے یہ ایک چھوٹی سی مثال ہو، ورنہ اس میں استقاطِ شفعہ کے متعلق بہت سے مسائل ہیں اور پابندی قسم سے آزاد ہونے کی مثالیں تو اور بھی زیادہ ہیں، خدا کی قسم ایک ایسا مذہب جو اُس مطلقہ عورت کو وراثت دے، تو اتنا ہے جس کا شوہر حالتِ مرض میں اس غرض سے طلاق دیتا ہے کہ اُسکو وراثت ملے، حیلہ و فریب سے بالکل الگ ہے، البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسائل کی جو کثرت ہوئی اور طرح طرح کے جو مسائل وضع کیے گئے اُس نے کمزور مذہب کے لوگوں کو اسپر آدہ کیا کہ کلام اللہ کی مدد سے حیلے تراشیں، لیکن اُن کے دل میں یہ بات نہ تھی کہ اس غرض کے لیے اُن کے مسائل استعمال کیے جائیں گے، غالباً ہم اپنے اصل مقصد یعنی تالیف سے الگ ہو گئے، کیونکہ یہ ایک عجیب چیز تھی جو روایت کی گئی ہو، اس لیے ہم اس سے بالکل گزر نہیں جاسکتے تھے، علامہ ابن قیم جو زی نے اپنی کتاب اعلام المتوہین میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے، اگر تم چاہو تو اُس کو دیکھ سکتے ہو،

(۱۰) احکام میں کتابوں کی تدوین

ہم نے جن ائمہ کا تذکرہ کیا، اُن سب کے لیے کتابیں تدوین کی گئیں جن سے وہ احکام معلوم ہوتے ہیں جن کو انھوں نے مستنبط کیا، اکثر تو ان کتابوں کو اُن کے تلامذہ کے تلامذہ نے تدوین کیا ہے اور بعض کتابوں کو خود اُن ائمہ نے تدوین کیا اور اپنے تلامذہ کو املا کر دیا ہے، چنانچہ ہم ان کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو اُن مذاہب کی بنیاد خیال کی جاتی ہیں



## امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے متعلق کتابیں

مجموعہ

امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے پہلے اُن کے سب سے بڑے شاگرد امام ابو یوسفؒ نے کتابیں تصنیف کیں ابن زبیم نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ اُن کی اصول دہالی کی کتابوں میں کتاب الصلاۃ اور کتاب الزکاۃ آخر کتب فقہ تک ہیں

ان کے علاوہ اُن کی حسب ذیل کتابیں ہیں

(۱) المار، قاضی بشر بن ولید نے اس کی روایت کی ہے اور امام ابو یوسفؒ کی تفریحات ۳۶ کتابوں پر مشتمل ہے

(۲) کتاب اختلاف الامصار

(۳) کتاب الرد علی مالک بن انس

(۴) کتاب الخراج، اسکو اھنوں نے ہارون رشید کے نام بطور ایک خط کے لکھا ہے

(۵) کتاب الجوامع، اسکو اھنوں نے یحییٰ بن خالد کے لیے تالیف کیا ہے جو چالیس کتابوں پر مشتمل ہے، اور اس میں لوگوں کے لیے اختلاف اور معمول پر رائے کا تذکرہ کیا ہے

لیکن اُن کی کتابوں میں ہم کو صرف کتاب الخراج مل سکی ہے جو مصر میں چھاپی گئی ہے وہ اُس کی ابتداء میں فرماتے ہیں

امیر المومنین نے مجھ سے خواہش کی کہ اس کے لیے ایک ایسی جامع کتاب لکھوں جس پر خراج

عشورہ صدقات اور جزیہ وغیرہ کے متعلق جن پر غور کرنا اور عمل کرنا ضروری ہو عمل کیا جائے

اور اُس سے امیر المومنین کا مقصد یہ ہے کہ اس کی رعایا سے ظلم دور کیا جائے اور اُن کے معاملے کی اصلاح ہو، خداوند تعالیٰ امیر المومنین کو توفیق دے، اٹھیک راستے پر چلائے، اسپر اس کی مدد کرے اور جس چیز سے ہڈتا ہو اس سے اُسکو محفوظ رکھے، امیر المومنین نے مجھ سے یہ چاہا ہے کہ وہ جس چیز پر عمل کرنا چاہتا ہے اُس کے متعلق مجھ سے جس چیز کا سوال کیا ہے اُس کی تفسیر و تشریح کروں، چنانچہ میں نے اُسکی تفسیر و تشریح کی، یہ کتاب نہایت عمدہ اور اُس زمانہ کا ایک سرمایہ ہے،

اُن کی تصنیفات میں ہم کو کتاب اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلی بھی ملی ہے جس میں اُنھوں نے اپنے ان دونوں استادوں کے بہت سے اختلافی مسائل بیان کیے ہیں اور وہ خود کبھی امام ابو حنیفہ سے اتفاق کرتے ہیں اور کبھی ابن ابی لیلیٰ کی رائے لیتے ہیں، امام شافعی نے اس کتاب کو لیا ہے، اور ان تینوں اماموں (ابو حنیفہ، ابن ابی لیلیٰ، ابو یوسف) کی رائے کی روایت کرنے کے بعد اُن کے متعلق اپنی ترجیحی رائے کو ذکر کرتے ہیں اور بسا اوقات اُن کی رایوں کے مخالف خود اپنی ذاتی رائے اختیار کرتے ہیں، اس کتاب کے یہ چند مسائل ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس استنباط کا دار مدار رائے پر ہے اس کا کیا طریقہ ہے؟

## صناع کا تادان

(۱) ایک آدمی نے درزی کو کپڑا دیا اور اُس نے اُس کی قبائلی لیکن کپڑے کے مالک نے کہا کہ میں نے تجھ کو قمیص کا حکم دیا تھا، اور درزی نے کہا کہ تم نے مجھ سے قبائلی فرواش کی تھی، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ کپڑے کے مالک کا قول قبول کیا جائیگا،

اور درزی کپڑے کی قیمت دیگا اور امام ابو یوسف بھی اسی راے کو لیتے ہیں، لیکن ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک درزی کا قول قبول کیا جائیگا، اور اگر درزی کے پاس سے کپڑا ضائع ہو گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر اور اسی طرح دھوبی اور رنگریز وغیرہ پر بخیر اس صورت کے کہ انھوں نے خود ضائع کیا ہو کوئی تاوان نہیں، لیکن ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ اگر انھوں نے بذات خود ضائع کیا ہو لیکن جو چیز انکے پاس ضائع ہوئی وہ اس کا تاوان دینگے امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ وہ تاوان دینے کی صورت میں نہیں

امام شافعی کہتے ہیں کہ جو شخص اجیرین سے تاوان دلواتا ہے، وہ اسکو عاریت پر قیاس کرتا ہے جس کا تاوان لیا جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ عاریت کا تاوان اس لیے لیا جاتا ہے کہ عاریت لینے والے کا فائدہ ہوتا ہے اس لیے جب تک وہ اسکو محفوظ طریقہ پر واپس نہ کر دے، وہ اس کا تاوان دیگا اور وہ مثل سلف کے ہے، قاضی نیزی بھی دھوبی سے تاوان لینے کی طرف گئے ہیں چنانچہ انھوں نے ایک ایسے دھوبی سے تاوان دلویا جس کا گھر جل گیا تھا اُس نے کہا کہ آپ مجھ سے تاوان دلواتے ہیں؟ حالانکہ میں گھر جل گیا ہے، بولے اگر کپڑے والے کا گھر جل جاتا تو کیا اُس سے اپنی اجرت نہ لیتا لیکن جو لوگ ان سے تاوان نہیں دلواتے وہ اسکو ودیعت پر قیاس کرتے ہیں عطاء یہ روایت ثابت ہے کہ انھوں نے کہا کہ کارگیر اور اجیر پر ضمانت نہیں ہے البتہ اجیر اور کارگیروں نے جس چیز کو خود ضائع کر دیا ہو اُس کے متعلق کوئی سوال نہیں ہے، اور جس طرح ایک امانت دار آدمی اس امانت کی ضمانت دیتا ہے، جبکو اُس نے خود ضائع کر دیا ہو، اسی طرح یہ لوگ بھی ضمانت دین گے اور ضائع کرنے کا جرم کسی سے معاف نہ دگا اسی طرح اگر انھوں نے زبردستی سے ضائع کیا ہو تو وہ تاوان دین گے، اسی سے کہتے ہیں

کہ میرے خیال میں امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ کاریگر پر بجز اس صورت کے کہ اُس نے خود ضائع کیا ہو تاوان نہیں ہے، لیکن کاریگر دن کے خوف سے وہ اس کا اظہار نہیں کرتے۔  
**مشتري کے پاس زمانہ مختار میں فروخت شدہ چیز کا ضائع ہو جانا**

اگر کسی شخص نے ایک چیز اس شرط پر خریدی کہ بائع کو ایک دن تک اُسے لینے کا اختیار ہوگا اور خریدار نے اس پر قبضہ کر لیا اور وہ اُس کے پاس ضائع ہو گئی تو امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ خریدار کو قیمت لینے کا تاوان برداشت کرنا پڑیگا کیونکہ اُس نے بیع کی شرط پر اسکو لیا ہے اور یہی امام ابو یوسف کی بھی رائے ہے لیکن ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ وہ اس صورت میں امین ہے لیکن اگر خریدار کو واپس کرنے کا اختیار ہو اور وہ اُس کے پاس ضائع ہو جائے تو دونوں کے قول میں جس شخص پر اُس نے خریدا ہے وہ اُس پر بطور تاوان کے پڑیگی اور امام شافعی کہتے ہیں کہ وہ اُس کی قیمت کو تاوان میں دیگا، ہم ثمن کو بطور تاوان کے اس لیے نہیں دلاتے کہ اس میں بیع مکمل نہیں ہوئی ہے اور تاوان سے اسکو بری اس لیے نہیں کرتے کہ اُس نے اسکو بیع پر لیا ہے جس کو عوض خریدار سے لیگا، اس لیے ہم فروخت شدہ چیز کا تاوان دلاؤں گے، وہ اس کا امین نہیں ہو سکتا کیونکہ آدمی اُس چیز کا امین ہوتا ہے جس کا وہ نہ مالک ہو اور نہ اُس سے کوئی نفع عاجل و آجل اُٹھائے صرف اُس کو اصل مالک کے فائدہ کے لیے نہ کہ اپنے فائدے کے لیے اپنے پاس روک رکھے چاہے واپسی کا اختیار بائع کو ہو یا مشتری کو اس میں دونوں برابر ہیں کیونکہ بیع کے مکمل ہونے سے پہلے وہ چیز تلف ہو گئی

سہ قیمت مال کی اصل قیمت کہتے ہیں سہ اور ثمن وہ ہے جو بائع و مشتری میں طے ہو جائے،

## (شفعہ)

ایک شخص نے ایک مکان خریدا اور اس میں ایک عمارت تعمیر کی اس کے بعد شفعہ نے بذریعہ شفعہ کے اس کا مطالبہ کیا، امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ شفعہ مکان لے لیگا، اور عمارت بنانے والا کھنڈر لے گا، اور امام ابو یوسف بھی یہی رائے ہے، لیکن ابن ابی لیلیٰ مکان اور تو تعمیر عمارت دونوں شفعہ کو دلواتے ہیں اور اس کو نو تعمیر عمارت کی قیمت اور مکان کا ثمن ادا کرنا ہو گا ورنہ اس کو شفعہ کا حق حاصل نہ ہو گا، اور امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی مکان کا ایک حصہ خریدا، پھر اُس کی تقسیم کی اور نئی عمارت بنائی، اب شفعہ نے بذریعہ شفعہ کے اس کا مطالبہ کیا تو اس کا کہا جائیگا کہ اگر تم چاہو تو مکان کا ثمن اور نئی عمارت کی جو قیمت آج ہے ادا کرو ورنہ شفعہ سے باز آؤ، اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ اس نے عمارت زبردستی نہیں بنائی ہو، اس لیے اس پر اس کا انہدام فرض نہیں ہے

## (ہمسایہ کا شفعہ)

امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ شفعہ کا حق پہلے اُس شریک کو حاصل ہے جس نے تقسیم نہیں کی ہے، اُس کے بعد اُس شریک کو جس نے تقسیم کر لی ہے اور دونوں کا راستہ ایک ہے پھر متصل کے ہمسائے کو حق شفعہ حاصل ہے اور جب بہت سے ہمسائے ہوں اور ان سب کا اتصال برابر درجہ کا ہو تو وہ شفعہ میں شریک ہیں، ابن ابی لیلیٰ بھی امام ابوحنیفہ ہی کے قول کے قائل تھے، لیکن جب امیر المؤمنین ابوالباس نے اُن کو تحریری حکم بھیجا کہ شفعہ کا

فیصلہ صرف اُس شریک کے حق میں کرین جس نے تقسیم نہیں کی ہے تو اُنھوں نے اس حکم کو قبول کر لیا اور صرف اُس شریک کے حق میں فیصلہ کرنے لگے جس نے تقسیم نہیں کی تھی، یہی قول اہل حجاز کا ہے اور یہی رائے امام شافعی کی ہے۔

پوری کتاب اسی پسندیدہ روش پر لکھی گئی ہے جس سے وہ طریقہ نہایت واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں جن کو ان ائمہ نے استنباط و استقواء میں اختیار کیا ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے اور ان کے تلامذہ کے مذہب کے متعلق جس شخص کی کتابیں ہمارے لیے محفوظ رہیں وہ امام محمد بن حسن بن جن کو ان مذاہب کی روایت کے ساتھ دوسرے دن پر دنیا ز حاصل ہوئی اُن کی کتابوں کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جن کی اُن سے روایت کی گئی اور وہ سب مشہور ہوئیں کہ قلوب پر ان کو اطمینان حاصل ہو گیا، اور یہ کتابیں ظاہر الروایۃ کے نام سے مشہور ہیں اور دوسری وہ کتابیں ہیں جنھوں نے یہ درجہ نہیں حاصل کیا اور ہم ان دونوں قسم کی کتابوں پر بحث کرتے ہیں۔

### کتاب ظاہر الروایۃ

میں پہلی کتاب جامع الصغیر ہے جس میں وہ مسائل جمع کیے گئے ہیں جن کو امام محمد سے اُن کے دو شاگردوں یعنی عیسیٰ بن ابان اور محمد بن سماعہ نے روایت کیا ہے یہ مسائل کتب فقہ کی چالیس کتابوں میں ہیں جن میں پہلی کتاب کتاب الصلاۃ ہے لیکن اس کی ہر کتاب میں ابواب نہیں قائم کئے گئے تھے اس لیے قاضی ابوطاہر محمد بن محمد الدباس نے اس کی ترویج لے مصنف نے کئی درجہ میں اس قسم کے مسائل لکھے ہیں لیکن ہم نے طوالت اور غیر دلچسپی کے خیال سے ان کو ظم انداز کر دیا ہے۔

ترتیب کی تاکہ طلباء پر اس کا یاد کرنا اور پڑھنا آسان ہو جائے، امام محمد اس کتاب کے مسائل کی روایت امام ابو یوسف سے اور وہ امام ابو حنیفہ سے کرتے ہیں اور اس کتاب میں استدلال موجود نہیں ہے

دوسری کتاب جامع الکبیر ہے جو جامع صغیر ہی کے مثل ہے، البتہ وہ اُس سے بڑی ہے

تیسری کتاب مہوط ہے جو صل کے نام سے مشہور ہے، امام محمد کی تصنیفات میں یہ سب سے بڑی کتاب ہے، جس میں اُنھوں نے اس قسم کے ہزاروں مسائل جمع کیے ہیں جن کے جوابات امام ابو حنیفہ نے مستنبط کئے ہیں اور ان میں بعض وہ مسائل بھی ہیں جنہیں امام ابو یوسف اور امام محمد نے اُن سے اختلاف کیا ہے، اس کتاب میں اُن کی عادت یہ ہے کہ اسکو وہ اُن آثار سے شروع کرتے ہیں جو اُن کے پاس موجود ہوتے ہیں پھر اُس کے مسائل بیان کرتے ہیں اور اکثر اُن مسائل پر خاتمہ کرتے ہیں جن میں امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلی نے اس باب کے مسائل میں اختلاف کیا ہے اور اُن کے ایک شاگرد احمد بن حفص نے اُن سے اس کتاب کی روایت کی ہے اور وہ احکام کی علت و سوغالی ہے، چوتھی کتاب سیر الصغیر ہے جس میں کتاب الجہاد کے مسائل ہیں

پانچویں کتاب سیر الکبیر ہے اور وہ فقہ میں اُن کی آخری تصنیف ہے اور یہی وجہ ہے کہ اُن کی کتابوں کے راوی ابو حفص احمد بن حفص نے اُن سے اس کی روایت نہیں کی ہے، کیونکہ ابو حفص کے عراق سے واپس آنے کے بعد اُنھوں نے اُس کو تصنیف کیا ہے، اس لیے اُس کے کسی مسئلہ میں اُنھوں نے امام ابو یوسف کا نام نہیں لیا ہے، کیونکہ جب اُن فون کے درمیان سخت عداوت قائم ہو گئی ہے، اس کے بعد اُنھوں نے اس کتاب کو لکھا ہے

اور جب وہ امام ابو یوسف سے کسی حدیث کی روایت کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "ثقہ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی" اور جہاں کہیں یہ لفظ بولتے ہیں اس سے امام ابو یوسف کی ذات مراد لیتے ہیں

امام محمد سے ابوسلیمان جوزجانی اور اسمعیل بن ثواب نے اس کتاب کی روایت کی ہے جو تھنی صدی کے آغاز میں ابوالفضل محمد بن احمد مروزی المعروف بالکامل الشہید نے کافی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں امام محمد کی مبسوط کتابوں کے مطالب بیان کیے، ان کے مکرر مسائل کو حذف کر دیا، یہ ایک عمدہ قلمی کتاب ہے جو مصر کے کتب خانہ میں موجود ہے

امام محمد بن حسن کی کتابوں میں ہم کو ایک اور کتاب ملی ہے جس میں انھوں نے اہل مدینہ پر رد کیا ہے اور امام شافعی نے کتاب الام میں اس کی روایت کی ہے اور اس کے ہر مسئلہ پر یا تو اہل مدینہ کی تائید کے لیے یا امام ابو حنیفہ کی موافقت کے لیے اعتراضات کئے ہیں

اس کتاب میں صرف وہ مسائل مذکور ہیں جن میں امام ابو حنیفہ نے اہل مدینہ سے اختلاف کیا ہے اور ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے

**باب اس شخص کا جو ایک شخص کو کسی دوسرے شخص کیلئے اس شخص سے پکڑ رکھتا ہے کہ وہ اس کو قتل کرے**

اس شخص کے بارے میں جو ایک شخص کو کسی دوسرے شخص کے لیے پکڑ رکھتا ہے اور وہ ہتھیار کے ضرب سے اس کو اسی جگہ مار ڈالتا ہے، امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ



کہ پکڑ رکھنے والے پر قصاص نہیں ہے، قصاص صرف قاتل پر ہے، البتہ پکڑ لینے والے کو سزا دی جائے گی اور وہ قید خانہ میں بھیجا یا جائے گا لیکن اہل مدینہ کہتے ہیں کہ اگر اُس نے اُس کو پکڑ لیا اور اس کا خیال ہے کہ وہ اسکو قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کے بدلے میں دونوں قتل کیے جائیں گے، لیکن امام محمد بن حسن کہتے ہیں کہ پکڑ لینے والا کوئی قتل کیا جاسکتا ہے؟ حالانکہ اُس نے قتل نہیں کیا ہے، اگر اُس نے اُس شخص کو پکڑ لیا اور اس کا خیال ہے کہ وہ اسکو قتل کرنا نہیں چاہتا تو کیا تم لوگ پکڑ لینے والے کو قتل کر دو گے؟ اگر وہ لوگ کہیں کہ ”نہیں“ ہم اُس کو صرف اس وقت قتل کریں گے جب وہ یہ گمان کرے کہ وہ اُس کو قتل کرنا چاہتا ہے، تو ہم اُن سے کہیں گے کہ ہمارے خیال میں تمہارے نزدیک پکڑ لینے والے پر قصاص اُس کے گمان کی بنا پر واجب ہے اور گمان غلط بھی ہوتا ہے اور صحیح بھی کیا تمہارے خیال میں ایک شخص نے ایک شخص کا پتہ دیا اور اُس نے اُس کو قتل کر دیا اور جس نے پتہ دیا ہے اس کا خیال ہے کہ اگر وہ اس پر قدرت پائیگا تو اُس کو قتل کر دیگا تو کیا تم جس طرح پکڑنے والے کو قتل کرتے ہو پتہ دینے والے کو بھی قتل کر دو گے؟ کیا تمہارے خیال میں اگر ایک آدمی نے ایک شخص کو ایک آدمی کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا تو کیا قاتل اور حکم دینے والا دونوں قتل کیے جائیں گے؟ کیا تمہارے خیال میں اگر ایک آدمی نے ایک عورت کو ایک شخص کے لیے روک رکھا، یہاں تک کہ اس نے اس کے ساتھ زنا کیا تو کیا ان دونوں پر حد جاری کی جائے گی یا صرف اُس شخص پر حد جاری ہوگی جس نے زنا کیا ہے؟ اور اگر وہ دونوں محض ہوں تو کیا دونوں سنگسار کیے جائیں گے؟ جو شخص یہ کہتا ہے کہ پکڑ لینے والا قتل کیا جائے گا اُس کو چاہیے کہ یہ کہے کہ ان دونوں پر حد جاری کی جائے گی کیا تمہارا

خیال بن اگر ایک آدمی نے ایک آدمی کو شراب پلائی تو کیا دونوں پر جہنم جاری ہوگی؟  
یا صرف پینے والے پر؟ کیا تمہارے خیال میں اگر ایک آدمی نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ  
کہ ایک شخص پر تہمت لگائے اور اُس نے اس پر تہمت لگا دی کیا دونوں پر جہنم جاری ہوگی؟  
یا صرف تہمت لگانے والے پر؟ تمہارے قول کے مطابق چاہیے کہ دونوں پر جہنم جاری  
ہو، حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے اُس شخص کے بارے  
میں جس نے ایک شخص کو قصداً قتل کر دیا اور دوسرے نے اُس کو روک رکھا فرمایا کہ  
قاتل قتل کیا جائیگا اور دوسرا قید رکھا جائے گا، یہاں تک کہ مر جائے،

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خدا نے لوگوں کو نفس فعل پر سزا دی ہے اور اُسی کے  
لیے قصاص مقرر کیا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے

کتب علیکم القصاص فی القتل  
ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا  
لنولیه سلطاناً  
اقتدار عطا فرمایا،

اور جو لوگ اس آیت کے مخاطب ہیں اُن کے نزدیک یہ عام طور پر معلوم تھا کہ مقتول  
کے دلی کا اقتدار نفس قاتل پر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس  
شخص نے قتل کے ذریعہ سے کسی مسلمان کا خون گرایا اس کا قصاص اس کے ہاتھ میں  
ہے اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے

الزانیۃ والزانی فاجلدوا  
کل واحد منهما مائة جلدة  
زانیہ اور زانیہ میں سے ہر ایک کو سو  
کوڑے مارو،  
اور فرمایا،

والذین یرمسون المحصنات فہم  
یا توابعیہ فہم فاجلدوہم  
جو لوگ پاکباز عورتوں پر ہمت لگاتے ہیں  
پھر چار گواہ نہیں پیش کرتے، ان کو اسی  
ثمانین جلد  
کوڑا مارو

لیکن مجھے کوئی ایسا پٹو نہیں ملتا جس نے کسی کو ایسے فعل یا ایسے قول پر جلدی  
ہو جسکو نہ اُس نے کیا ہے، نہ کہا ہے، اس لیے اگر کسی نے کسی کو کسی شخص کے لیے پکڑا  
اور اس نے اسکو قتل کر دیا تو اس کے بدلے میں قاتل قتل کیا جائے گا اور پکڑنے  
والے کو سزا دی جائے گی اور خدا کے فیصلے میں یہ جائز نہیں کہ جب میں نے قاتل  
کو قتل کے بدلے میں قتل کر دیا تو پکڑنے والے کو پکڑنے کے بدلے میں قتل کروں، حالانکہ  
پکڑنا اور قتل کرنا دو مختلف چیزیں ہیں اور جس شخص نے اسکو قتل کیا اس نے خدا کو سزا  
کے حکم کو بدل دیا کیونکہ خداوند تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کہ

کتب علیکم القصاص فی القتلی  
مقتولین کے بارے میں قصاص فرض ہے

تو قصاص یہی ہے کہ آدمی کے ساتھ اسی کے مثل کام کیا جاوے جو اس نے کیا  
ہے کیا یہاں قتل واقع ہے جسکے بدلے میں قتل کیا جائے؟ یہاں صرف پکڑ رکھنا ہے اور  
پکڑ رکھنا ایک گناہ ہے جس میں قصاص نہیں ہے اس لیے اُس میں سزا دی جائے گی  
خواہ اُس نے اس لیے روک رکھا کہ وہ اسکو قتل کر دے یا قتل نہ کرے اور اگر پکڑ رکھنا  
قتل کے قائل مقام ہوتا، جبکہ پکڑ لینے والا یہ نیت کرتا کہ مجھوس قتل کر دیا جائے گا تو ایسی  
حالت میں یہ چاہیے کہ گو وہ قتل نہ کیا جائے لیکن پکڑ لینے والا قتل کر دیا جائے کیونکہ اس  
نیت کے ساتھ ایک ایسا کام کیا جسکو وہ قتل کے قائل مقام سمجھتا تھا لیکن یہ امام مالک  
بن انس اور امام محمد بن حسن کے قول کے خلاف ہے اور امام محمد بن حسن امام مالک کے

جو اعتراضات کرتے ہیں وہ سب بلکہ اُن سے زیادہ اُن پر وارد ہوتے ہیں لیکن امام محمدؒ دوسرے مواقع پر غفلت سے نہیں بچتے اس لیے اُن پر بھی وہی اعتراضات ہوتے ہیں جو انھوں نے امام مالکؒ پر کیے ہیں اس لیے وہ تمام دلائل جو انھوں نے امام مالکؒ کے خلاف قائم کیے ہیں اُن کے خلاف قائم ہو جاتے ہیں اگر کوئی کہے کہ اس کی مثال کیا ہے تو کہا جائیگا کہ امام محمدؒ کا قول ہے کہ اگر ایک جماعت نے ڈاکہ مارا اور قتل کیا اور اُن کی مددگار ایک ایسی جماعت ہے جو آواز تو سننتی ہے لیکن جن لوگوں نے قتل کیا ہے ان کو نہیں دیکھتی تو قاتلون کو تو قتل کے بدلے میں قتل کیا جائیگا اور مددگاروں کو اس لیے قتل کیا جائیگا کہ اُن لوگوں نے اُن کی قوت سے قتل کیا، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے پوچھا کہ آپ کو اس کے بارے میں کوئی روایت بھی ملی ہو تو انھوں نے کوئی روایت بیان نہیں کی تو میں نے اُن سے کہا کہ کیا ایک ضعیف آدمی نے ایک طاقتور آدمی قتل کرنا چاہا اور دوسرے طاقتور آدمی سے کہا کہ اگر میں ضعیف نہ ہوتا تو فلاں کو قتل کر دیتا تو اس نے کہا کہ میں تمھارے لیے اُس کی مشکین باندھ دوں گا چنانچہ اُس نے اُس کی مشکین کسین اُس کے سینے پر بیٹھا اور اس کا کلا اُبھارا تاکہ اس کا حلق مُنہ یا ان ہو جائے پھر ضعیف کو چھری دیدی اور اُس نے اس کو زنج کر دیا تو کیا تم صرف زنج کو بولے کو قتل کرو گے کیونکہ وہی قاتل ہے اور اُس شخص کی مدد کی طرف جو قتل کا سبب بھتا ملحق نہ ہو گے کیونکہ سبب فعل سے مختلف ہے اور خدا صرف فعل پر مواخذہ کرتا ہے؟ کیا اُس شخص نے اس کے قتل پر زیادہ مدد کی ہے یا اُن مددگاروں نے ان لوگوں کے قتل پر جو راستے سے گزر رہے تھے پھر اُن مددگاروں کے متعلق تم کہتے ہو کہ اگر ایسی جگہ ہوں جہاں سے آواز نہ سُن سکتے ہوں اور گواہ جماعت کو دیکھتے ہوئی ان کو قوت پہنچاتے ہوں

تاہم اُن کو صرف سزا دی جائے گی، پھر جہان سے آواز سنتے ہوں اُن پر کیوں حد جاری ہوگی؟  
 امام محمدؒ نے جواب دیا کہ امام مالکؒ بھی مجھ سے متفق ہیں اور اسی طرح وہ بھی کہتے ہیں کہ مذکور  
 قتل کیے جائیں گے، میں نے کہا تو کیا ان سے تمہارے لیے تمہارے غیر پر حجت قائم ہو جائیگی؟  
 اگر تمہارا قول حجت نہیں ہے، تو کیا ہمارے استاد امام مالکؒ کا اسی قسم کا قول جس پر تم  
 اعتراض کرتے ہو حجت ہوگا؟ انھوں نے کہا تو کیا تمہارا یہ قول نہیں ہے؟ میں نے کہا  
 نہیں اور میں کسی عقل مند آدمی کو نہیں پاتا، جس کا یہ قول ہو اور جو شخص اس کا قائل ہو  
 وہ کتاب اور قیاس مقبول کے حکم سے نکل گیا اور تم نے جس چیز سے استدلال کیا ہے  
 اس کا اکثر حصہ اُس کے لیے لازم ہوگا، تو اگر تم نے کسی چیز میں استدلال کیا یا اُن پر  
 نکتہ چینی کی اور خود اُس سے بچ گئے تو یہ ہو سکتا ہو،

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ انھوں نے  
 فرمایا کہ قاتل قتل کیا جائیگا اور پکڑنے والے کو جس دوام کی سزا دی جائے گی، لیکن  
 امام محمدؒ جس دوام کی سزا نہیں دیتے اس لیے انھوں نے جس چیز سے استدلال کیا ہے  
 اُسی کی مخالفت کرتے ہیں

پوری کتاب اسی طریقہ پر فریقین کی قوت استدلال کا نمونہ ہے، اولوں کے طلباء  
 کے پڑھنے کے قابل ہے

امام محمدؒ کی ایک کتاب کتاب الآثار ہے جس کا ذکر ابن ندیم نے نہیں کیا ہے  
 لیکن ہم نے اُس کا قلمی نسخہ مصر کے کتب خانہ میں دیکھا ہے، انھوں نے اس میں وہ آثار  
 جمع کئے ہیں جن سے ائمہ خلاف استدلال کرتے ہیں اور اُن کی اور بھی بہت سی کتابیں  
 ہیں جو نوادر کے نام سے مشہور ہیں اور یہ وہ کتابیں ہیں جو اُن سے قابل اطمینان طریقہ

مروی نہیں ہیں چنانچہ ان کے نام یہ ہیں،

(۱) امالی محمد بنی الفقہ اور وہ کیسا نیا ت کے نام سے مشہور ہے

(۲) کتاب الزیادات،

(۳) کتاب زیادة الزیادات،

(۴) کتاب النوادر ابن رستم کی روایت سے،

امام محمد رحمہ اللہ ان اشخاص میں سے ہیں جنہوں نے موطا امام مالک کی روایت امام مالک سے کی ہے وہ اس کی حدیثوں کے بعد موافق یا مخالف امام ابو حنیفہ کے معمولات کو بتاتے ہیں اور اس سبب کو بیان کرتے ہیں جسکی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا، امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں ایک مصنف حسن بن زیاد دلولوی ہیں جنہوں نے کتاب الجرد لابن حنیفہ روایت کی، کتاب ادب القاضی، کتاب المحضال، کتاب النفقات، کتاب الخراج، کتاب الفرائض اور کتاب الوصایا تصنیف کی ہے لیکن حسن بن زیاد کی روایتوں کا درجہ اعتبار امام محمد بن حسن کی روایتوں کے بعد ہے، کیونکہ امام محمد پر پورا اعتماد کیا جاتا ہے

ائمہ حنفیہ میں ایک مصنف عیسیٰ بن ابان شاگرد امام محمد بن حسن ہیں جنہوں نے کتاب الحج، کتاب خبر الواحد، کتاب الجامع، کتاب اثبات القیاس اور کتاب اجتهاد الراے لکھی ہے

ان ہی میں ہلال بن یحییٰ احرف ہلال الراے اور ابو عبد اللہ محمد بن ساعدہ ہیں اور محمد بن ساعدہ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے امام محمد بن حسن سے ان کی کتابوں کی روایت کی ہے

ان ہی میں ایک بزرگ احمد بن عمر بن حیر المشهور بالخصان ہیں جنھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور ان کی سب سے بہترین کتاب وہ ہے جو انھوں نے اذقان کے متعلق لکھی ہے اور وہ مشہور و متداول ہے

اس دور کا خاتمہ ایک عظیم الشان امام اور عظیم الشان مصنف امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمۃ الازدی السطیوی المصری پر ہوا جنھوں نے حسب ذیل کتابیں تصنیف کیں

(۱) کتاب اختلاف الفقہاء، یہ ایک بہت بڑی کتاب ہے جسکو وہ مکمل نہ کر سکے

(۲) کتاب شرح شکل احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تقریباً ہزار ورق ہیں

(۳) کتاب شرح معانی الآثار، ہم کو اس کتاب سے واقفیت حاصل ہوئی تو معلوم ہوا

کہ وہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو علم سے بے ریز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

حدیثیں اس کو خوب یاد ہیں اور اسی کے ساتھ فقہاء نے جو مذاہب اختیار کیے ہیں ان کے

متعلق ان کے اقوال و مستندات سے اس کو پوری واقفیت حاصل ہے

ان کی اور کتابیں بھی ہیں جن کا ذکر ابن ندیم نے فہرست میں کیا ہے

اس دور میں بھی کتابیں تصنیف کی گئیں لیکن ان میں سب سے مقدم امام محمد کی

کتابیں ہیں اور امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کے مذاہب کی بنیاد ان ہی کتابوں پر قائم

ہے اور آئندہ دور میں علماء حنفیہ نے انھیں کی شرح و توضیح کی ہے اور ان ہی پر اعتماد کیا ہے

اور ان ہی سے فیضیاب ہوئے ہیں

امام مالک بن انس امام بدیشیہ کے متعلق کتابیں

امام مالک نے اپنی کتاب موطا لکھی اور ان کے بہت سے تلامذہ نے ان سے اس کی

روایت کی لیکن اُن کی روایتوں میں اختلاف ہے کسی میں کمی ہے اور کسی میں زیادتی ہے، البتہ موطا کی مشہور ترین روایت یحییٰ بن یحییٰ اللیثی کی روایت ہے اور ہم اسی نسخہ کو پڑھتے ہیں اور مصر میں یہی چھاپا گیا ہے، ایک اور موطا ہے جسکی روایت امام محمد بن حسن کی ہے اور وہ ہندوستان میں طبع ہوئی ہے

اس کتاب میں امام مالکؒ کی عادت یہ ہے کہ موضوع کے مقدمہ میں ان احادیث کو ذکر کرتے ہیں جو اُس کے متعلق ہوتی ہیں پھر اُس کے متعلق اُن صحابہؓ یا تابعینؒ کے اقوال لاتے ہیں جن میں بہت کم مدینہ کے علاوہ اور کہیں کے ہوتے ہیں، کبھی کبھی اہل مدینہ کے عمل یا اُن کے ائمہ علیہ کو بھی بیان کرتے ہیں چنانچہ اُن کی طرزِ تحریر کا نمونہ یہ ہے

### مریض کا طلاق

امام مالک ابن شہاب سے وہ طلحہ بن عبد اللہ بن عوف سے روایت کرتے ہیں جو اس مسئلہ کے سب سے بڑے عالم تھے، اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف سے کہ عبد الرحمن بن عوف نے جبکہ وہ مریض تھے اپنی بی بی کو طلاقِ بیہوشی تو ان کی انقضائے حدت کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ نے اُن کو اُن کی وراثت دلوائی،

امام مالکؒ عبد اللہ بن الفضل سے اور وہ اعرج سے روایت کرتے ہیں کہ ابن کمال نے اپنی بی بی کو حالتِ مرض میں طلاق دی تھی لیکن حضرت عثمان بن عفانؓ نے اُن کو ان کی وراثت دلوائی،

امام مالکؒ نے رعیہ بن ابی عبد الرحمن سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اُن کو معلوم ہوا کہ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کی بی بی نے اُن سے طلاق کی درخواست کی تو انھوں نے



کہا کہ جب تھین حیض آئے اور تم اس کے بعد پاک ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دو، لیکن اس کو ثبوت حیض آیا جب حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بیمار ہوئے، اور جب وہ پاک ہوئی تو ان کو اطلاع دی، چنانچہ انھوں نے اس کو طلاقِ بئنہ یا ایک طلاق دی جس کے سوا اس پر کوئی طلاق باقی نہ رہ گئی، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اس وقت بیمار تھے لیکن حضرت عثمان بن عفانؓ نے اس کی عدت کے گزرنے کے بعد اس کو وراثت دلائی،

امام مالکؒ کی بی بی بن سیدہؓ سے اور وہ محمد بن کبیری بن حبانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میرے دادا حبانؓ کے پاس دو عورتیں تھین ایک ہاشمیہ اور ایک انصاریہ چنانچہ انھوں نے انصاریہ کو جو دودھ پلا رہی تھی طلاق دی اور اس پر ایک سال گزر گیا اس کے بعد وہ مر گئی اور اس کو حیض نہ آیا اس لیے اس نے کہا کہ میں ان کی وراثت پاؤں گی، مجھے حیض نہیں آیا، چنانچہ ان دونوں عورتوں نے حضرت عثمانؓ سے اس کی خاصمت کی اور انھوں نے اس کے حق میں میراث کا فیصلہ کیا، اس پر ہاشمیہ نے حضرت عثمانؓ کو ملاست کی اور کہا کہ یہ تمھارے چچا زاد بھائی کا کام ہے اور اس نے اس سے ہماری طرف اشارہ کیا یعنی حضرت علیؓ ابن ابی طالبؓ

امام مالکؒ نے ابن شہابؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ اگر حالتِ مرض میں کسی نے اپنی بی بی کو تین طلاق دی تو وہ اس کی وارث ہوگی، امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر حالتِ مرض میں قبلِ مجامعت کے طلاق دی تو اس کو نصف مہر ملے گا، وراثتِ ملیگی اور اسکو عدت میں بٹھینا نہ پڑے گا اور اگر مجامعت کے بعد طلاق دی تو اس کو پورا مہر اور پوری وراثت ملیگی، اور اس معاملہ میں ہمارے نزدیک باکرہ اور شیبہ دونوں برابر ہیں۔

موطائے امام زین کا مجموعہ ہے جو امام مالکؒ کے نزدیک صحیح ثابت ہوئی ہیں اور ان کی تعداد تقریباً

پانچ سو سہ

لیکن انھوں نے جن مسائل کے جوابات دیے ہیں ان کو ان سے ان کے تلامذہ نے مدون کیا ہے اور سب سے پہلے اسکو اسد بن فرات نے لکھا لیکن جو سوالات انھوں نے امام محمد بن حسن فقیر عراق سے اخذ کیے ان کو جیسا کہ شیخ عیش نے متن خلیل کی شرح میں بیان کیا ہے انہیں لکھا، اس کے بعد عبدالرحمن بن القاسم نے ان سے یہ سوالات کئے تو انھوں نے امام مالک کی رائے پر ان کو جواب دیا اور جو لکھا اسکو قیران بن لاسے اور ان سے ان کو سمحون نے لکھا اور ان کا نام اسدیہ تھا، پھر سمحون بن سمحون اس کو ابن قاسم کے پاس لائے اور ان کو ان کے سامنے پیش کیا اور اس میں چند مسائل کی اصلاح کی، اور اسکو سہرا بن لیکر قیران واپس آئے، اس کو تالیف کی شکل میں اسد بن فرات نے پہلے اس طرح جمع کیا تھا اور تصانیف کی ترتیب پر اس کے ابواب اس طرح قائم کئے تھے کہ مسائل غیر مرتب تھے اور تراجم نہیں قائم کئے گئے تھے، اس لیے سمحون نے اس کے اکثر حصے کو مرتب کیا اور اس کے بعض مسائل پر ان اہل شمار سے استدلال کیا ہے جنکی انھوں نے موطا ابن وہب وغیرہ سے روایت کی تھی لیکن اس کے کچھ حصے ایسے رہ گئے کہ سمحون اس میں اس کام کو نہ کر سکے (قاضی عیاض سے ان کی تالیف کا نمونہ یہ ہے)

### اہل صلاح اور اہل بدع کے پیچھے نماز

(کہا، اور کہا امام مالک نے کہ لوگوں کی امامت وہ شخص کرے جو ان میں سب سے زیادہ عالم ہو بشرطیکہ اس کی حالت بہتر ہو انھوں نے کہا کہ سن کا بھی حق ہو تو میں نے

اُن سے کہا کہ وہ شخص جوان میں سب سے زیادہ قاری ہو و بولے کبھی وہ شخص قاری ہوتا ہے جو نہیں، "نہیں" سے ان کی یہ مراد ہے کہ اس کی حالت بہتر نہیں ہوتی اور امام مالکؒ کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ سواری پر آگے بیٹھنے کا سب سے زیادہ مستحق سواری کا مالک ہے اور امامت کا سب سے زیادہ مستحق صاحب خانہ ہے جب لوگ اس کے مکان میں نماز پڑھیں، البتہ جب وہ اُس کے متعلق اس کی اجازت حاصل کر لیں تو دوسرا شخص بھی نماز پڑھا سکتا ہے مگر میں نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ وہ اسکو پسند کرتے ہیں میں نے ابن قاسم سے کہا کہ اگر ایک اچھا قرآن پڑھنے والے نے اُس شخص کے پیچھے نماز پڑھی جو قرآن اچھا نہیں پڑھتا تو اُس کے بارے میں امام مالکؒ کا قول کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ امام مالکؒ کا قول ہے کہ جب امام نے ایک جماعت کو نماز پڑھائی اور قرأت چھوڑ دی تو امام اور مقتدی دونوں کی نمازیں باطل ہو گئیں اور گو وقت چلا گیا ہو لیکن وہ لوگ نماز کا اعادہ کریں گے، انھوں نے کہا تو جو شخص قرآن اچھا نہیں پڑھتا اس کا معاملہ اس سے زیادہ سخت ہے، کیونکہ کسی شخص کے لیے یہ سزاوار نہیں ہے کہ ایسے شخص کی اقتدار کرے جو قرآن اچھا نہیں پڑھتا، انھوں نے کہا کہ میں نے امام مالکؒ سے پوچھا کہ امام قدری کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے تو انھوں نے کہا کہ اگر تحقیق یقین ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو، میں نے کہا کہ جمعہ بھی نہیں بولے اگر تحقیق یقین ہو تو جمعہ بھی نہیں انھوں نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ اگر تم اُس سے ڈرتے ہو تو اُس کے ساتھ نماز پڑھو اور ظہر کی صورت میں اس کا اعادہ کرو، امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اہل اہوا بھی اہل قدر کے مثل ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ جب اُن سے اُس شخص کے نماز دہرائے کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے اہل بدعت کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ توقف کیا کرتے تھے،



ایک اصبح بن الفرج ہیں جنھوں نے کتاب الاصول اور ابن القاسم سے اپنے  
سماع کی ۲۲ کتابیں تصنیف کیں

اور محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم نے کتاب احکام القرآن کتاب الوثائق و المستوط  
کتاب آداب القضاۃ اور کتاب الدعوی دلیلات تالیف کی

اور محمد بن احمد البغوی القریطی نے مستخرجہ تالیف کی جس میں زیادہ تر روایات مردود  
اور مسائل شاذہ ہیں ان کے پاس مسائل غریبہ آتے تھے، اور جب وہ ان کو پسند کرتے  
تھے تو کہتے تھے کہ ان کو مستخرجہ میں داخل کر لو ابن وضاح کہتے ہیں کہ مستخرجہ میں غلطیاں  
بہت ہیں، اور محمد بن عبد الحکم کا قول ہے کہ میں نے اس کے اکثر حصے کو جھوٹ دیکھا اور  
ایسے مسائل پاسے جن کی کوئی اصل نہیں ابو محمد بن حزم الظاہری نے مستخرجہ کا ذکر کیا  
تو کہا کہ افریقہ میں اہل علم کے نزدیک اس کا درجہ بلند ہے اور اس کو بہت زیادہ شہرت  
حاصل ہے یحییٰ بن عمر الکنتانی نے ایک کتاب میں اس کا اختصار کیا ہے اور اس کا نام  
فتیہ رکھا ہے

اور محمد بن سحنون نے اپنی مشہور کتاب جامع لکھی ہے اور اس میں علم و فقہ کی تمام  
شاخیں جمع کیں اس میں جو کتابیں ہیں ان کی تعداد تقریباً ساٹھ ہے

اور محمد بن ابراہیم عبدوس نے ایک کتاب لکھی جس کا نام المجموعۃ علی مذہب مالک  
واصحابہ رکھا، لیکن اس کے پورے کرنے سے پہلے وہ انتقال کر گئے،

اس دور میں مالکیہ کے سب سے بڑے مصنف دو ہیں ایک مشرق میں ان کا نام  
قاضی اسماعیل بن اسحاق ہے، جنھوں نے فقہ میں اپنی کتاب مبسوط تالیف کی اور ایک  
کتاب امام محمد بن حسن امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے رد میں لکھی

دوسرے بزرگ تھے جن کا نام محمد بن ابراہیم بن یزید الاسکندی المعروف بابن المودری، مالکیوں نے فقہ میں جو کتابیں تالیف کی ہیں ان میں ان کی کتاب سب سے بڑی سب سے زیادہ واضح المسائل اور سب سے زیادہ مبسوط ہے اور قاضی نے اُس کو تمام اہمات کتب پر مقدم کیا ہے،

### امام شافعیؒ کے مذہب کے متعلق کتابیں

صرف امام شافعیؒ ہی ایک ایسے امام ہیں جن کی نسبت یہ معلوم ہو گا مکتوں نے بذات خود کتابیں تصنیف کیں جو ان کے مذہب کے پیروں کے لیے سنگ بنیاد ہو گئیں، اور انھیں نے عراق و مصر میں اپنے شاگردوں کو املا کر لایا اور ان کی عراق کی کتابیں ان کا مذہب قدیم اور مصر کی کتابیں ان کا اصلاح شدہ مذہب جدید ہیں چنانچہ ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) رسالۃ فی اولۃ الاحکام، یہ ان کا ایک اصولی رسالہ ہے جس کا ذکر ہم پہلے

کر چکے ہیں

(۲) کتاب الام، یہ وہ یکتا کتاب ہے جس کے مثل ان کے زمانے میں کوئی

کتاب اس اسلوب میں، دقت، تعبیر اور قوت بناظرہ میں تصنیف نہیں کی گئی، امام محمدؒ کی کتابوں کی طرح وہ اس کتاب میں صرف مسائل کی تفصیل نہیں کرتے، بلکہ مسئلہ کے ساتھ اس کی دلیل بھی بیان کرتے ہیں، اور اکثر اپنے مخالفین کا ذکر کرتے ہیں، اور ان کے خلاف دلیل قائم کرتے ہیں، اس کا نام ان کی کتاب قدیم بھی تھا انکی تحریر کا نمونہ یہ ہے،

### ماز کے متعلق کلام

انھوں نے اس کی ابتدا میں تین حدیثیں مع ان کی سند کے روایت کی ہیں

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ملک حبش میں آنے سے پہلے ایسی حالت میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوئے تھے ہم لوگ آپ کو سلام کرتے تھے اور آپ اُسی حالت میں ہم کو سلام کا جواب دیتے تھے، لیکن جب ہم لوگ ملک حبش سے پلٹے تو میں آپ کی خدمت میں سلام کرنے کے لیے حاضر ہوا تو آپ نماز پڑھتے ہوئے پایا اور سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہیں دیا اس لیے میرے دل میں دور و نزدیک کے بہت سے خیالات پیدا ہو گئے، اور میں بیٹھ گیا، جب آپ نماز پڑھ چکے تو میں آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ خدا جو تغیر چاہتا ہے کرتا ہے اور اب اس نے یہ تغیر کیا ہے کہ نماز میں بات چیت نہ کرو،

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرت و کعبت نماز پڑھ کے پلٹے، تو آپ سے ذوالیدینؓ نے کہا کہ آیا نماز کم کر دی گئی یا آپ بھول گئے، آپ نے فرمایا کہ کیا ذوالیدینؓ صحیح کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ”ہاں“ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور بقیہ دو رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد سلام کیا، پھر تکبیر کئی پھر پہلے سجدہ کے مثل یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا پھر تکبیر کئی پھر پہلے سجدہ کے مثل یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا اور حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری روایت میں مذکور ہے کہ عصر کی نماز تھی،

(۳) حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی تین رکعتوں کے بعد سلام کیا پھر اُٹھے اور حجرہ میں داخل ہو گئے، اب خرباق جن کے ہاتھ چوڑے تھے اُٹھے اور پکارے کہ ”یا رسول اللہ کیا نماز کم کر دی گئی؟“ آپ اپنی چادر اٹھائے ہوئے غصہ میں نکلے اور لوگوں سے پوچھا تو لوگوں نے واقعہ کی خبر کی تو آپ نے

جو رکعت چھوڑ دی تھی اُس کو پڑھا، پھر سلام کیا، پھر دو سجدے کیے پھر سلام کیا،  
 امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہم ان تمام حدیثوں کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس شخص کی  
 یہ یاد ہو کہ وہ نماز میں ہے اُس پر فرض ہو کہ اس میں بات چیت نہ کرے اور اگر ایسا کیا تو  
 اُس کی نماز ٹوٹ گئی اور اس کو نئے سرے سے دوسری نماز حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث  
 کی بنا پر پڑھنی چاہیے اور میں نے جن اہل علم سے ملاقات کی ان میں کسی کو اس کا مخالف  
 نہیں پایا، لیکن جس شخص نے نماز میں بات چیت کی اور اس کا یہ خیال تھا کہ اُس نے  
 نماز پوری کر لی یا یہ کہ وہ یہ بھول گیا کہ وہ نماز میں ہے، اور اس میں بات چیت کر لی،  
 تو وہ اسی نماز پر ذوالیدین کی حدیث کے رد سے قائم رہے اور سجدہ سہو کرے کیونکہ جس  
 شخص نے اس حالت میں بات چیت کی اُس کا خیال تھا کہ وہ نماز کے علاوہ دوسری  
 حالت میں ہے اور نماز کے علاوہ دوسری حالت میں بات چیت کرنا مباح ہے  
 اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث حضرت ذوالیدینؒ کی حدیث کے مخالف نہیں ہے  
 کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث بات چیت کر نیکی متعلق اجالی ہے، اور حضرت ذوالیدینؒ  
 کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقصہ بات چیت کر نیوالے  
 اور اُس شخص کی بات چیت میں جو یہ بھول گیا کہ وہ حالت نماز میں ہے یا اس شخص  
 کی بات چیت میں جو یہ خیال کرتا ہے کہ اُس نے نماز پوری کر لی جو فرق تھا اُس کو  
 بیان کر دیا،

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے نماز میں کلام کرنے کے متعلق ہماری  
 مخالفت کی ہے، اور اس مسئلہ میں ہمارے خلاف اس قدر دلائل جمع کیے ہیں کہ  
 اس کے سوا بجز مسئلہ یحییٰ مع الشاہ اور دو مسئلوں کے اور کسی مسئلہ میں اس قدر دلائل



جمع نہیں کیے چنانچہ میں نے اُن کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ذوالیہدین کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور آپ سے کوئی حدیث اُس سے اور حدیث "الجماعہ جبار" سے زیادہ مشہور وارو نہیں ہوئی ہے، اور یہ حدیث حدیث "الجماعہ جبار" سے زیادہ ثابت ہے، لیکن حدیث ذوالیہدین کی منسوخ ہے، میں نے ان سے کہا تو کس چیز نے اُس کو منسوخ کیا؟ بولے "ابن مسعود کی حدیث نے" تو میں نے کہا کہ جب دو حدیثیں مختلف ہوتی ہیں تو ان میں آخری حدیث کو ناسخ مانا جاتا ہے، انھوں نے کہا کہ "ہاں" تو میں نے کہا کہ "کیا تم کو ابن مسعود کی اس حدیث میں یہ یاد نہیں ہے کہ ابن مسعودؓ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے آپ کو صحن کعبہ میں پایا اور حضرت ابن مسعودؓ نے پہلے ملک حبش کو ہجرت کی پھر مکہ کو لوٹے پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی پھر غزوہ بدر میں شریک ہوئے؟ انھوں نے کہا "ہاں" تو میں نے کہا کہ جب حضرت ابن مسعودؓ آپ کے پاس قبل ہجرت کے آئے پھر حضرت عمران بن حصینؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کے پیچھے ایک شہتیر کے پاس آئے، تو کیا تم کو نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد میں مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد نماز پڑھی؟ انھوں نے کہا "ہاں" تو میں نے کہا کہ حضرت عمران بن حصینؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث حضرت ذوالیہدینؓ کی حدیث کی ناسخ نہیں ہے، اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی، تو انھوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی صحبت کا زمانہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت عمرانؓ کی حدیث سے جسکے متعلق یقین کوئی اشکال نہیں ہے، ہم نے ابتداء کی ہے اور وہ کافی ہے اور حضرت

ابو ہریرہؓ خیرین آپ کی صحبت سے مشرف ہوئے ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں  
 تین یا چار سال تک (ریح کو شک ہے) آپ کا فیض صحبت اٹھایا، اور آپ نے مدینہ  
 میں اس قیام کے علاوہ جو حضرت ابن مسعودؓ کے آنے کے بعد کما مکہ میں رہا، کئی سال آپ  
 قیام کیا، اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ بھی آپ کی صحبت میں رہے تو کیا یہ جائز ہے  
 کہ ابن مسعودؓ کی حدیث اپنے بعد کی حدیث کی ناخ ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں، امام فہمیؒ  
 کہتے ہیں کہ میں نے اُن سے کہا کہ اگر ابن مسعودؓ کی حدیث ابو ہریرہؓ اور عمران بن حصینؓ  
 کے خلاف ہو، جیسا کہ تم کہتے ہو، اور ایسی حالت میں بالقصد بات چیت کرنا کہ تم جانتے  
 ہو کہ تم نازمین ہو، بعینہ ویسا ہو کہ تم نے ایسی حالت میں کلام کیا کہ تمہارا خیال ہے کہ تم نے  
 نماز پوری کر لی یا نماز کو بھول گئے، تو ابن مسعودؓ کی حدیث منسوخ ہوگی اور نماز میں جیت  
 کرنا مباح ہوگا لیکن نہ وہ ناخ ہے اور نہ منسوخ بلکہ اُس کی وجہ وہ ہے جو میں نے  
 بیان کی کہ یہ یاد کر کے کہ شکم نازمین ہے، نماز میں بات چیت کرنا جائز نہیں، اور اگر  
 ایسی حالت میں بات چیت کی جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور جب نسیان ہو  
 کا حق ہو جائے اور ایک شخص نے جس کا خیال ہے کہ چونکہ اس نے نماز پوری ادا کر لی ہو  
 یا بھول گیا ہے اس لیے کلام مباح ہے بات چیت کی تو نماز فاسد نہ ہوگی انھوں نے  
 کہا کہ تم روایت کرتے ہو کہ ذوالیدینؓ بدر میں شہید ہوئے ہیں نے کہا جو کچھ بھی ہو، لیکن  
 کیا عمران بن حصینؓ کی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مدینہ میں پڑھی  
 تھی؟ اور مدینہ میں ابن مسعودؓ کی مکہ والی حدیث کے بعد بڑے انھوں نے کہا: ہاں، میں نے  
 کہا کہ جیسا تم چاہتے ہو تم نے جو کچھ بیان کیا اس میں ہمارے لیے حجت نہیں ہے کیونکہ  
 غزوہ بدر آپ کے مدینہ میں آنے کے ۶ ماہ بعد پیدا ہوا انھوں نے کہا تو کیا ذوالیدینؓ

وہی ہین جن کی نسبت تم نے روایت کی کہ وہ بدر میں شہید ہوئے؟ میں نے کہا: نہیں! عمران ان کا نام خرباق بتاتے ہیں اور ان کو کوتاہ دست یا دراز دست کہتے ہیں حالانکہ بدر میں ذوالشمالین شہید ہوئے ہیں اور اگر دونوں ذوالبیدین بھی ہوں تو ایک کا نام دوسرے کے نام کے مطابق ہوا ہوگا جیسا کہ ناموں میں ہوا کرتا ہے اب اس مذہب کے جاننے والوں میں بعض نے کہا کہ ہمارے لیے ایک دوسری دلیل ہے میں نے کہا وہ کیا؟ انھوں نے کہا معاویہ بن حکم کا بیان ہے کہ انھوں نے ناز میں بات چیت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ناز میں انسان کی کوئی بات جائز نہیں! میں نے کہا یہ دلیل تمھارے لیے مضرب ہے مفید نہیں! وہ بعینہ ابن مسعود کی طرح زور کرتے ہیں اور اسکی وجہ وہی ہے جو میں نے بیان کی! انھوں نے کہا کہ اگر تم کہو کہ یہ اس کے خلاف ہے، میں نے کہا تو یہ تمھارے لیے مفید نہیں اور ہم اس پر تم سے کلام کرتے ہیں اگر معاویہ کا معاملہ ذوالبیدین کے معاملے سے پہلے تھا تو وہ منسوخ ہے، اور تمھارے قول میں تم پر یہ لازم آتا ہے کہ ناز میں کلام اسی طرح صحیح ہے جیسا کہ ناز کے علاوہ اور حالتوں میں صحیح ہے، اور اگر اس کے ساتھ اس کے بعد ہو جیسا کہ تم نے بیان کیا تو اس نے ایسی حالت میں کلام کیا کہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ کلام ناز میں حرام نہیں ہے، اور اس نے یہ بیان نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو احادیث ناز کا حکم دیا تو وہ ذوالبیدین کی حدیث کے مثل ہے یا اس سے زیادہ کیونکہ اس نے اپنی حدیث میں قصداً کلام کیا البتہ اس نے یہ بیان کیا کہ اس نے ایسی حالت میں کلام کیا کہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ کلام ناز میں حرام نہیں ہے، انھوں نے کہا جیسا کہ تم نے بیان کیا یہ بات ان کی حدیث میں ہے، میں نے کہا اگر جیسا تم نے بیان کیا دیکھا ہی ہے تو وہ

تمھارے لیے مضر ہو اور اگر جیسا کہ ہم نے بیان کیا دیکھا ہی ہو، تو وہ تمھارے لیے مفید  
 نہیں اُنھوں نے کہا کہ تو تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا میں یہ کہتا ہوں کہ وہ ابن مسعود کی حدیث  
 کے مثل ہے اور ذوالیدینؒ کی حدیث کے مخالف نہیں ہے، اُنھوں نے کہا تو تم نے جب  
 حدیث ذوالیدینؒ سے تفریع کی تو تم نے مخالفت کی، میں نے کہا تو ہم نے اصل میں  
 اُن کی مخالفت کی ہے اُنھوں نے کہا نہیں بلکہ فرع میں میں نے کہا تو تم نے ان کی نص  
 میں ان کی مخالفت کی اور جو شخص نص میں مخالفت کرے وہ تمھارے نزدیک اس  
 شخص سے بُرا ہو جس نے ضعف نظر سے تفریع میں غلطی کی اُنھوں نے کہا ہاں لیکن  
 ہر ایک مذکور نہیں ہو میں نے کہا لیکن تم نے اس کی اصل و فرع دونوں کی مخالفت کی  
 اور ہم نے اس کی اصل و فرع دونوں میں سے ایک حرفت کی بھی مخالفت نہیں کی  
 تو اُس کے اختلاف کی ذمہ داری تم پر ہے اور جو کچھ تم نے کہا کہ ہم نے اس کی مخالفت کی  
 تو ہم نے ان کی مخالفت نہیں کی اُنھوں نے کہا تو میں تم سے سوال کرتا ہوں تاکہ یہ  
 جان سکوں کہ تم نے اُن کی مخالفت کی یا نہیں؟ میں نے کہا سوال کرو، اُنھوں نے  
 کہا تم اُس امام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ جو دو رکعت پڑھ کر واپس چلا پھر اس سے  
 بعض مقتدیوں نے کہا کہ تم دو ہی رکعت پڑھ کر واپس چلے، تو اُس نے اور مقتدیوں سے  
 پوچھا اور اُنھوں نے اس کی تصدیق کی، میں نے کہا ”جس مقتدی نے اسکو اسکی خبر دی  
 اور جن لوگوں نے یہ گواہی دی کہ وہ سچ کہتا ہے اور اُن کو یہ یاد ہو کہ اُس نے اپنی نماز  
 پوری نہیں کی اُن کی نماز فاسد ہے“ اُنھوں نے کہا کہ تم یہ روایت کرتے ہو کہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی اور تم کہتے ہو کہ جو لوگ موجود تھے اُنھوں نے بھی آپ کے  
 ساتھ نماز پوری کی تو تم حدیث میں اس کا ذکر نہیں کرتے، میں نے کہا ”ہاں“ تو اُنھوں نے

کہا کہ "تو تم نے اس کی مخالفت کی" میں نے کہا "نہیں ہمارے امام کی حالت رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہے" انھوں نے کہا "ناز اور امامت میں ان کی حالت کیونکر  
 جدا ہے میں نے کہا کہ خداوند تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے فرائض یکے بعد دیگرے  
 نازل کرتا تھا، اور جو چیز آپ پر فرض نہیں کی تھی اس کو فرض کرتا تھا اور بعض فرائض میں  
 تخفیف کر دیتا تھا، انھوں نے کہا "بیشک" میں نے کہا "ہم کو، تم کو اور کسی مسلمان کو اس میں  
 شک نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف یہ سمجھ کر نماز سے واپس گئے کہ آپ نے  
 نماز پوری کر لی" انھوں نے کہا "بیشک" میں نے کہا کہ جب آپ نے ایسا کیا تو ذوالیہدین  
 نبی جان سکے کہ نماز خداوند تعالیٰ کے کسی نئے حکم سے کم کر دی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 بھول گئے، اور ان کے سوال میں خود یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے جب کہ انھوں نے  
 کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کم کر دی گئی یا آپ بھول گئے" انھوں نے کہا "بیشک"  
 میں نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں سے پوچھا تو ذوالیہدین کی  
 شہادت کو تسلیم نہیں کیا، انھوں نے کہا "بیشک" امام شافعی کہتے ہیں کہ جب آپ نے  
 ذوالیہدین کے سوا اور پوچھا تو یہ احتمال ہے کہ آپ نے ایسے شخص سے پوچھا ہو جس نے  
 ان کا کلام نہ سنا ہو، اس لیے وہ بھی ذوالیہدین کے مثل ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے  
 کہ آپ نے ایسے شخص سے پوچھا ہو جس نے ان کے کلام کو نہ سنا ہو لیکن رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم نے سنا ہو اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اعادہ کیا ہوا اور اس بنا پر جب  
 اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کلام کا اعادہ کیا تو وہ ذوالیہدین کے  
 معنی میں ہوگا یعنی اس نے آپ کو اپنے قول سے کوئی بات نہیں بتائی اور اس کو  
 یہ معلوم نہ ہوا کہ نماز کم کر دی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان ہوا تو

آپ نے اس کا جواب دیا جس کے معنی ذوالیبدین کے معنی تھے یعنی ان لوگوں پر ان کا  
 جواب فرض تھا کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ جب ان لوگوں نے آپ کو اس کی خبر دی تو آپ نے  
 ان کے قول کو قبول کر لیا اور نہ آپ نے کلام کیا نہ ان لوگوں نے یہاں تک کہ سب نے  
 اپنی نماز پڑھی لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تو حسد کے  
 فرائض ختم ہو چکے اس لیے اس میں کسی قسم کی زیادتی اور کمی نہیں ہو سکتی انھوں نے  
 کہا "ہاں" تو میں نے کہا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ فرق ہے تو جو لوگ ان کے  
 پاس تھے انھوں نے کہا کہ یہ ایک گھلا ہوا فرق ہے اس کی وضاحت کی وجہ سے  
 کوئی عالم اس کی تردید نہیں کر سکتا، انھوں نے کہا کہ تمہارے بعض شاگردوں کا قول ہے  
 کہ آدمی خود نماز کے متعلق جو کلام کرے وہ اس کی نماز کو فاسد نہیں کرتا میں نے کہا کہ  
 ہمارے خلاف اس قول سے استدلال ہو سکتا ہے جو ہم کہیں نہ کہ ہمارا غیر کہے انھوں نے  
 کہا کہ میں نے تمہارے متعدد دلائل سے گفتگو کی تو انھوں نے اس سے استدلال نہیں کیا  
 اور انھوں نے کہا کہ عمل اُسی پر ہے میں نے کہا کہ میں نے تو تم کو بتا دیا کہ عمل کے کوئی  
 معنی نہیں اور ہمارے غیر کے قول سے تم ہمارے خلاف استدلال نہیں کر سکتے انھوں نے  
 کہا بیشک تو میں نے کہا تو جس چیز میں تمہارے لیے حجت نہیں اس کو چھوڑ دو اور میں نے  
 ان سے کہا کہ تم نے ذوالیبدین کی حدیث کی مخالفت میں غلطی کی حالانکہ وہ ثابت ہے  
 اور تم نے اپنے اوپر ظلم کیا کہ تم نے یہ خیال قائم کیا کہ ہم اور وہ لوگ جو اس کے قائل ہیں نماز  
 میں کلام، جماع اور گناہ حلال سمجھتے ہیں حالانکہ نہ ہم نے نہ ان لوگوں نے اسکو ہرگز حلال  
 نہیں کیا حالانکہ خود تمہارا خیال ہے کہ نماز پڑھنے والا اگر نماز پوری کرنے سے پہلے سلام  
 پھیر دے اور اسکو یہ یاد ہے کہ اس نے نماز پوری نہیں کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائیگی

کیونکہ تمھارے خیال میں بے محل سلام کلام ہے، اور اگر اُس نے یہ خیال کر کے سلام بھیج دیا کہ اس نے نماز پوری کر لی تو وہ اسی نماز کو پڑھ لے، تو اگر تمھارے خلاف اُس کے سوا اور کوئی دلیل بھی نہ تو یہی کافی ہے اور ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ تم حدیث کی مخالفت کو عیب سمجھتے ہو، اور خود بہ کثرت اس کی مخالفت کرتے ہو،

پوری کتاب اسی طرز پر اُس دور کے طریقہ تشریح و نقد کی واضح صورت قلب کے سامنے پیش کر دیتی ہے اور اُس تاریخ میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں ہم کو کوئی ایسی کتاب نہیں ملتی جو اس کتاب سے زیادہ ہم کو کثرت مطالعہ کی طرف مائل کرے، اور اُس سے زیادہ ہمارے اسلام کے ساتھ ہم کو فریقگی پر آمادہ کرے

اس کتاب کے ساتھ اور چند کتابیں ملتی ہیں ان میں سے ایک کتاب ان مسائل کے متعلق ہے جن میں امام ابو حنیفہ اور ابن ابی سیلی نے اختلاف کیا ہے اور اُس کی اصل امام ابو یوسف کی ہے اور ہم اس کا ذکر کر چکے ہیں

ایک کتاب خلاف علی اور ابن مسعود ہے، اور اس کتاب میں امام شافعیؒ نے ان مسائل کو جمع کیا ہے جن میں امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ نے اہل عراق کے دو صحابی امام یعنی حضرت علیؒ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا ہے، اُم میں اس کا نام ”خطاب اختلاف علی دا بن مسعود“ ہے، اور ابن ندیم نے اس کو فہرست میں ”ما خالف فیہ الراقیون علیا و عبد اللہ کے عنوان سے درج کیا ہے اور یہی صحیح ہے ایک کتاب اختلاف مالک و الشافعی ہے، اور اس کا تعلق عمل بالسنن ہے اور

اس میں اصحاب مالک سے اس بارے میں مناظرہ ہے کہ انھوں نے تائید حدیث کیلئے اللہ کے عمل کی شرط لگائی ہے امام شافعی کے اس خیال کی تائید ہے کہ جب فقہ

ثقفہ سے روایت کی یہاں تک کہ اس کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا تو وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے، البتہ اس حدیث کو چھوڑ سکتے ہیں جس کے خلاف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہو، لیکن جب خود آپ کی حدیث کے مخالف آپ سے کوئی حدیث مروی نہ ہو، اور آپ کے علاوہ کسی اور سے کوئی ایسی حدیث مروی ہو جو اس کے موافق ہو تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی قوت میں اضافہ نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بذات خود مستغنی ہے، اور اگر یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مخالف ہو، تو ہم اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حدیث لینے کی مستحق ہے، اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ جس شخص سے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف روایت کی گئی ہے وہ آپ ہی کی سنت ہے تو میں انشاء اللہ اس کا اتباع کروں گا، اُس کے بعد اس اصل کی مخالفت برا بھون نے امام مالک پر جو اعتراض کیا ہو اس کی تفصیل کی ہے اور اُن سے اس بارے میں مناظرہ کیا ہے،

ایک کتاب جمارعِ علم ہے، اور اس میں حدیث اور عمل بالحدیث کی حمایت کی گئی  
ایک کتاب ابطال الاستحسان ہے اور اس میں فقہائے عراق کے قول بالاحتیاط

کی تردید کی ہے،

ایک کتاب کتاب الرد علی محمد بن الحسن ہے اور اس کی اصل وہ کتاب ہے جس میں امام محمد نے اہل مدینہ کی تردید کی ہے اور امام شافعی نے اس کے جوابات دیئے ہیں، اور وہ اعتراضات بھی ہیں جو امام شافعی نے ان مناظرات میں جو



امام محمد اور ان کے درمیان ہوئے ہیں کیے ہیں لیکن اس کتاب میں ان کی یہ غلطی ہے کہ وہ ہمیشہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ نے کہا "حالانکہ وہ تمام اہل مدینہ کا قول نہیں ہوتا بلکہ امام مالک کا قول ہوتا ہے اور بہت سے اہل مدینہ اس میں ان کی مخالفت کرتے ہیں، ایک کتاب سیر لا ذاعی ہے، اس کی اصل وہ کتاب ہے جو حسین امام ابی یوسف نے امام اوزاعی کی تردید کی ہے اور امام شافعی نے امام اوزاعی کی طرف سے اس کا جواب دیا ہے، اور ہم اس کتاب کا ذکر کر چکے ہیں،

امام شافعی کی کتابوں میں سب سے بڑی کتاب ان کی وہ کتاب ہے جس کا نام اختلاف الحدیث ہے، امام شافعی نے اسکو احادیث کی تائید میں بالعموم اور خبر واحد کی تائید میں بالخصوص لکھا ہے، اور اس میں اختلاف حدیث پر بحث کی ہے، جن لوگوں نے حدیث کو عموماً رد کر دیا ہے، یا عمل بالحدیث کے لیے راوی کے ثقہ ہونے کے علاوہ اور شرطیں لگائی ہیں ان کا مرکز یہی کتاب ہے، انھوں نے پہلے اس اختلاف پر بحث کی ہے جس کا سبب مروی فعل کا مباح ہونا ہے، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مروی ہے کہ اپنے ایک ایک بار وضو کیا، اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ دو بار وضو کیا اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ تین تین بار وضو کیا اور احادیث میں اس قسم کی حدیثیں بہ کثرت مروی ہیں پھر ان احادیث کا جو ایک دوسرے کی ناسخ اور تفسیر ہیں تذکرہ کیا ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو سنت کے معاملہ میں فقہاء کے لیے مفید ہیں یہ کتاب ان میں ہر مانا ظرات پر بھی مشتمل ہے جو انھوں نے اپنے مخالفین بالخصوص امام محمد کے ساتھ کیے ہیں

فقہ میں حرماء بن یحییٰ کی بھی ایک کتاب ہے جو انھوں نے امام شافعی سے المار کیا ہے

یعنی اس طرح وضو کیا  
کہ اعضا وضو کر  
رہے ایک بار  
دو بار یا دو دو  
دو بار وضو کیا  
تو دینے جوتین  
بار وضو کیا

بوسیطی نے بھی کتاب المختصر الكبير کتاب المختصر الصغير اور کتاب الفرائض لکھی ہیں،  
 دو مختصر مزنی نے بھی لکھے ہیں ایک مختصر کبیر جو متروک ہے، اور ایک مختصر صغیر جس پر  
 اصحاب شافعی اعتماد کرتے ہیں، یہ لوگ اسی کو پڑھتے پڑھاتے تھے اور اس کی شرح کرتے  
 تھے، اور وہ مختلف روایتوں سے مروی ہے،

اُن کی تصنیفات میں دو جامع یعنی جامع کبیر اور جامع صغیر اور دوسری کتابیں بھی ہیں  
 امام شافعی کے تلامذہ کے اتباع میں جن لوگوں نے کتابیں لکھیں، ان میں ایک ایک شخص  
 ابراہیم بن احمد المروزی شاگرد مزنی ہیں جنہوں نے مختصر مزنی کی دو شرحیں کیں اور کتاب  
 فی معرفۃ الاصول، کتاب الشروط والوثائق، کتاب الوصایا وحساب الدور اور کتاب  
 والعموم بھی اُن کی تصنیفات میں ہیں،

ابن سراج نے بھی امام محمدؒ اور عیسیٰ بن ابان کے رد میں کتابیں لکھی ہیں اور کتاب  
 بین المزنی والشافعی اور فقہ میں مختصر بھی اُن کی تصنیفات میں ہیں،

ابوبکر محمد بن عبد اللہ الصیرفی المتوفی ۳۳۵ھ کی تصنیفات میں کتاب البیان فی  
 دلائل الاعلام علی اصول الاحکام شرح رسالہ شافعی اور کتاب الفرائض ہیں،  
 اس دور میں جن شافعیوں نے کتابیں لکھیں وہ بہت ہیں، لیکن ان کی  
 کتابوں سے ہم واقف نہ ہو سکے، دوسرے مذاہب کے متعلق جو کتابیں لکھی گئیں  
 چونکہ ہم نے اُن کو نہیں دیکھا ہے، اس لیے ہم نے اُن کے ائمہ و رجال کے تذکرہ کے  
 ساتھ اُن کا بھی تذکرہ کر دیا ہے،

# پانچواں دور

## چوتھی صدی کی ابتداء سے زوالِ سلطنتِ عباسیہ

یہ خاص خاص مذاہب کی پابندی، اون کی تائید اور مناظرہ و جدل کی اشاعت کا دور ہے

### سیاسی حالت

اس دور میں ممالکِ اسلامیہ کے سیاسی تعلقات بالکل منقطع ہو گئے پچنانچہ جب تم مغرب سے شروع کرو گے تو تم کو اندلس میں بنو امیہ ملین گے جنکا سردار عبدالرحمان ناصر ہو گا جس نے سلطنتِ عباسیہ کے ضعف کو محسوس کر کے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا اور شمال افریقہ میں تم کو اعمالی شیعہ ملین گے جنھوں نے عبید اللہ المہدی الفاطمی کے نام سے ایک سلطنت قائم کی جس نے امیر المومنین کا لقب حاصل کیا اور اپنا دار السلطنت شہر ہمدیہ کو جس کی بنیاد اس نے تونس کے قریب ڈالی بنایا، اور تم کو مصر میں محمد الاشعید ملے گا جو بنو عباس کے لیے دعوت دیتا تھا، اسی طرح تم کو موصل اور حلب میں بنو حمدان بنو عباس کے لیے دعوت دیتے ہوئے ملین گے، اور مین میں تم کو شیعہ زیدیہ ملین گے جنکے پاتون وہاں مضبوطی کے ساتھ جم گئے تھے اور بغداد میں تم کو ولیم کی سلطنت ملیگی جو سلطنتِ بنو بویہ کے نام سے مشہور ہے، اور جس نے عملاً تمام اختیارات خود حاصل کر لیے تھے، اور بنو عباس کا صرف نام ہی باقی رہ گیا تھا، اور مشرق میں تم کو

ساسانیہ ملے گی جو ایک عظیم الشان سلطنت تھی اور مدار الہرین بنجارا میں اسکا دار السلطنت  
 تھا، اس طرح عالم اسلامی کے تمام جوڑ بند ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے، اس کا کوئی  
 سیاسی شیرازہ قائم نہ تھا، اور ان متغلبین میں سے ہر فرقہ ایک دوسرے سے عداوت  
 رکھتا تھا اور اس کی گھات میں لگا رہتا تھا، اور سب زیادہ یہ داویج بنو عباس کے درمیان  
 جو بغداد میں مغلوب ہو گئے تھے، اور فاطمیوں کے درمیان جنکام کو مصر و شام کے قبضہ سے  
 قوی ہو گیا تھا کئے جاتے تھے، چنانچہ یہ لوگ نہایت مستعدی کے ساتھ اپنی دعوت کی اشاعت  
 کے لیے مالک اسلامیہ میں اپنے دعاۃ بھیجتے تھے، اور بنو عباس فاطمین کے نسب پر عیب لگاتے  
 اور شجرہ فاطمہ الزہراء سے ان کو الگ کرنے کے لیے مجالس منعقد کرتے تھے، اور اس پر محض نامے  
 لکھواتے تھے، جس پر اشراف و علماء طوعاً و کرہاً دستخط ثبت کرتے تھے، بنو بویہ جو صاحب اقتدار  
 تھے اگرچہ بذات خود شیعہ تھے، لیکن انھوں نے بنو عباس کو قائم رکھا تھا تاکہ خود ان کا اثر و اقتدار  
 محفوظ رہے، کیونکہ اگر وہ لوگ خلافت کو علویین کی طرف منتقل کر دیتے تو ان کا اقتدار زائل ہو جاتا  
 کیونکہ وہ عقیدۂ علویین کی اطاعت پر مجبور ہو جاتے، اور سیاست کا حکم عقیدہ کے حکم پر اسی طرح  
 غالب آجاتا ہے، اس کے تھوڑی ہی دنوں کے بعد آل سلجوق نے مشرق کی طرف سے حرکت  
 کی اور یہ حرکت اس بات کا اعلان تھی کہ اب حکومت ترکی عنصر کی طرف منتقل ہو رہی ہے  
 چنانچہ سلجوقیوں کے سامنے جس قدر متغلبین آئے انھوں نے ان کو ہمال کر دیا، تمام مشرق پر  
 اقتدار حاصل کر لیا، اور بغداد سے سلطنت بنو بویہ کو مٹا کر خود ان کے قائم مقام بن گئے، لیکن  
 انھوں نے بھی آل عباس کو قائم رکھا کیونکہ ان کو تشیع سے کوئی تعلق نہ تھا اس کے بعد بغداد  
 کے مغرب میں ان کے اقتدار نے وسعت حاصل کی اور وہ جزیرہ اور وسط ایشیا پر قابض  
 ہو گئے، اس کے بعد انھوں نے شام کے بادشاہ فاطمین نے جنگ کی اور مصر اور ان کی

پشت پر جو بلاد مغرب تھے ان کے سوا تمام ممالک اسلامیہ میں ان کا بول بالا ہو گیا، لیکن  
 جب خود ان میں اختلاف پیدا ہوا تو انھوں نے باہم ایک دوسرے سے جنگ کی اور  
 یہی ضعف اور مصروفیوں کے ساتھ ملک شام میں نزاع صلیبی ہوا کی جنبش کا سبب ہوا اور  
 انھوں نے پانچویں صدی کے اواخر میں اٹھ کر بیت المقدس پر قبضہ کر لیا، اور جیسا کہ ان لوگوں  
 کی تاریخ میں مشہور ہے، صرف اسی حد تک نہیں رکھے، غرض سلجوقیوں کا شیرازہ بکھر گیا  
 اور ان کے بعد دوسری ترکی سلطنت قائم ہوئی جو سلطنت اتابکیہ کے نام سے مشہور ہے،  
 یہ خاندان سلاجقہ کی طرف منسوب ہے، کیونکہ ان کے روساء سلجوقیوں کے سپہ سالار اور ان کے  
 لڑکوں کے مربی ہوتے تھے، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اتابک کے نام سے مشہور تھے، سلطنت اتابک  
 مشرق و مغرب میں پھیل گئی، اور ان کی نسل میں ایک شخص یعنی محمود ذوالدین کے ہاتھوں سلطنت  
 فاطمیہ مصر پر کا خاتمہ ہوا اور مصر میں دوبارہ دعوت عباسیہ نے رجعت کی اور اس کے بعد  
 صلاح الدین یوسف بن ایوب کی سلطنت کی ابتدا ہوئی جو محمود ذوالدین کا ایک سپہ سالار تھا  
 لیکن اقصائے مشرق میں چھٹی صدی کے اواخر میں خوارزم شاہ کی سلطنت قائم  
 ہوئی اور اس قدر عظمت حاصل کی کہ بغداد کے قریب تک پہنچ گئی،  
 یہ عظیم الشان دیوار لوطی تو مغلوں نے میلاد بے پناہ کی طرح حرکت کی جنگا سپہ سالار  
 اتحاد تاتار کا بانی چنگیز خان تھا، اور ان لوگوں نے ساتویں صدی کی ابتداء میں ان تمام  
 لوگوں کو جو ان کا مقابلہ کرتے تھے یا ان کے سدراہ ہوتے تھے اپنے سامنے سے دھکیل دیا  
 چنگیز خان چونکہ نہایت وسیع امیدیں رکھتا تھا، اور اس کو محسوس ہوتا تھا کہ تمام دنیا لازمی  
 طور پر اس کی اولاد و احفاد کی مطیع ہو جائے گی اس لیے اس نے اپنی چاروں اولاد کے  
 درمیان دنیا کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا، چنانچہ اس نے دریا تک مغربی حصہ اپنے لڑکے

نچھٹائے کو اور چین تک مشرقی حصہ اپنے بیٹے تولی کو اور شمال کو اپنے بیٹے جوجی کو دیا،  
اور اپنی اصلی سلطنت اپنے بیٹے اوجھٹائے کو دی،

اس طریقہ پر اس نے اپنے لڑکوں کے لیے یہ اندازہ کیا کہ وہ اقصائے مشرق میں ہوں  
چین سے اقصائے مغرب میں سواصل بحرِ روم تک دنیا کے مالک ہو جائیں گے،

اس پر بہت زمانہ نہیں گزرا کہ چنگیز خان کا پوتا ہلاکو خان عالمِ اسلامی کے دارِ سلطنت  
بغداد میں اس کی فوج کا سپہ سالار ہوا، اور آلِ عباس کے آخری خلیفہ کو جبکہ نام اکثر اسلامی مشرور

پر لیا جاتا تھا قتل کیا اور بہت سی تباہی و بربادی کے بعد بغداد ایک ایسی حکومت کا دارِ سلطنت  
ہو گیا جبکہ کوئی آسمانی مذہب نہ تھا، اور اس کے چند وضعی قوانین تھے جنکو ان کے دادچنگیز خان  
نے بنایا تھا اور وہ ان کے یہاں کاسہ کے نام سے مشہور تھے، یہ تاریخ اسلام کی قدیم اور درمیان

تاریخ کے درمیان حد فاصل خیال کیجاتی ہے، اور اس زمانہ میں مصر سے سلطنتِ ایوبیہ کا خاتمہ  
ہو چکا تھا اور ان کی جگہ ان کے ترکی نسل کے غلاموں نے لے لی تھی جنکی کثرت صاحبِ نجم الدین

ایوب نے کر دی تھی، چنانچہ ان کے جو تھے شخص ملکِ ظاہر سیرس البندِ قداری نے عباسیوں  
کی اولاد میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر جو اس کے زمانے میں مصر آیا تھا، بیعت کی، اور

اس کو اسلامی خلیفہ تسلیم کیا، اور اس خلیفہ نے اس کو مصر اور ملحقہ مصر کا بادشاہ بنادیا،  
اسی دن سے قاہرہ بغداد کا قائم مقام ہو گیا، جس میں برائے نام ایک عباسی خلیفہ اور ایک بادشاہ

رہنے لگا جو اصلی حکومت کرتا تھا، اور عہدِ نبویہ اور آلِ سلجوق میں بھی حالتِ بغداد کی تھی،  
اس دور میں سیاستِ اسلامیہ کا جو حال تھا یہ اس کا مختصر سا خاکہ ہے، لیکن علمی

حالت نے ان انقلابات میں ان سیاسی حالات کی پیروی نہیں کی، بلکہ برابر ترقی کرتی  
رہی، بالخصوص سلجوقیوں کے عہد میں مشرق میں اور سلطنتِ فاطمیہ کے عہد میں مصر میں بڑے

بڑے علماء اور صاحب فکر پیدا ہوئے اور فقہ اسلامی کے متعلق ان جو کارنامے ہیں ہم ان کے آئندہ امتیازات کے سلسلے میں بیان کریں گے، البتہ اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ فقہ میں استقلال کی جو روح تھی وہ اس سیاسی ضعف کی تقلید میں ضعیف ہو گئی یعنی وہ بلند روح جو امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ و داؤد بن علیؒ اور محمد بن جریر طبریؒ اور ان کے ہمسرین میں کام کر رہی تھی اس کا صرف ضعیف سا اثر باقی رہ گیا، اس روح کی جگہ جس نے امام ابوحنیفہؒ کو ان کے اسلاف کے متعلق یہ کہنا سکھایا تھا کہ ”وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہیں“ اور امام مالکؒ کو یہ کہنا سکھایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں جس کا قول رد و قبول کے قابل نہ ہو، اور ان دونوں اماموں کے سوا اوروں کو بھی اس قسم کے قول سکھائے گئے ایک ایسی روح نے لے لی جس کو ہم روح تقلید کہتے ہیں،

(۱) روح تقلید،

تقلید سے ہماری مراد یہ ہے کہ ایک معین امام سے احکام سیکھے جائیں، اور اس کے اقوال کا اس طرح اعتبار کیا جائے گویا وہ شارع کے نصوص میں جھکی پیروی مقلد پر لازم ہے،

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمام گذشتہ دوروں میں مجتہد اور مقلد موجود تھے، مجتہد وہ فقہا تھے جو کتاب اور سنت کو پڑھتے تھے، اور ان کو نواہر نصوص یا معقول نصوص سے استنباط احکام کی قدرت حاصل تھی اور مقلد عام لوگ تھے جنہوں نے کتاب و سنت کو اس طور پر نہیں پڑھا تھا جو ان کو استنباط کا اہل بنا سکے، اس لیے جب ان لوگوں کے سامنے کوئی مسئلہ پیش آتا تھا تو اپنے شہر کے فقہارین سے کسی فقیہ کی طرف اس کے

تقلید سے مراد یہ ہے

متعلق رجوع کرتے تھے اور وہ ان کو فتویٰ دیتا تھا، لیکن اس دور میں عام طور پر روح تقلید سزا دیت کر گئی اور علماء و عوام سب اس میں شریک ہو گئے، چنانچہ پہلے یہ حالت تھی کہ فقہ کا طالب پہلے قرآن مجید کے درس اور حدیث کی روایت میں مشغول ہوتا تھا جو کہ استنباط کی بنیاد تھی، لیکن اب وہ ایک معین امام کی کتابیں پڑھتا تھا، اور اس طریقہ کا مطالعہ کرتا تھا جس کے ذریعہ سے اس نے اپنے مدونہ احکام مستنبط کئے تھے، اور جب اس کام کو پورا کر لیتا تھا تو علمائے فقہاء سے ہو جاتا تھا، ان میں بعض بلند ہمت لوگ اپنے امام کے احکام کے متعلق کتاب بھی تالیف کرتے تھے، جو یا تو کسی گذشتہ کتاب کا اختصار یا اس کی شرح یا ان مسائل کا مجموعہ ہوتی تھی، جو مختلف کتابوں میں منتشر طور پر پائے جاتے تھے، لیکن ان میں سے خود کوئی شخص اپنے لیے یہ جائز نہیں رکھتا تھا کہ کسی مسئلہ میں ایسی بات کہے جو اس قول کے مخالف ہو جس کا فتویٰ اس کے امام نے دیا ہے، گو یا حق نصر اس کے امام کے دل و زبان پر اُتر ا تھا، یہاں تک کہ اس دور میں فقہائے حنفیہ کے پیشوا اور مسلم امام ابو الحسن عبید اللہ الکرخی نے یہ کہہ دیا کہ "ہرگز اس طریقیہ کے مخالف ہو جس پر ہمارے اصحاب میں وہ یا تو ماؤل ہے یا منسوخ ہے اور اسی طرح جو حدیث اس قسم کی ہو وہ ماؤل یا منسوخ ہے" اور اس طور پر ان لوگوں نے اپنے سامنے حقیقت کے دروازے بند کر دیے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دور کے فقہاء میں بڑے بڑے ائمہ موجود تھے، اور ہمارے سامنے ان میں سے بعض کا ذکر آئے گا اور ہم یہ نہیں خیال کر سکتے کہ اصول تشریع کے علم اور طریق استنباط میں اپنے سلاف سے کم تھے، لیکن ان میں وہ آزادی نہ تھی جن سے ان کے اسلاف بہرہ اندوز ہوتے تھے چنانچہ امام شافعی کو استنباط میں یہ آزادی حاصل تھی کہ اگر آج ایک رائے ظاہر کرتے





حدیثوں کو شیخ ابو محمد نے پیش کیا ہے، ان کو انھوں نے اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ ان  
 میں ایسے علل موجود تھے جنکو وہی شخص جان سکتا ہے جو محدثین کے فن سے اچھی طرح  
 واقف ہو، چنانچہ جب یہ رسالہ شیخ ابو محمد کو ملا تو انھوں نے کہا کہ یہ علم کی برکت ہے  
 اور یہی قی کے لیے دعا کی اور تصنیف کے پورا کرنے سے ہاتھ روک لیا، اس کے بعد  
 ابن سبکی نے یہی قی کا پورا رسالہ نقل کر دیا ہے، لیکن اگر امام شافعی اس قسم کے اعتراض  
 کی طرف متوجہ ہوتے تو خود اجتہاد نہ کرتے، کیونکہ وہ تصحیح حدیث میں ان رجال حدیث  
 پر اعتماد کرتے تھے جو صرف فن حدیث کے ہو گئے تھے، اور صحیحہ اور مقیم حدیث کے درمیان  
 تمیز کرتے تھے، اور یہی قی نے جو کچھ بیان کیا وہ جوینی کی ترک تصنیف کے سبب بننے  
 کی صلاحیت نہیں رکھتا، بشرطیکہ ان کو استنباط کی قدرت حاصل ہو اور ان کے نفس  
 کو استقلال پر اطمینان حاصل ہو، اس تقلیدی رواج کے سرایت کرنے کے لیے اسباب  
 کی ضرورت ہے، اور ہم کو جان تک معلوم ہو سکا ہے ہم ان کی تفصیل کرتے ہیں،  
 (پہلا سبب) برگزیدہ شاگرد ہیں، جمہور کے قالب میں کسی عالم کی روح کے سرا  
 کرنے کا اس سے زیادہ کوئی مؤثر سبب نہیں ہو سکتا کہ اس کے طاقتور شاگرد ہوں جو اس  
 عالم کے طریقہ سے متاثر ہوں اور عوام کے نزدیک ان کی قدر و منزلت ہو، کیونکہ امام کے طریقہ  
 سے متاثر ہونے کی بنا پر وہ اس کے ساتھ اپنی شیفتگی ظاہر کرتے ہیں، اوسکی تدوین اور حمایت  
 کرتے ہیں اور جمہور کے نزدیک ان کو جو قدر و منزلت حاصل ہے وہ ان کو ان سے علم حاصل  
 کرنے اور ان کے فتویٰ پر عمل کرنے پر آمادہ کرتی ہے، کیونکہ وہ اس پر مجبور ہیں کہ ان کیلئے  
 ایسے ائمہ موجود ہوں جن پر وہ اعتماد کریں اور اپنی شریعت کے احکام ان سے سیکھیں اور یہ  
 ائمہ مشہور جن کے مذاہب قائم ہیں، ان کو ایسے تلامذہ میسر آئے، جو نہایت بلند رتبہ والے <sup>اچھے</sup>

اور اپنی قوم اور اپنے بادشاہوں کے نزدیک نہایت بلند پایہ تھے، چنانچہ جنھوں نے اپنے امام سے جو احکام سیکھے تھے ان کو مدون کیا اور ان سے ان کو ان کے بہت سے تلامذہ نے حاصل کیا، اور ان لوگوں کے درمیان جنھوں نے اپنے مفتیوں پر اعتماد کر کے احکام کی پیروی کی تھی ان کی اشاعت کی، ان ائمہ کے شاگردوں پر بادشاہوں کو جو اعتماد حاصل تھا اسکی بنا پر وہ قاضی اسی شخص کو بناتے تھے جگاہ یہ لوگ مشورہ دیتے تھے اور یہ مشورہ صرف اسی شخص کے متعلق دیتے تھے جن پر وہ اعتماد کرتے تھے اور تم سب سے زیادہ اسی شخص پر اعتماد کر سکتے ہو جو تم سے متاثر ہو اور اس کی رائے تمہاری رائے کے موافق ہو اس لیے جن مذاہب کو اس قسم کے شاگرد نصیب ہوئے وہ اس کی بنیاد کے مضبوط کرنے کا ایک بڑا سبب ہو گئے، اور جب عوام کے دلوں میں ان ائمہ کا اعتماد راسخ ہو گیا تو اس کے بعد یہ شکل تھا کہ کسی نئے مذہب کا داعی کھڑا ہو اور لوگوں کو اس کے اتباع کی دعوت دے، کیونکہ اس کی وجہ سے لوگ اس کو حاج از جماعت سمجھتے تھے، اور جب حسد کا جذبہ پیدا ہو جاتا تھا تو اس کے حریف اس کے ساتھ جو چال چلتے تھے وہ ناقابل فراموش ہے اور یہ ایک افسوس ناک بات ہے کہ یہ ایک ایسا سبب ہے جس کی آگ کسی زمانے میں بھی نہیں بجھی، یہاں تک کہ ہم کو کوئی ایسا فقیہ جو اجتہاد کا درجہ حاصل کر چکا ہو نظر نہیں آتا جو اس لباس میں ظاہر نہ ہو بلکہ انتہائی درجہ پر وہ صرف ایک مذہب کا مجتہد ہو جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پاس جو مسائل آئین اور ان کے متعلق اس کے امام کی نص موجود نہ ہو تو وہ ان کے متعلق فتویٰ دیدے یا کسی مسئلہ کے متعلق اپنے امام کی دوریوں میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح دیدے اور اس قسم کے ائمہ اس دور میں بہ کثرت موجود تھے (دوسرا سبب) قضات ہے، گذشتہ لوگوں میں سے خلفاء ان لوگوں کو قاضی

منتخب کرتے تھے جنہیں ان کو یہ نظر آتا تھا کہ کتاب و سنت کا علم اور ان دونوں سے استنباط احکام کی قدرت رکھتے ہیں، اور ان سے یہ معاہدہ لینے کے بعد کہ جس چیز کے متعلق نص موجود ہو اس میں صرف نصوص پر عمل کریں یا اس رائے سے کام لیں جو اقرب الی النصوص ہو، ان کی رائے پر بھی فیصلہ کو سپرد کر دیتے تھے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے قاضی ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا کہ

فقدات ایک فریضہ الحکمہ یا سنت متبعہ ہے، پس جو چیز کتاب و سنت میں موجود نہیں ہے جب اس کے متعلق تمہارے دل میں غمان پیدا ہو تو سمجھ سے کام لو، اور شاہد و امثل کو پہچانو اور اس وقت قیاس سے کام لو، اور ان میں اس چیز کا قصد کرو جو اقرب الی اللہ اور مشابہ با حق ہو،

اور جب کسی واقعہ میں قاضیوں کو صحیح بات نہیں معلوم ہوتی تھی تو ان کے ساتھ ان کے شہر میں جو مفتی موجود ہوتے تھے ان سے مشورہ لیتے تھے، اور لمبا اوقات اپنے خلفاء سے خط و کتابت کرتے تھے، اور بعض مسائل میں ان کی رائے پر عمل کرتے تھے، اور ان قاضیوں پر عوام کو بڑا اعتماد تھا، لیکن امتدادِ زمانہ سے اجتماعی حالات بدل گئے، اور ان میں ایسے قاضی پیدا ہو گئے جو اس اعتماد کو قائم نہ رکھ سکے، یا ان کے شہر میں ایسے علماء پیدا ہو گئے جنہوں نے فتوے پوچھنے والوں پر ان کے قاضی کی غلطی ظاہر کر کے اس اعتماد کو ضعیف کر دیا جیسا کہ ابن ابی سلیلی قاضی کوذ کو ان کے شہر کے فقہاء کی طرف سے اس قسم کا واقعہ پیش آیا، اور جب قاضی کے ساتھ عوام کے اعتماد میں کمی آگئی تو قاضیوں کے دل میں یہ میلان پیدا ہوا کہ وہ احکام معروضہ کے ساتھ اپنے فیصلہ کو مقید کر دیں، کہ ان کے لیے شد و ذآسان نہ ہوتا کہ وہ ایک بار ایک مفتی کی رائے کے ساتھ جو اس کی غرض کے موافق ہو فیصلہ کرے اور دوسری بار

ایسے مفتی کی رائے کے ساتھ فیصلہ کرے جو اس کا مخالف ہو، اس کے ساتھ ہی جہتدین کے پیروں نے وہ احکام بدوں کئے جو انھوں نے اپنے امام سے سیکھے تھے، اور ان شاگردوں کی مستعدی نے جس قدر پھیلا نا چاہا وہ تمام اسلامی شہروں میں پھیل گئے، اس لیے لوگوں کے دلوں میں یہ میلان پیدا ہوا، کہ ان کا قاضی ایک مشہور مذہب کا آدمی ہوا، اپنے فیصلہ میں اس کی پیروی کرے، اس سے تجاوز نہ کرے، اور وہ مذہب ایسا ہو جسکی تدوین کی گئی ہو، اور وہ مشہور ہو، اس طریقے سے ان مذہب کا خاتمہ ہو گیا جن کے پیروں نے ان کی تدوین و تہذیب میں سرگرمی نہیں ظاہر کی تاکہ ان کا اذکر ناسان ہو، اور جب کسی مذہب کی تقلید کسی بادشاہ یا سلطان نے کی، اور اس مذہب کے پیروں کے لیے عہدہ قضات کو محدود کر دیا، تو یہ اس مذہب کی اشاعت اور ان علماء کے اضافہ کا ایک عظیم الشان سبب بن گیا جو اس مذہب کے قیام و اشاعت کا سبب تھے، جیسا کہ بلاد مشرق میں محمد بن سبکتگین اور نظام نے اور مصر میں صلاح الدین یوسف بن ایوب نے شافعی مذہب کی تائید کی، اور حنفی مذہب کی تائید ترکی عفر نے کی جو حنفی کے سوا اور کوئی مذہب اختیار نہیں کرتے تھے، اور جب کوئی سردار یا با اقتدار شخص کوئی مدرسہ قائم کرتا تھا، اور اس میں زیادہ تر یا محدود طور پر کسی خاص مذہب یا مذہب معینہ کی تدریس لازم کر دیتا تھا، تو یہ اس کا ایک نیا حامی ہو جاتا تھا، شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے رسالہ انصاف فی بیان اسباب الاختلاف میں بلقینی کے شاگرد ابو زر کا قول بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار اپنے شیخ امام بلقینی سے کہا کہ شیخ تقی الدین سبکی اجتہاد کے درجہ کو کیوں نہیں پہنچے، حالانکہ ان کو یہ درجہ حاصل تھا اور وہ کیونکر تقلید کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کے شیخ بلقینی کا ذکر نہیں کیا کیونکہ میں اس پر جو نتیجہ نکالنے والا تھا اس کی بنا پر مجھے ان سے شرم آتی تھی، لیکن وہ خاموش رہے تو میں نے کہا کہ

میرے نزدیک اس کی وجہ صرف وہ وظائف ہیں جو مذاہب اربعہ کے فقہاء کو ملتے تھے اور جو شخص ان مذاہب کے دائرے سے نکل کر اجتہاد کرتا تھا اس کو وہ وظیفہ نہیں ملتا تھا۔ عہدہ قضا سے محروم رہتا تھا، لوگ اس سے فتوے نہیں پوچھتے تھے اور اس کی طرف بدعت کا انتساب کیا جاتا تھا، اس پر وہ مسکرائے اور مجھ سے اتفاق کیا، لیکن باوجود بلقیانی نے ابو زرہ کے خیال سے اتفاق کیا تھا، انصاف کے مصنف نے ان سے اتفاق نہیں کیا، کیونکہ انھوں نے اس کو مستبعد سمجھا کہ ابو زرہ نے جن چیزوں کو بیان کیا ان میں کسی چیز نے ان بزرگوں کو اجتہاد کے چھوڑنے پر آمادہ کیا ہوگا، اور شرح مہذب میں سیوطی سے ایک عبارت نقل کی ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مجتہد جو کسی خاص امام کی طرف منسوب ہے اور اجتہاد مطلق کرے تو یہ اس امام کے انتساب کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ ابواسحاق شیرازی، ابن الصباغ، امام الحرمین اور امام غزالی اسی قسم کے مجتہد تھے، اور کسی خاص امام کی طرف منسوب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ طریقہ اجتہاد، استقرار دلائل اور ان کی ترتیب میں وہ اس کے طریقہ پر چلے اور اس کے اجتہاد کے ساتھ موافقت کرے اور اگر کبھی اسکی مخالفت کرے تو اس کو اس کی پروا نہ ہو اور اس کے طریقہ سے صرف چند مسائل میں نکلے اور یہ اس کے مذہب شافعی کی بابت ہی میں خلل انداز نہیں ہوتا، لیکن شاہ ولی اللہ نے یہ جو کچھ نقل کیا وہ ابو زرہ کے بیان کی صحت کے منافی نہیں ہے، گو ہم اس کو عام طور پر تسلیم نہیں کرتے یعنی یہ نہیں کہتے کہ اس نے تمام فقہاء کو تقلید پر آمادہ کیا،

(تیسرے سبب) ایسا کہ ہم نے بیان کیا مذاہب کی تدوین ہے اس بنا پر مذہب کو قابل اعتماد و متبع ہونے کا میاب ہو گیا، اور جو ہر نے اس کو قبول کر لیا کی تمام شافعی کے اس قول کو نہیں دیکھ کر کہ لیث لاکسے

زیادہ فقہ تھے لیکن ان کے اصحاب نے ان کو قائم نہیں رکھا اور اس عدم قیام کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے ان کی رایوں کی تدوین اور عوام میں ان کی اشاعت کی طرف توجہ نہیں کی جیسا کہ انھوں نے امام مالک کی رایوں کی تدوین کی، چونکہ امام شافعی کو ایسے تلامذہ میسر نہیں ہوئے جو ان کی رایوں کو مدون کرتے اس لیے فقہ میں ان کی بلند پایگی نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور گو مستند راوی ہونے کی حیثیت سے ان کی شان و عظمت کا تذکرہ محدثین کی زبان پر باقی رہ گیا، لیکن مفتی اور مجتہد ہونے کی حیثیت سے ان کے نام کا چراغ بجھ کر رہ گیا اور لیث کی طرح صحابہ اور تابعین میں بہت سے ائمہ ہیں جن کے آثار و استنباطات بعد کے لوگوں کے لیے مثل ہدایت تھے اور اس سے پہلے ہم ان کے ناموں کا تذکرہ کر چکے ہیں،

لیکن اس دور میں علماء کا انتساب اپنے ائمہ کی طرف تقلید محض کی حد تک پہنچا ہوا نہ تھا، بلکہ ان کے بعض کارنامے ایسے تھے جو ان کو نہایت بلند رتبہ اور بلند پایہ بناتے تھے مثلاً

(اولاً) تو وہ ان احکام کے علل و اسباب ظاہر کرتے تھے جن کو ان کے ائمہ نے مستنبط کیا تھا، اور انھی لوگوں کو علماء و تخریج کہا جاتا ہے اور تخریج مناسط کے معنی یہ ہیں کہ حکم کی علت سے بحث کی جائے، اور زیادہ علماء خفیفہ نے یہ مشغلہ اختیار کیا تھا کیونکہ بہت سے احکام جن کو انھوں نے اپنے ائمہ سے روایت کیا تھا غیر معمل تھے اس لیے انھوں نے ان اصول کے بیان کے متعلق اجتہاد کیا جن کو ان کے ائمہ نے اپنے استنباطات میں اختیار کیا تھا، اور ان علل کی تخریج میں علماء باہم اختلاف کرتے ہیں، اور علت کے اس بیان کی وجہ سے وہ ان مسائل کے متعلق بھی فتویٰ دیتے ہیں

جن کے متعلق اُن کے امام کی کوئی تصریح نہیں ہے، بشرطیکہ اس چیز کی علت معلوم ہو جائے جس کے متعلق ان کے امام کی تصریح موجود ہے، اسی موقع پر انھوں نے فقہ کی ایجاد اس اجتہاد کی بنا پر کی ہے کہ ان کے ائمہ کے یہی اصول ہیں، چنانچہ انھوں نے اپنے استنباطات کی بنیاد رکھی ہے، میں نے استقرار کو رو سے اپنی کتاب اصول فقہ میں اس کی تصریح کی تھی، اس کے بعد شاہ ولی اللہ دہلوی کے مقدمہ الذاکر رسالے میں ہمکو ایسی عبارت ملی جو اس کی تائید کرتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ

میں نے اکثر لوگوں کو پایا، جو یہ خیال کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی؟  
(امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کے اختلاف کا بھی اس پر اضافہ کیا جاسکتا ہے)  
کے اختلاف کی بنیاد اپنی اصول پر ہے جو کتاب بزدوی وغیرہ میں مذکور ہیں  
لیکن حق یہ ہے کہ اکثر یہ اصول ان کے قول سے نکالے گئے ہیں، اور میرے نزدیک  
یہ مسئلہ کہ حاص ظاہر ہوتا ہے اس کو بیان کی ضرورت نہیں ہوتی، اور زیادت  
نسخ ہے اور عام خاص کی طرح قطعی ہے، اور کثرت رواۃ سے ترجیح نہیں ہوتی،  
اور غیر فقیہ راوی کی حدیث پر عمل واجب نہیں، اس سے اس کے کادردازہ بند  
ہو جائے گا اور مفہوم شرط اور مفہوم وصف کا بالکل اعتبار نہیں ہے، اور امر کا  
موجب صرف وجوب ہے، اور اس قسم کے اور مسائل ائمہ کے کلام سے نکالے  
گئے ہیں، اور ان کی روایت امام ابو حنیفہ اور ان کے صاحبین سے ثابت  
نہیں ہے، اور ان کی محافطت، اور ان اعتراضات کے جوابات میں جو  
مقدمین کے استنباطات سے ان پر وارد ہوتے ہیں، تکلف کرنا، جیسا کہ بزدوی  
وغیرہ کرتے ہیں، ان کے مخالف اصول کی محافطت اور ان کے جوابات سے



زیادہ مستحق نہیں ہے۔

اس کے بعد انھوں نے ان قواعد میں سے ہر قاعدہ، اور ان اعتراضات کی جو حقیقہ پر ان کے متعلق وارد ہوئے ہیں اور ان جوابات کی جو تہ تکلف انھوں نے انکا دیا ہے، مثال دی ہے،

شافیہ نے اس میدان کی طرف بہت کم توجہ کی ہے، کیونکہ ان کے امام کے جو اصول تھے انھوں نے خود ان کو مدقون کر دیا تھا، اور اپنے تلامذہ کو ان کا املا کر دیا، تھا، یہی حال مالکیہ اور حنابلہ کا بھی تھا، کیونکہ یہ لوگ مناظرہ کے میدانوں سے جن کا ذکر عنقریب آئے گا باطل الگ تھے،

دنیائے مذہب کے متعلق مختلف رایوں میں ترجیح دیتے تھے، جسکی دو قسمیں تھیں،

(۱) روایت کے لحاظ سے ترجیح،

(۲) روایت کے لحاظ سے ترجیح،

روایت کے لحاظ سے ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ ائمہ مذاہب بعض مسائل کی نقل میں اختلاف واقع ہوا ہے، کیونکہ ان سے ان کے مذاہب کی نقل ایک سے زیادہ آدمیوں نے کی ہے، مثلاً امام ابو حنیفہ کے اقوال جو امام محمد نے نقل کئے ہیں، ان میں بعض کو انھوں نے خود امام ابو حنیفہ سے اخذ کیا ہے، اور بعض کی روایت امام ابو یوسف کے ذریعہ کی ہے اور امام ابو یوسف سے امام محمد کے علاوہ اور تلامذہ مثلاً حسن بن زیاد اور عیسیٰ بن ابان وغیرہ نے بھی روایت کی ہے اور امام محمد سے ان کی کتابوں کی روایت بھی ایک سے زیادہ لوگوں نے کی ہے، اور یہ لوگ نقل میں اختلاف رکھتے ہیں، اور یہ اختلاف اس لیے پیدا ہو گیا ہے کہ یا تو نقل کرنے والوں نے ان ائمہ سے نقل کرنے میں غلطی کی ہے

پایہ کہ خود امام کو اس رائے میں تردید تھا اور وہ آج جو بات کہتا تھا اس کو کل بدل دیتا تھا  
 اس لیے ہر ایک شخص دوسرے کے مخالف روایت کرتا تھا، اسی طرح ہم کو نظر آتا ہے کہ امام  
 شافعیؒ سے ربیع بن سلیمانؒ، مزنی، حرمہ اور بوسطی وغیرہ نقل کرتے ہیں اور گزشتہ دونوں  
 اسباب کی بنا پر نقل میں اختلاف کرتے ہیں، اسی طریقہ پر امام مالکؒ سے ابن القاسمؒ،  
 ابن وہبؒ، ابن المہزیونؒ اور اسد بن القزاقؒ وغیرہ روایت کرتے ہیں، اب ان  
 مذاہب کے قائم ہو جانے کے بعد علماء کا کام یہ تھا کہ وہ اپنی یہ رائے ظاہر کریں کہ ان دونوں  
 روایتوں میں سے کونسی روایت مزج ہے، چنانچہ زیادتی اعتماد کی بنا پر جس شخص کی  
 روایت پر ان کو اطمینان حاصل ہوا، اس کو انھوں نے ترجیح دے دی، جیسا کہ حقیقہ نے  
 امام محمدؒ کی روایتوں کو دوسرے تلامذہ پر ترجیح دی اور خود امام محمدؒ کی روایتوں میں انکی  
 ان کتابوں کو ترجیح دی جنکی روایت ان سے ثقافت مثلاً ابو حفص الکبیر اور جوز جانی  
 نے کی ہے اور ان کا نام انھوں نے ظاہر الروایۃ رکھا، اسی طرح شافعیہ نے ربیع بن  
 سلیمانؒ کی روایتوں کو ترجیح دی، یہاں تک کہ جب ربیع اور مزنی کی روایتوں میں تضاد  
 واقع ہوتا ہے تو وہ ربیع کی روایتوں کو مقدم سمجھتے ہیں حالانکہ فقہ میں وہ مزنی کی بلند  
 پایگی کے مستحق ہیں، اور ان کو ربیع پر ترجیح دیتے ہیں اور جب حرمہ کی روایتیں ان  
 دونوں سے مستارض ہوتی ہیں تو وہ حرمہ کی روایتوں کو ضعیف قرار دیتے ہیں، اسی طرح  
 امام مالکؒ سے ابن القاسمؒ نے جو روایتیں کی ہیں، ان کو مالکیہ نے ان کے اور راویوں پر  
 ترجیح دی ہے، خود ابن القاسمؒ سے جو روایتیں لگی ہیں وہ مختلف ہیں، اس لیے وہ  
 رواۃ کی زیادتی اعتماد کی بنا پر ان کو ترجیح دیتے ہیں، دوسرے قسم کی ترجیح ان مختلف  
 روایتوں میں واقع ہوتی ہے جو خود انکے سے ثابت ہوتی ہیں، یا امام اور اس کے تلامذہ

کے اقوال کے درمیان یہ ترجیح دی جاتی ہے، اور اس قسم کی ترجیح وہ فقہا دیتے ہیں جو اپنے  
ائمہ کے اصول اور طرق استنباط سے واقف ہوتے ہیں، اسلئے وہ ان اقوال کو ترجیح دیتے  
ہیں جو ان اصول کے موافق یا فقہ کے دلائل اصلہ یعنی کتاب، سنت، اور قیاس سے قریب  
تر ہوتے ہیں اور یہ قدرتی بات ہے کہ ان مزہبین کے درمیان ترجیح میں اختلاف واقع  
ہو، لیکن اہل ترجیح فی المذہب میں صرف اس عالم کا اعتبار کیا جاتا ہے جس کے درجہ  
اطلاع و تصرف کا اعتراف کیا جاتا ہے،

(ثالثاً) ہر فریق نے اجمالاً اور تفصیلاً اپنے مذہب کی تائید کی، چنانچہ اجمالی طور پر  
اس طرح کہ اس کے مذہب کا امام جس قدر وسیع علم، ورع صادق اور حسن استنباط کا مالک  
رکھتا تھا اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا جس قدر اتباع تام کرتا تھا اور اس کی اشاعت  
کی اور ہر فریق نے اس کے متعلق بہت کچھ لکھا، چنانچہ تم کو علمائے مذہب میں ایسے بہت  
کم علماء ملین گے جنہوں نے اپنے امام کی یہ تعریف نہ کی ہو کہ وہ امام الائمہ ہے اور کوئی امام  
اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اور ان لوگوں نے اس کے ایسے اوصاف بیان کئے جو اسکو  
میدانِ فقہ و استنباط کا شہسوار ثابت کرتے تھے، ان میں بعض لوگوں نے غلو کیا اور  
ائمہ مخالفین پر عیوب لگائے، لیکن اس قسم کے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے،  
تفصیلی تائید کا طریقہ یہ تھا کہ ہر اختلافی مسئلہ میں اپنے مذہب کو ترجیح دی اور اس کے لیے  
کتاب خلاف کی تالیف کی جس میں اختلافی مسائل بیان کرتے تھے اور ہر حالت میں  
اس امام کے مذہب کو ترجیح دیتے تھے جس کی طرف وہ منسوب تھے، لیکن اکثر اوقات  
یہ ترجیح تکلف واضح سے خالی نہیں ہوتی تھی، دوسری حیثیت سے ان لوگوں نے زبانی  
مناطرات کئے اور چونکہ اس دور میں ان مناظرات کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی

اس لیے ہم ان مناظرات کے متعلق تمہارے سامنے ایک مستقل فصل قائم کرتے ہیں۔

## (۲) مناظرات بادل کی اشاعت

گذشتہ دور میں بھی مناظرات کا وجود پایا جاتا ہے، چنانچہ امام شافعیؒ نے اکثر ان مناظروں کا ذکر کیا ہے جو ان کے اور محمد بن حسن فقیر عراق کے درمیان ہوئے، لیکن وہ عام طور پر علماء کے درمیان شائع نہ تھے، اور جہان تک بظاہر معلوم ہوتا ہے ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ حکم صحیح کا استنباط کیا جائے اور جب ان پر حق ظاہر ہو جاتا تھا تو اپنی رائے کے بدلنے سے ان کو کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی، کیونکہ وہ لوگ اپنی رائے میں آزاد تھے اور کسی مذہب اور رائے کی پابندی نہیں کرتے تھے، لیکن اس دور کے مناظرات کی تبادلی اشاعت، ان کے محرک اور ان کے نتیجہ کے متعلق حالات بالکل بدل گئے،

ان مناظروں کی مقدار کا حال یہ تھا کہ مناظرہ کی مجلسوں کا بہت زیادہ رواج ہوا، یہاں تک کہ کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جو اس قسم کی مجلسوں سے خالی ہو جو دو بڑے عالموں کے درمیان مناظرہ کی غرض سے منعقد کی گئی ہوں بالخصوص عراق و خراسان میں،

مناظرہ کی یہ مجلسیں وزراء و کبار کے سامنے منعقد ہوتی تھیں اور ان میں بہت سے اہل علم شریک ہوتے تھے، اور مجالس عزائم میں بھی ان کا انعقاد ہوتا تھا، (طبقات الشافعیہ تذکرۃ شیخ ابوالاسحاق شیرازی میں دیکھو) چنانچہ ابوالولید الباجی کہتے ہیں کہ بغداد میں رسم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسے شخص کی وفات کا صدمہ ہوتا تھا جس کو وہ معزز سمجھتا تھا تو وہ چند دن گھر کی مسجد میں بیٹھتا تھا، اور اس کے ساتھ ان دنوں میں اس کے پڑوسی اور بھائی بند بھی بیٹھتے تھے، جب چند دن گزر جاتے تھے تو اس کو صبر و تسلی دیتے تھے اور اس کے سہولی

کاروبار کی طرف اس کو واپس لاتے تھے لیکن یہ دن جنین وہ اپنے پڑوسیوں اور  
 بھائی بندوں کے ساتھ اپنی مسجد میں تعزیت کے لیے بیٹھتا تھا، اکثر اوقات تلاوتِ قرآن  
 یا مسائل کے متعلق فقہاء کے مناظرے کے ساتھ کاٹے جاتے تھے، قواعدِ مناظرہ کے متعلق  
 کتابیں تالیف کی گئیں اور ان کا نام "علم ادب البحت" رکھا گیا، پہلے مناظرہ کی مجلسیں علمِ کلام  
 کے متعلق قائم کی جاتی تھیں، اور اس نے ان لوگوں میں اس قدر تعصبات فاحشہ اور  
 کھلی ہوئی خصومتیں پیدا کر دیں کہ ان کی وجہ سے خونریزی اور شہروں کی بربادی کی نوبت  
 پہنچ گئی، اس لیے بعض امدادِ فقہی مناظرے کی طرف مائل ہوئے، بالخصوص ان کا میلان  
 اس طرف زیادہ ہوا کہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے مذہب میں جو اولیٰ ہو اس کا اظہار  
 کیا جائے، اب لوگوں نے علمِ کلام اور دوسرے علوم کو چھوڑ دیا اور خصوصیت کے ساتھ  
 ان مسائل پر جھک پڑے جو امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے درمیان مختلف فیہ تھے اور امام  
 مالک، امام سفیان ثوری اور امام احمد کے ساتھ اختلاف کرنے میں تساہل سے کام لیا،  
 ان لوگوں کا نفس اگرچہ ان کو یہ دھوکا دیتا تھا کہ ان مناظرات سے ان کا مقصد، دفاع  
 شریعت کا استنباط، علیٰ مذاہب کا اثبات اور اصولِ فتاویٰ کی تمہید ہے، لیکن ان کیلئے  
 اس کا اصل محرک امداد کی خوشنودی تھی، چنانچہ امام غزالی نے اس کو ثابت کیا ہے اور اس  
 معاملے میں وہی حجت ہیں کیونکہ وہ ان کے رؤسائے میں تھے، اور نہایت تیز زبان اور دقیق  
 تھے، اس کے بعد ان کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ اٹھا تو انھوں نے ان دلفریب مناظر  
 اور جھوٹی شہرت کو چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع کیا اور حالتِ نفسیہ کے عیوب کے اظہار کے لیے  
 ہم کو اس سے زیادہ بہتر شخص نہیں مل سکتا جو خود اس میں مبتلا ہو پھر اس کو چھوڑ دے،  
 امام غزالی کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے نفس کو یہ دھوکا دیتے ہیں کہ طلبِ حق کے لیے باہمی تعاد

دین سے ہے، کیونکہ اس کے لیے اٹھ ٹہریں ہیں،

(۱) چونکہ یہ فروض کفایہ سے ہے، اس لیے اس میں اس شخص کو مشغول نہیں ہونا چاہیے جو فروض اعیان سے فارغ نہ ہوا ہو، اور جس شخص پر فرض عین باقی ہے، اور وہ فرض کفایہ میں مشغول ہوا، اور اس نے یہ خیال کیا کہ اس کا مقصد حق ہے تو وہ کذاب ہے، اور اس کی مثال اس شخص کی سی جو جو نماز کو چھوڑ کر کپڑوں کے حاصل کرنے اور ان کے بننے میں مشغول ہو جائے اور یہ کہے کہ میرا مقصد یہ ہے کہ اس شخص کی ستر پوشی کروں جو برہنہ نماز پڑھتا ہے، اور کپڑا نہیں پاتا، کیونکہ ایسا اتفاق کبھی کبھی ہوتا ہے، اور اس کا واقع ہونا ممکن ہے کیونکہ فقیہ کا خیال یہ ہے کہ جن نوا اور مسائل سے علم الخلاف میں بحث کی جاتی ہے ان کا وقوع ممکن ہے، لیکن جو لوگ مناظرہ میں مشغول رہتے ہیں وہ ان امور کو چھوڑ دیتے ہیں جو بالاتفاق فرض عین ہیں، جس شخص کو فی الحال دو لعیت واپس کرنا ہو اور وہ نماز کو چھوڑ کر جو خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے اس کے واپس کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو وہ اس کے ساتھ گنہگار ہوا، اس لیے کسی شخص کے فرمانبردار بندہ ہونے کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ اس کا فعل طاعات کی جنس سے ہے، جب تک کہ اس میں وقت ٹھہرا اور ترتیب کا لحاظ نہ رکھے،

(۲) مناظرہ سے زیادہ کسی فرض کفایہ کو اہم نہ سمجھے، لیکن اگر اس نے کسی فرض کفایہ کو اس سے زیادہ اہم سمجھا، اور اس کے علاوہ دوسرے فرض کو انجام دیا، تو اس فعل پر گنہگار ہوا اور اس کی مثال اس شخص کی مثال ہوگی جس نے پیاسوں کی ایک جماعت دیکھی جو قریب بہ ہلاکت تھی، اور لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا، اور وہ پانی پلا کر ان کو زندہ رکھ سکتا تھا، لیکن وہ فن حجامت کے سکھانے میں مشغول ہوا اور یہ خیال کیا کہ وہ فرض کفایہ میں

ہے، اور اگر شہر اس فن سے خالی ہو جائے گا تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے، لیکن جب اس  
 کہا گیا کہ شہر میں جاموں کی ایک جماعت موجود ہے، اور وہ کافی ہے، تو اس نے کہا  
 کہ یہ اس کے فرض کفایہ ہونے سے اس کو نہیں نکالتا، تو جو شخص ایسا کرتا ہے، اور مسلمان  
 پیادوں کی جماعت کے واقعہ حال کو چھوڑ دیتا ہے، اس کی حالت اس شخص کی حالت کے  
 مشابہ ہے، جو مناظرہ میں مشغول رہتا ہے، حالانکہ شہر میں اور بھی بہت سے فروع کفایہ  
 چھوڑے ہوئے ہیں، اور ان کو کوئی انجام نہیں دیتا، ان سب کے قریب ترطب ہے، اسی طرح  
 امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی،

(۳) مناظر کو مجتہد ہونا چاہیے، جو اپنی رائے سے فتوے دے، نہ کہ امام شافعیؒ  
 اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے ساتھ، یہاں تک کہ جب اس کو یہ معلوم ہو کہ حق امام ابوحنیفہؒ  
 کے مذہب میں ہے تو اس مسئلہ کو چھوڑ دے جو امام شافعیؒ کی رائے کے موافق ہے اور  
 جو رائے اس کو حق معلوم ہوئی ہے اس کے مطابق فتوے دے، لیکن جس شخص کو جہنم  
 کا درجہ حاصل نہیں ہے، اور ہر اہل زمانہ کا حال یہی ہے تو اس کو مناظرہ سے کیا فائدہ؟  
 درآنحالیکہ اس کا مذہب معلوم ہے اور وہ دوسرے مذہب کے موافق فتویٰ نہیں دیکھتا  
 (۴) صرف اُس مسئلہ کے متعلق مناظرہ کرے جو واقع ہو اور زیادہ تر قریب توقع  
 لیکن یہ لوگ ان مسائل کے انتخاب میں جن کی ضرورت عام طور پر پیش آتی ہے اہتمام  
 نہیں کرتے بلکہ صرف ان طبعولیات کی جستجو کرتے ہیں، جو سنے جاتے ہیں اور اس میں  
 جو کچھ بھی ہو مناظرہ کی بہت زیادہ گنجائش ہوتی ہے، اور جو مسائل کثیر الوقوع ہیں ان کو  
 بسا اوقات چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خبر یہ مسئلہ یا زوایا سے ہے، طبعولیات  
 سے نہیں،

مخلون اور اکابر و سلاطین کے سامنے سے زیادہ مناظرہ کو خلوت میں پسندیدہ ہونا چاہیے، کیونکہ خلوت میں سمجھ میں انتشار نہیں پیدا ہوتا، اور ذہن و فکر کی صفائی اور ادراکِ حق سے اس کو زیادہ موزونیت ہوتی ہے اور مجمع کے سامنے ایسے رستہ پیش آتے ہیں جو محرکاتِ ریا کو تحریک دیتے ہیں اور ہر شخص کے لیے چاہے وہ حق پر ہو یا باطل پر اپنی مدد کرنا واجب کر دیتے ہیں، حالانکہ تم کو یہ معلوم ہے کہ یہ لوگ مجامع و محافل کے حوصلہ خدا کے لیے نہیں ہوتے، بلکہ ان میں بعض لوگ اپنے حریف کے ساتھ مدقون، خلوت میں رہتے ہیں اور اس سے کلام نہیں کرتے اور بسا اوقات اس کے سامنے مسئلہ پیش کیا جاتا ہے اور وہ اس کا جواب نہیں دیتا، لیکن جب کوئی مجمع ہوتا ہے تو ہر ممکن تدبیر اس کی کرتا ہے کہ اس کو خاص طور پر گفتگو کرنے کا موقع ملے۔

(۹) حق کی جستجو میں اس کی حالت اس شخص کی ہی ہو جو گم گشتہ چیز کی تلاش کرتا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کرتا کہ وہ گم گشتہ چیز اس کے ہاتھ لگے گی یا اس کے معاون کو ملے گی اور وہ اپنے رفیق کو معاون سمجھے حریف نہ سمجھے، اور جب وہ اسکی غلطی بتا دے اور اس کے لیے حق کو ظاہر کر دے تو وہ اس کا شکر گزار ہو، لیکن ہمارے زمانہ کے مناظرہ کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ جب ان میں کسی کے حریف کی زبان سے حق ظاہر ہوتا ہے، تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، اور اس کو شرمندگی لاحق ہوتی ہے اور وہ اس کے انکار میں اپنی انتہائی قدرت سے کام لیتا ہے، اور جو شخص اس کو چپ کر دیتا ہے عمر بھر اس کی برائی کرتا ہے۔

(۱۰) جس شخص سے مناظرہ کرے اس کو دلیل سے دوسری دلیل کی طرف اور ایک مثال سے دوسری مثال کی طرف انتقال کرنے کی ممانعت نہ کرے، اور



اپنے کلام سے مناظرہ مبتدعہ کے تمام مفید و مضر دقائق کو نکال ڈالے، مثلاً اس کا یہ قول کہ اس کا ذکر میرے لیے ضروری نہیں، اور یہ میرے پہلے کلام کے مناقض ہے، اس لیے مجھ سے قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ حق کی طرف رجوع کرنا باطل کے مناقض ہے، اور اس کا قبول کرنا واجب ہے، لیکن تم دیکھتے ہو کہ تمام مخلون کا خاتمہ مدافعات و مجادلات پر ہوتا ہے،

(۸) ایسے شخص سے مناظرہ کرے جس سے فائدہ حاصل کرنے کی توقع ہو اور وہ علم میں مشغول ہو، لیکن اکثر یہ لوگ فحول و اکابر کے مناظرے سے اس ڈر سے احتراز کرتے ہیں کہ حق انہیں کی زبان سے ظاہر ہوگا، اور ان سے کم درجہ کے لوگوں کی طرف مائل ہوتے ہیں تاکہ ان میں اپنے باطل کو رواج دے سکیں انہی مخصوصہ  
اس کے بعد امام غزالی نے اس کے ساتھ ایک اور فصل شامل کی ہے جس میں مناظرہ کی آفتیں بیان کی ہیں، اور ان میں حسب ذیل آفتوں کو شمار کیا ہے،

(۱) حسد،

(۲) لوگوں پر تفوق حاصل کرنا، یہاں تک کہ یہ لوگ بعض مجالس میں بلندی پستی اور صدر کے مسند سے قرب و بعد اور تنگ راستوں میں پہلے داخل ہونے کی خواہش پر جھگڑتے ہیں، اور ان میں بعض غبی اور مکار لوگ یہ حیلہ تراشتے ہیں کہ وہ علم کی عزت کا تحفظ چاہتے ہیں، اور مسلمان کو اپنے آپ کو ذلیل کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس بنا پر یہ لوگ تواضع کی تعبیر ذلت سے اور تکبر کی تعبیر مذہب کی عزت سے کرتے ہیں، تاکہ ایک نام میں تحریف کریں اور لوگوں کو اس کے ذریعہ سے گمراہ کر دیں،

(۳) حقد یعنی سخت انحراف دشمنی جس سے تقریباً کوئی مناظرہ خالی نہیں ہوتا،

دم غیبت، کیونکہ ہر مناظر اپنے حریف کے کلام کی نقل اور اس کی مذمت ضرور کرتا ہے، زیادہ سے زیادہ وہ اپنا تحفظ اس قدر کرتا ہے کہ اس کی نقل و حکایت میں صداقت سے کام لے اور اس سے نقل کرنے میں جھوٹ نہ بولے، لیکن لازمی طور پر اس سے ایسی چیزیں نقل کرتا ہے، جس سے اس کے کلام کا قصور، اس کا بجز اور اس کے فضل کا نقصان ثابت ہو اور اسی کا نام غیبت ہے،

(۵) تجسس اور لوگوں کی برائیوں کا ٹوہ لگانا، کوئی مناظر اپنے ہمسردن کی لغزشوں کی تلاش اور اپنے حریفوں کی برائیوں کے ٹوہ لگانے سے خالی نہیں ہوتا یہاں تک کہ جب اس کو اپنے شہر میں کسی مناظر کے آنے کی خبر ہوتی ہے تو وہ ایسے شخص کی جستجو کرتا ہے جو اس کے اندرونی حالات کی خبر دے اور وہ سوال کر کے اس سے نتائج نکالتا ہے، یہاں تک کہ بوقت ضرورت اس کی رسوائی اور شرمساری کے لیے ان کو اپنے لیے ایک سرمایہ خیال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے بچپن کے حالات اور اس کے بدن کے عیوب تک کا انکشاف کرتا ہے، تاکہ اس کی کسی لغزش یا اس کے کسی عیب مثلاً گنج وغیرہ ہونے پر واقف ہو جائے، پھر جب اس کا ادنیٰ سا غلبہ بھی محسوس کرتا ہے تو اگر وہ رکھ رکھاؤ کا آدمی ہوتا ہے تو تعریفیں اس کا اظہار کرتا ہے، اور اس کی یہ تعریفیں مستحسن خیال کیجاتی ہیں اور گالی گلوچ کے لطائف میں شمار کیجاتی ہیں لیکن اگر وہ سفید اور مسخر ہوتا ہے تو علانیہ اس کا اظہار کرتا ہے، جیسا کہ اکابر مناظرین سے منقول ہے،

(۶) لوگوں کے رنج سے خوشی اور ان کی خوشی سے رنج، کیونکہ جو شخص اظہار فضل کے ذریعہ سے تفاخر حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو اس کے مقابل حریفوں کے رنج پر لازمی طور پر مسرت ہوتی ہے، اور ان کے درمیان سوتوں کی طرح بغض ہوتا ہے، جس طرح ایک ست

دوسری سوت کو جب دور سے دیکھتی ہے تو اس کا جسم کا پنپنے لگتا ہے اور اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے اسی طرح جب ایک مناظر دوسرے مناظر کو دیکھتا ہے، تو اس کا رنگ بدل جاتا ہے، اور اُس سے اس کو اضطراب لاحق ہو جاتا ہے، اور ایسی ناگواری کا اظہار کرتا ہے گویا وہ شیطان یا کسی درندہ جانور کو دیکھتا ہے

(۵) نفاق، جبر یہ لوگ مجبور ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ حریفوں، اُن کے دوستوں اور اُن کے ساتھیوں سے ملتے ہیں اور مجبوراً زبان سے دوستی، شوق، اور ان کے قریب کا اظہار کرتے ہیں، لیکن مخاطب اور مخاطب اور ہر وہ شخص جو اُن سے یہ سنتا ہو جاننا ہے کہ یہ جھوٹ، زور نفاق اور فحش ہے، کیونکہ یہ لوگ زبان سے دوست اور دل سے باہم دشمن ہیں

(۸) حق سے روگردانی، اس کی کراہت اور اُس کے متعلق جھگڑنا، یہاں تک کہ مناظر کے لیے سب سے زیادہ مہوض چیز یہ ہے کہ اُس کے فریق کی زبان سے حق کا اظہار ہوا اور جب وہ اس کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے تو وہ اپنی انتہائی کوشش سے اُس کے انکار کے لیے مستعد ہو جاتا ہے اور اس کے رد کرنے کے لیے انتہائی کمر فریب اور جہلہ سے کام لیتا ہے، یہاں تک کہ حق کے متعلق جھگڑنا اس کی طبعی عادت بن جاتا ہے اس لیے جب کوئی کلام سنتا ہے تو اس کی طبیعت میں اس پر اعتراض کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے، یہاں تک کہ ادا قرآن اور الفاظ شرع کے متعلق بھی اُس کے دل پر اس کا غلبہ ہو جاتا ہے، اور وہ ایک کو دوسرے سے مخلوط کر دیتا ہے

(۹) ریاء، لوگوں کا لحاظ، اور اُن کے دل اور اُن کے ہمدن کے مائل کرنے کی کوشش اور ریاء ایک ایسا سخت مرض ہے جو اکبر الکبار کا محرک ہوتا ہے اور مناظر کے

مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں نمایاں ہو اور لوگ اس کی تعریف کریں  
 مناظرہ کے یہ عظیم الشان نتائج ہیں جو فقہاء کو اُس سطح سے اُردیتے ہیں جس پر  
 ممکن ہونا چاہیے، کیونکہ وہ شریعت کے حامی اور دین کے محافظ ہیں، اس لیے ان میں  
 کامل ترین اخلاقی اوصاف ہونے چاہئیں، لیکن ان مناظرات نے جو خالصہ لوجہ اللہ  
 نہ تھے، اُن میں بہت سے فقہاء کو اُس حالت تک پہنچا دیا جس کی شرح ایک ایسے شخص  
 نے کی ہے جو اُسی حالت میں مبتلا تھا خدا اُس کو معاف کرے

ابن سبکی نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ ابو حبان توحیدی کہتے ہیں کہ میں نے  
 شیخ ابو حامد غزالی کو طاہر عبادانی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ ”جو کچھ تم مجھے مجلس مناظرہ  
 میں سنتے ہو اُس کو بہت نہ لکھو کیونکہ اس میں جو گفتگو ہوتی ہے اُس سے حریف کو حکیم اور  
 مغالطہ دینا اور اس کی تردید کرنا اور اس پر غلبہ حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اس لیے  
 ہم خالصہ لوجہ اللہ تعالیٰ گفتگو نہیں کرتے، اگر ہمارا یہ مقصد ہوتا تو طویل گفتگو سے زیادہ  
 ہم خاموشی کی طرف سرعت کے ساتھ قدم بڑھاتے، اگرچہ زیادہ تر اس گفتگو میں خدا کا  
 غضب لیکر لوٹتے ہیں لیکن اُس کے ساتھ ہم خدا کی رحمت کی وسعت کے بھی متوقع ہوتے

## مذہب اسماعیلی

اس دور کی ایک اتیاری خصوصیت یہ ہے کہ مصر اور اُس کے ملحق شہروں میں  
 مذہب اسماعیلی کا ظہور ہوا جو شیعوں کے مذاہب میں سے ان لوگوں کا مذہب ہے جو  
 جنہوں نے اسمعیل بن جعفر صادق کے ساتھ موالات کی اور اُن کے بھائی موسیٰ بن  
 جعفر المعروف بالکاظم کو چھوڑ دیا، اس لیے عالم اسلامی میں اُن کے تین مذہب یعنی

زید یہ امامیہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ قائم ہو گئے یہ مذاہب اگرچہ ایک دوسرے کے باہم مخالف ہیں، لیکن ان سب میں عزت کا شیرازہ سب کو ایک سلسلہ میں جکڑے ہوئے ہے، جب معز لدین الدقاہرہ میں آیا جبکی بنیاد اس کے آنے سے پہلے پڑ گئی تھی لیکن وہ اُس کے نام سے منسوب ہوا تو اُس کے ساتھ اُس کا سب سے بڑا عالم اور اسماعیلیہ فرقہ کا فقیہ موجود تھا اور وہ مصر کا قاضی القضاۃ مقرر کر دیا گیا، یہ پہلا موقع تھا کہ مصر میں اس لقب کا رواج ہوا، اور نہ اُس کے پہلے دار الخلافۃ الکبریٰ بغداد میں وہ صرف قاضی اکبر تک محدود تھا، یہ قاضی لوگوں کے درمیان وراثت اور دوسرے مسائل میں مذاہب اسماعیلیہ کے موافق فیصلہ کرتا تھا اور عزت کی وراثت کا طریقہ بہت سے مسائل میں جمہور کے طریقہ وراثت سے مختلف تھا، جن میں سب سے اہم یہ مسئلہ ہے کہ اُن کے یہاں عصبہ اور عول نہیں ہے، بلکہ وہ لوگ اقربیت کو عصبیت کے قائم مقام بتاتے ہیں اور جو شخص میت سے حسب قدر زیادہ قریب ہوتا ہو اسی ترتیب سے وراثت دلوالتے ہیں، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اس لیے اُن کے نزدیک پہلا درجہ باپ مان اور لڑکوں کا اور دوسرا درجہ دادا، بھائی اور بہنوں کا ہے، علیٰ ہذا اقیاس اور دور کا رشتہ دار قریبی رشتہ دار کے ساتھ وراثت نہیں پاتا، مثلاً اگر میت ایک لڑکی چھوڑ جائے اور اُس کے ساتھ باپ مان میں سے کوئی نہ ہو تو وہ پورے مال کی مالک ہو جاتی ہے، آدھے کی فرض کے ساتھ اور آدھے کی رُذ کے ساتھ، اس طریقہ پر فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُن کے باپ کی میراث میں کوئی انکار شریک نہیں ہے، اور مان کے ساتھ بھائی یا بہن میں سے کوئی وراثت نہیں پاتا اور عزت کے اس قول کی بنا پر کہ میراث کا اصول قربت ہے، وہ لوگ حقیقی چچا کے لڑکے عسلاقی

۱۴  
غالباً رکنی درجہ ہے  
اس فرقہ کے لوگ فقہیت  
تاکثر فقہت عباسیہ کے  
مذہب کے ساتھ ہیں  
علیٰ کرم اللہ وجہہ  
نائب کرتے ہیں ۱۲

(عم لاب) چچا پر مقدم کرتے ہیں حالانکہ چچا کے لڑکے سے زیادہ قریبی بہن اور اس پر  
 طائفہ محققہ کے اجراع سے استدلال کرتے ہیں اس اصول کے موافق ان کے اور بہت  
 سے مسائل ہیں جو مہرور کے مخالف ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول  
 لیا ہے کہ فرائض کو اہل فرائض کے حوالے کرو، اس کے بعد چونچ جائے وہ اس مرد کو دو  
 جو قریب ترین رشتہ دار ہو اور بعض اصحاب فروع پر کمی کے دخل کرنے سے بچ گئے  
 اس مذہب پر فضاہت مصری کی ترتیب کے ساتھ ان کے علماء جامع ازہرین  
 جسکو انہی نے قائم کیا تھا اس کا درس دیتے تھے اور اس غرض سے اس مذہب  
 میں کتابین تالیف کی گئی تھیں اور علماء و طلبہ کو ماہوار وظائف دیتے تھے اور اس  
 دعوت کا ایک ذریعہ بنالیا تھا، داعی دعاۃ اور اس کے اعوان کا کارنامہ اس پر مستزاد  
 تھا کیونکہ وہ مذہب اسماعیلی کے اختیار کرنے کی طرف نہایت سرگرمی کے ساتھ عوام کو بل  
 کر رہے تھے، لیکن باوجود ان تمام کوششوں کے نتیجہ مطلوبہ حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ امام لک  
 اور امام شافعی کے مذہب عوام کے دونوں میں بہت اچھی طرح راسخ ہو گئے تھے اس لیے  
 ان دونوں مذاہب کے باطل یا ضعیف کرنے کے لیے کوئی قطعی کام جاری نہ کیا جاسکا اور مصر کی  
 قدیم جامع مسجد میں ان دونوں مذاہب کے عالموں کے حلقہ ہاے درس برابر قائم رہا  
 اخیر میں تنصر کا وزیر ابو احمد بن الفضل اسپر مجبور ہوا کہ اس معاملے میں نرمی سے  
 کام لے اور چار قاضی مقرر کرے جن میں ہر ایک اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے اور اپنے  
 مذہب کے مطابق وراثت دلوائے، ایک قاضی اسماعیلی ہو، ایک امامی ایک مالکی ہو  
 اور ایک شافعی ہو، اور ۲۵ھ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مصر میں متعدد قاضی مقرر کئے گئے  
 اور جب اس سلطنت میں ضعف پیدا ہوا تو ۵۴۰ھ میں ابوالمعالی علی بن جمیع الشافعی

صاحب الذخائر قاضی القضاۃ مقرر ہوئے اور جب صلاح الدین عاصد کا وزیر ہوا تو دولت  
اسماعیلیہ کے مظاہرہ کو متا دیا اور اس کے قاضی جلال الدین بن ہبۃ الدین کا بل صوری کو  
موقوف کیا اور ۶۶ھ میں صدر الدین عبدالملک بن درباس الکردی الشافعی کو  
مظاہرہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا، صلاح الدین نے مصر میں مذہب اسماعیلی کے ساتھ  
جنگ کی اور اس کا نام و نشان تک باقی نہیں چھوڑا، اور ہم میں اور اسماعیلیوں کے  
درمیان تمام تعلقات منقطع کر دیے، یہاں تک کہ فقہ یا اُس کے علاوہ اور علوم میں ہم  
ان کی کسی کتاب سے واقف نہیں ہو سکتے، شافعیہ میں تضاروت کا عمدہ برقرار  
رہا، لیکن جب ظاہر میسر آیا تو اُس نے تعدد قضاۃ کی بدعت کا دوبارہ اعادہ کیا  
لیکن اُن کو جمہور کے مذاہب شافعی، مالکی، حنفی اور حنبلی میں سے مقرر کیا،

ہم یہ اندازہ نہیں کر سکتے کہ مصر میں اسماعیلی مذہب کی اشاعت میں کس قدر  
کامیابی ہوئی اور خواص امت میں سے کس قدر لوگوں نے اس کو اختیار کیا البتہ ہم  
یہ جانتے ہیں کہ عوام پر اس کا اثر کم ہوا کیونکہ مظاہر اسماعیلیہ اور ان کے عقائد سے نفرت  
کرنے کی خبریں اُن سے مروی ہیں، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے اس کو قبول نہیں  
کیا، اور اس کو کفر و کجی کی علامت قرار دیا اس لیے عوام نے اس سے نفرت ظاہر کی  
اور دعوت کے طریقہ اخفاء نے اس نفرت کو اور بڑھا دیا اور اس سے ان کے اس  
اعتقاد کو اور تائید ہوئی کہ وہ اس دین سے خارج ہو چکے اور انھوں نے اپنے ائمہ و علماء سے رائے پائی

### (۳) تعصبات مذہبی کی اشاعت

گذشتہ دور میں جس بے تعصبی کی روح نے غلبہ پالیا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا

کہ اختلاف مذاہب کا یہ اثر نہ ہو کہ مختلف مذاہب کے لوگ باہم ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں چنانچہ ایک شہر میں دو یا اس سے زائد مجتہد ہوتے تھے اور ہر ایک اپنے رفیق کے لیے اجتہاد کو جائز رکھتا تھا اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا، زیادہ تر جو چیز دیکھنے میں آتی تھی وہ یہ تھی کہ ایک کسی مسئلہ میں دوسرے کی غلطی نکالتا تھا اور اس پر جو نکتہ چینی کرتا تھا اس کو اس کے پاس لکھ کر بھیجتا تھا یا اس کے متعلق اس سے زبانی گفتگو کر لیتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہر ایک دوسرے کا احترام بلکہ اس کی محبت اور تعریف کرتا تھا، چنانچہ امام لیث بن سعد نے امام مالک بن انس کو جو خط لکھا تھا اسکو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں، اور امام شافعی اگرچہ امام ابو حنیفہ کے مسائل پر تنقید کرتے تھے لیکن اسکے ساتھ یہ بھی کہتے تھے کہ لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے دست نگرین وہ امام محمد کی اکثر تعریف کرتے تھے، حالانکہ مناظرے میں وہ ان کے سب سے بڑے حریف تھے، اور امام احمد بن حنبل سے جو فقہ میں ان کے شاگرد تھے کہتے تھے کہ جب تھا رہے نزدیک حدیث صحیح ہو تو مجھے اسکی اطلاع دو، اور جب حدیث کا ذکر آتا تھا تو کہتے تھے کہ امام مالک روشن ستارہ ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان فقہاء و ائمہ اطہار کے اوپر بے تحشی اور محبت کی روح کا غلبہ تھا اور وہ اس معاملہ میں اپنے اصناف صحابہؓ اور تابعین کے مقلد تھے، لیکن اس دور نے حسین تقلیدی روح سرایت کر گئی فقہاء کو جیسا کہ ہم نے بیان کیا اپنے ائمہ کے مسائل کی مدافعت پر آمادہ کیا اور امرائے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کے سامنے مناظرہ کے میدان میں گرم جولان ہوں، اس نے اس نتیجہ تک پہنچایا جسکو امام غزالی نے ناپسند کیا ہے، اور ہر فریق جن مسائل کی مدافعت ہو ان کے متعلق مناظرہ



کرتا تھا اُس کے متعلق تعصب کرنے لگا اور دوسرے کو جیسا کہ وہ خصم کے لفظ سے تعبیر  
 کرتا تھا اپنا دشمن سمجھنے لگا، عوام نے بھی اس معاملہ میں ان کی تقلید کی اور تقریباً  
 اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک اپنے مخالف مذہب کی تقلید کو اس قاعدے کے بموجب  
 کہ "تقلید میں مقتدی کے مذہب کا اعتبار ہے" امام کے مذہب کا نہیں "حرام قرار دے لیکن  
 ہم کو یہ معلوم نہیں کہ یہ قاعدہ کب ایجاد ہوا اور یہ معلوم ہے کہ شافعیہ کی بہت سی نایزین  
 ایک حنفی کی نگاہ میں صحیح نہیں ہیں، کیونکہ ایک شافعی اپنے جسم سے خون نکلنے کی وجہ  
 سے وضو نہیں کرتا، اس لیے کہ اس لیے کہ اس سے اس کے امام کے نزدیک وضو  
 نہیں ٹوٹتا اسی طرح ایک حنفی ایک اجنبی عورت کے چھونے سے وضو نہیں کرتا کیونکہ  
 اُس سے اس کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا اور وہ سورہ فاتحہ کی قرأت کے وقت  
 "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نہیں کہتا حالانکہ وہ امام شافعی کے نزدیک سورہ فاتحہ کی ایک  
 آیت ہے جس کے بغیر اُس کی نماز صحیح نہیں ہوتی، اس سے اور اس قسم کے اور  
 مسائل سے جب ایک مقتدی اپنے مخالف مذہب رکھنے والے کی اقتدار کرتا ہے  
 تو اُس کے دل میں شک پیدا ہوتا ہے، لیکن ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ ایسا کیونکر  
 کہتے ہیں حالانکہ اجتہاد و اختلاف میں اللہ نے بے تعصبی برتی ہے اور یہ تسلیم کر لیا ہے  
 کہ ایک مجتہد کا اجتہاد جس نتیجہ تک پہنچائے اُس کے لیے اس پر عمل کرنا واجب ہے  
 اور اس کے دوسرے نتیجہ کی طرف متجاوز ہونا جائز نہیں، اس نظریہ کا اقتضا یہ ہے  
 کہ میں ہر مجتہد کی ناکو صحیح سمجھتا ہوں اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اقتدار میں امام  
 کے مذہب کا اعتبار ہے، مقتدی کے مذہب کا اعتبار نہیں، لیکن مذہبی تعصبات نے  
 جماعتوں کے درمیان سختی کے ساتھ حد فاصل قائم کر دی اور بعض فقہاء نے اُس پر

یہ اضافہ کیا کہ آپس میں ایک دوسرے پر یہ اہتمام لگایا کہ بعض مسائل میں ان کے  
 ائمہ نے صریح کتاب و سنت کی مخالفت کی ہے، اور اس پر یہ قاعدہ بنایا کہ اگر قاضی  
 ان کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا حکم منسوخ ہو جائیگا لیکن یہ مسائل محل اجتہاد نہیں  
 ہیں، بہر حال ہم اس موضوع کو طوالت دینا نہیں چاہتے اور ہم نے اس کا ذکر صرف  
 اس لیے کیا ہے کہ وہ آثارِ تقلید میں سے ایک قدرتی اثر ہے، لیکن اگر کوئی شخص کہے  
 کہ تم یہ دعویٰ کیونکر کرتے ہو کہ یہ تقلید کا اثر ہے، حالانکہ ابن حزم اندلسی نے جو پانچویں صدی  
 میں تھے تقلید کو بالکل چھوڑ دیا تھا اور اجتہادِ مطلق کے مدعی تھے باوجود اس کے ان سے  
 زیادہ تیز زبان اور اپنے مخالفین کے متعلق ان سے زیادہ سخت گوہم نے کسی فقیہ کو  
 نہیں دیکھا، چنانچہ فقہ میں ان کی کتاب الاحکام لاصول الاحکام اور علی کو پیش نظر  
 رکھ کر تم اس کا اندازہ کر سکتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ باوجود دعویٰ اجتہاد کے  
 تقلید کی حقیقت سے باہر نہیں تھے کیونکہ وہ داؤد بن علی کے مذہب کے مدعی تھے اور  
 اوران کے مذہب کی تائید کرتے تھے اور ان کے شہر کے علما نے جو ان کی عداوت  
 و خصمت کی اس نے ان کو اور تنگدل بنا دیا اس بنا پر انھوں نے اپنے مسلم کو  
 مطلق العنان کر دیا، اور ان پر سخت حملے کیے، ان کا خیال تھا کہ وہ اس طریقہ سے ان پر  
 غلبہ حاصل کر رہے ہیں حالانکہ انھوں نے خود اپنے آپ کو اور اپنی راہوں کو تباہ و برباد  
 کر دیا یہاں تک کہ ان کی حیات و موات دونوں میں ان کا کوئی اثر قائم نہ ہو سکا حالانکہ  
 ان کی وسعتِ اطلاع اور قوتِ فکر کا انکار نہیں کیا جاسکتا،

(اس دور کے فقہاء)

اس دور کے فقہاء اپنے ائمہ کے مذاہب کے مکمل کرنے والے خیال کیے جاتے

ہیں، کیونکہ ان ائمہ سے جو مختلف روایتیں مروی تھیں انھوں نے ان کے درمیان ترجیح دی، ان کے وجوہ و علل ظاہر کیے، اور جن مسائل کے متعلق ان ائمہ کی تصریحات موجود نہ تھیں ان علل پر قیاس کر کے ان کا فتویٰ دیا اس لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان مشاہیر کا تذکرہ کریں جنھوں نے کماہن لکھیں اور انھوں نے جو کچھ لکھا وہ دور اخیر میں ان کے بعد والوں کے لیے بنیاد ہو گیا، اس سلسلے کی ابتدا ہم فقہائے حنفیہ سے کرتے ہیں اور ہم نے ان میں سے ۲۰ فقیہ منتخب کئے ہیں جنکے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) ابو الحسن عبد اللہ بن الحسن الکرخی جو عراق میں حنفیہ کے سردار اور ان کے اکابر کے استاد تھے، مختصر، اور امام محمد بن حسن کی جامع صغیر اور جامع کبیر کی شرح لکھی، سلسلہ میں پیدا ہوئے اور سلسلہ میں وفات پائی، وہ اس دور کے بہت بڑے فقیہ تھے، لوگوں نے ان کا شمار مجتہدین فی المسائل میں کیا ہے،

(۲) ابو بکر احمد بن علی الرازی البصا ص کرخی کے شاگرد تھے اور ان کے بعد سردار ہوئے، مختصر کرخی، مختصر طحاوی جامع امام محمد کی شرح کی، ان کی ایک کتاب اصول فقہ میں ہے اور ایک کتاب ادب القضاۃ ہے انھوں نے سلسلہ میں وفات پائی،

(۳) ابو جعفر محمد بن عبد اللہ بن علی اللہندوانی، وہ چھوٹے ابو حنیفہ کہے جاتے تھے، اوّلین کے ائمہ میں سے تھے، سلسلہ میں بخارا میں وفات پائی،

(۴) ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی المشہور بامام الہندی ہندوانی کے شاگرد تھے، نوائل الیمون والفتاویٰ اور خزائن الفقہ تصنیف کی اور جامع صغیر کی شرح لکھی، سلسلہ میں وفات پائی،

(۵) ابو عبد اللہ یوسف بن محمد بکر جانی، کرخی کے شاگرد تھے، چھ جلدوں میں

خزانۃ الاکمل تالیف کی اور زیادات، جامع کبیر اور مختصر کرخی کی شرح لکھی اور  
خزانۃ الاکمل تمام احباب کی تصنیفات کی جامع ہو، کافی حاکم سے ابتدا کی ہے، پھر جامع صنیف،  
جامع کبیر پھر زیادات پھر مجرّد، متقی، مختصر کرخی، شرح طحاوی اور عیون المسائل کو بہتر  
جمع کیا ہے، انھوں نے ۳۹۵ھ میں وفات پائی،

(۶) ابوالحسن احمد بن محمد القدوری البغدادی، وہ مختصر مشہور کے مصنف ہیں  
اور مختصر کرخی کی شرح لکھی ہے اور کتاب التجرید تصنیف کی ہے جو غیر مل طور پر ان  
مسائل پر مشتمل ہے، جو امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے درمیان مختلف فیہ ہیں، مناظر  
میں حسن العبارة تھے اور شیخ ابو حامد اسفرائینی الشافعی سے مناظرہ کرتے تھے، انھوں نے  
۳۲۵ھ میں وفات پائی،

(۷) ابو زید عبید اللہ بن عمر الدبوسی السمرقندی، وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے  
علم خلافت کو ایجاد کیا، ان کی سب سے بڑی تصنیف اسرار ہے، اور نظم فی الفتاویٰ اور  
کتاب تقویم الادب بھی ان کی تصنیفات میں سے ہیں، مناظرہ اور دلائل کے استخراج  
میں وہ ضرب اشل تھے اور سمرقند اور بخارا میں انھوں نے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ  
مناظرات کئے ہیں، انھوں نے ۳۳۵ھ میں وفات پائی،

(۸) ابو عبد اللہ حسین بن علی الصمیری، وہ کیا رفقاء حنفیہ میں سے تھے اور  
حسن العبارة اور جید النظر تھے، ۳۳۵ھ میں وفات پائی،

(۹) ابو بکر خواہر زادہ محمد بن حسین البخاری، وہ عظامی اور اواخر میں تھے مختصر  
تجفیس، اور مبسوط تصنیف کی اور ۳۳۳ھ میں وفات پائی، خواہر زادہ کے معنی ہیں "عالم  
کا بھانجا"، کیونکہ وہ قاضی ابوثابت محمد بن بخاری کے بھانجے تھے،

(۱۰) شمس الامامہ عبد العزیز بن احمد کلوانی البخاری مصنف مبسوط، وہ اپنے وقت

میں اہل بخارا کے امام تھے، ۴۲۴ھ میں وفات پائی،

(۱۱) شمس الامامہ محمد بن احمد السخسی، وہ حلوانی کے شاگرد تھے، اور مجتہدین

فی المسائل میں شمار کیے جاتے تھے، وہ امام، علامہ، حجت، متکلم، مناظر، اصولی اور مجتہد

تھے، انھوں نے آؤرجند کے قید خانے میں پندرہ جلدوں میں مبسوط کا املا کرایا کیونکہ

انھوں نے خاقان کو ایک نصیحت کی تھی اور اس جرم میں ایک کنوئین میں قید کر دیے

گئے تھے، وہ اس کنوئین میں بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے املا کرتے تھے، اور ان کے

تلامذہ کنوئین کے اوپر بیٹھتے تھے، اصول فقہ میں ایک کتاب شرح سیر کبیر اور شرح مختصر

طحاوی ان کی تصنیفات سے ہیں، اور ان کی مبسوط حاکم شنید کے کافی کی شرح ہے

جو مصر میں چھپ گئی ہے، انھوں نے پانچویں صدی کے اخیر میں وفات پائی،

(۱۲) ابو عبد اللہ محمد بن علی الدامغانی، عراق میں حنفیہ کی ریاست کا ان پر خاتمہ

ہو گیا اور وہ صمیری اور قدوری کے شاگرد ہیں، بغداد میں قاضی مقرر ہوئے اور

۴۸۵ھ میں دامغان میں پیدا ہوئے اور ۵۸۵ھ میں وفات پائی، ابو الطیب الشافعی

ان کی تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے بہت سے تلامذہ میں وہ امام شافعی

کے مذہب کے زیادہ عالم ہیں، وہ شیخ ابواسحاق شیرازی الشافعی سے مناظرہ کرتے

۱۱۳۳ھ میں محمد البرکادوی، گیارہ جلدوں میں مبسوط لکھی اور جامع کبیر اور جامع صغیر

کی شرح کی، وہ اصول کی ایک کتاب کے جو اصول بزدوی کے نام سے مشہور ہے

مولف ہیں اور فقہ میں غنارہ الفقہاء ان کی تصنیف ہے، وہ حدود ۸۲۵ھ میں پیدا

ہوئے اور ۸۲۵ھ میں وفات پائی،

✓ (۱۴) شمس الامامہ بکر بن محمد الزبیری دہ بڑے امام اور حفظ مذہب میں ضرب المثل تھے ۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور حلوانی سے علم سیکھا اور ۲۸۵ھ میں وفات پائی،  
(۱۵) ابواسحاق ابراہیم بن اسماعیل الصفار دہ قاضی خان کے استاد تھے،  
اور ان کے تمام آبا و اجداد اکابر فقہاء میں تھے، انھوں نے ۳۲ھ میں بخارا میں وفات پائی،

✓ (۱۶) طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری صاحب خلاصۃ الفتاویٰ النصار وہ مادر النہر میں حنفیہ کے شیخ اور اکابر مجتہدین فی المسائل میں تھے، ان کی مولفات میں خزانۃ الواقعات ہے، انھوں نے ۳۲ھ میں وفات پائی،

✓ (۱۷) ظہیر الدین عبدالرشید بن ابی حنیفہ بن عبدالرزاق الولابی، فتاویٰ نکاح انھیں کا ہے، انھوں نے ۳۲ھ کے بعد وفات پائی،

✓ (۱۸) ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الملقب بملک العلماء وہ کتاب البدایع کے مولف ہیں جو ایک خوش ترتیب کتاب ہے، انھوں نے اپنے شیخ علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی کی کتاب تحفۃ الفقہاء کی شرح لکھی ہے، انھوں نے ۳۵ھ میں وفات پائی،

✓ (۱۹) فخر الدین حسن بن منصور الاذرجندی الفرغانی المعروف بقاضی خان بہت بڑے امام تھے مشہور و متداول فتاویٰ واقعات امالی، اور محاضرہ کو تالیف کیا اور زیادات، جامع صغیر، اور حضاف کے ادب القضاء وغیرہ کی شرح لکھی، اور ۳۹۲ھ میں وفات پائی، وہ طبقہ مجتہدین فی المسائل میں شمار کیے جاتے ہیں تصحیح قدوسی میں قاسم بن قطلوبغا کا قول ہے کہ "قاضی خان کی تصحیح دوسرے دن کی تصحیح پر مقدم ہے"

کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں،

✓ (۲۰) علی بن ابی بکر بن عبد الحلیل الفرغانی المرغینانی صاحب الہدایہ وہ امام فقیہ اور حافظ تھے اور کتاب المنقذی، نشر المذہب، تجنیس، مناسک الحج، مختارات النوازل اور کتاب الفرائض ان کی تصنیفات سے ہیں، انھوں نے ۵۵۳ھ میں وفات پائی،

## کبار فقہائے مالکیہ

(۱) محمد بن یحییٰ بن لہاتبہ الاندلسی، اپنے معاصرین میں مذہب کے سب سے زیادہ حافظ، عقد شدہ ط کے عالم اور ان کے علل کے ماہر تھے، فتویٰ و فقہ میں ان کے اختیارات مذہب کے دائرے سے باہر ہیں اور فقہ میں ان کی متعدد تصنیفات ہیں، مثلاً منتخبہ اور کتاب الوثائق، ابن حازم فارسی کہتے ہیں کہ ان کی کتاب منتخبہ کے مثل ہمارے اصحاب کی کوئی تصنیف نہیں، ان کا مقصد مسائل مدونہ کی شرح ہے، انھوں نے ۳۳۲ھ میں وفات پائی،

(۲) بکر بن العلاء القشیری وہ اصلاً بصرہ کے رہنے والے تھے، پھر مصر میں چلے آئے، تلامذہ قاضی اسماعیل سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور بڑی بڑی کتابیں تصنیف کیں، مثلاً کتاب الاحکام جو اسماعیل بن اسحاق کی کتاب کا اختصار ہے، اور سپر اضافہ ہے، کتاب الرد علی المرزنی، کتاب اصول الفقہ اور کتاب القیاس وغیرہ انھوں نے ۳۲۶ھ میں وفات پائی،

(۳) ابو اسحاق محمد بن القاسم بن شعبان لنفسی اپنے وقت میں مصر کے فقہائے مالکیہ کے سردار داران میں امام مالک کے مذہب کے سب سے زیادہ حافظ تھے لیکن

ان کی کتابوں میں امام مالک کے غرائب قول اور ان لوگوں کے اقوال شاذہ ہیں جو امام مالک کے تلامذہ میں مشہور نہیں ہیں، اور ان کے ثقات اصحاب نے انکی روایت نہیں کی ہے، انھوں نے امام مالک کے مذہب کا استقرار کیا اور فقہ میں کتاب النبی الثعالبی تالیف کی انھوں نے ۳۵۰ھ میں وفات پائی،

(۴) محمد بن حارث بن اسد نخشبی، انھوں نے قیردان میں فقہ کی تعلیم حاصل کی پھر اندلس میں آئے، اور وہاں کے علماء سے سنا، اور قرطبہ میں توطن اختیار کر لیا، وہ فقہ کے حافظ، اس میں مقدم، فتویٰ کے عالم، مسائل میں عمدہ قیاس کرنے والے تھے، اور امام مالک کے مذہب میں اختلاف و اتفاق کے متعلق ایک کتاب اور ایک کتاب امام مالک کی اس رائے کے متعلق لکھی جس میں ان کے تلامذہ نے ان سے اختلاف کیا ہوا اور کتاب الفتا وغیرہ لکھی، انھوں نے ۳۷۰ھ میں وفات پائی،

(۵) ابو بکر محمد بن عبد اللہ المصطفیٰ الاندلسی، وہ فقہ کے حافظ، اور امام مالک اور ان کے اصحاب کے مذہب کے عالم تھے، اور انھیں نے امیر المومنین حکم کے لیے ابو عمر الاشبیلی کے ساتھ کتاب الاستیعاب کی تکمیل کی جسکی وجہ یہ تھی کہ قاضی اسماعیل کے بعض تلامذہ نے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا تھا، اور اس کی ترویج کی تھی اور اس کو خاصۃً امام مالک کے اس قول کا جس میں ان کے کسی شاگرد کا قول ان سے اختلاف روایت میں شریک نہیں تھا مجروح بنایا تھا، ائمہ نے اس کی پانچ جلدیں لکھ لی تھیں لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا، لیکن جب حکم کو یہ کتاب ملی تو اس کو دیکھ کر اس نے بہت پسند کیا اور اسکی تکمیل کرائی جا ہی، چنانچہ اس کے لیے مصطفیٰ اور ابو عمرو کو بلایا اور ان دونوں نے جلدیں اُس کی تکمیل کی مصطفیٰ نے ۳۸۰ھ وفات پائی،



(۶) یوسف بن عمر بن عبدالبر وہ علمائے اندلس کے شیخ اور اپنے زمانہ میں وہاں کے بہت بڑے محدث تھے، کتاب الاستندکار بزمیہ علماء الامصار فیما تضمنہ الموطا من سعانی الاثنا تصنیف کی حسین موطا کے طرز و ابواب کے موافق اس کی شرح کی اور فقہ میں کتاب الکافی وغیرہ لکھی جو ان کی مہارت پر دلالت کرتی ہیں، انھوں نے ۳۷۱ھ میں وفات پائی،

(۷) ابو محمد عبدالسد بن ابی زید عبدالرحمن النفری القیردانی وہ اپنے وقت میں مالکیہ کے امام، اُن کے پیشوا، امام مالک کے مذہب کے جامع اور اُن کے اقوال کے شارح تھے، اور لوگ اطراف ملک سے اُن کے پاس سفر کر کے آتے تھے، ان کے تلامذہ نہایت برگزیدہ ہوئے اور اُن سے بہت سے لوگوں نے علم سیکھا، انھیں نے مذہب کی تلخیص کی اور وہ مالک الصغیر یعنی چھوٹے مالک کے نام سے مشہور تھے، ان کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں سے نواد الزیادات علی المدونۃ مختصر المدونۃ، تہذیب العقبۃ، اور کتاب الرسالہ مشہور ہیں، ان کے علاوہ اور کتابیں ہیں، انھوں نے ۳۸۶ھ میں وفات پائی،

(۸) ابوسعید خلف بن ابی القاسم الازدی المعروف بالبرادعی وہ ابو محمد بن ابی زید اور قابسی کے اکابر تلامذہ اور حفاظ مذہب میں ہیں اور اس میں ان کی تالیفات ہیں جن میں سے ایک کتاب التہذیب فی اختصار المدونۃ ہے، اس میں انھوں نے اختصار ابو محمد کے طریقہ کی پیروی کی ہے، لیکن انھوں نے اسکو مدونہ کے طرز پر چلایا، جو اور ابو محمد نے جو اضافہ کیا تھا اس کو حذف کر دیا ہے، مغرب اور اندلس میں اسی کتاب پر لوگوں کا اعتماد تھا، ان کی تصنیفات میں کتاب التہذیب لمسائل المدونۃ بھی ہے جو مختصر

ابی محمد اور ان کی زیادات کے طرز پر ہے، کتاب اختصار الوضوح بھی ان کی تصنیف ہے  
 (۹) ابو بکر محمد بن عبد اللہ الابہری، امام مالک کے مذہب کی شرح، ان کے  
 موافق استدلال کرنے اور ان کے مخالف کی تردید میں ان کی تصنیفات میں اودہ نے  
 وقت میں اپنے تلامذہ کے امام، ثقہ، ثبت اور مشہور تھے، بغداد میں فقہ کی تعلیم حاصل  
 کی اور بن عبد الحکم کی مختصر کبیر اور صغیر کی شرح لکھی وہ اپنے وقت میں عراق میں امام مالک کی راے  
 کے محافظ تھے، ساٹھ سال تک جامع منصور میں درس و فتویٰ دیتے رہے، عراق میں  
 قاضی اسماعیلی کے بعد تلامذہ مالک میں کوئی شخص ابہری سا برگزیدہ نہیں ہوا، اسی  
 طرح اطراف ملک میں ان دونوں کے طبقے میں سخون کے سوا مذہب میں ان دونوں کا  
 کوئی ہمسرہ نہ تھا بلکہ ان کے تلامذہ اور تمام لوگوں سے زیادہ تھے، ان کے پیرو اور لوگوں سے  
 زیادہ افضل تھے اور ان کے طلبہ اور لوگوں سے زیادہ برگزیدہ تھے، مذکورہ کتابوں کے  
 علاوہ ابہری کی تصنیفات میں الرد علی المزنی، کتاب الاصول اور کتاب اجماع اہل مدینہ  
 وغیرہ ہیں، ان کی موت کے بعد عراق میں امام مالک کا مذہب ضعیف ہو گیا انھوں نے  
 ۳۹۵ھ میں بغداد میں وفات پائی،

(۱۰) ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المعروف بابن ابی زینب البیروی وہ کبار فقہاء  
 اور محدثین میں سے تھے، مغرب فی المدونہ تصنیف کی اور اس کے اشکال اور اس کے  
 نکات میں جو تفقہ تھا اس کی شرح کی اس کے ساتھ اس کے الفاظ کا تصدیق کیا،  
 اور اس کی روایت کو ضبط کیا، مدونہ کے مختصرات میں اس کا مثل نہیں ہے کتاب المنتخب  
 فی الاحکام اور کتاب المہذب وغیرہ لکھی ۳۹۹ھ میں وفات پائی،

(۱۱) ابو الحسن علی محمد بن خلف النافری المعروف بابن القاسمی وہ وسیع الروایہ

علم حدیث، اس کے علل اور رجال کے عالم فقہ اور اصولی تھے، مفید کتابین تصنیف کیں مثلاً کتاب المسند فی الفقہ، احکام الدیانۃ اور کتاب لمخص الموطاء، ۲۰۳ھ میں وفات پائی،

(۱۲) قاضی عبد الوہاب بن نصر البغدادی المالکی، بہت اچھے مناظر اور جید العبارة تھے، ابہری کے کبار تلامذہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد بغداد سے ناراض ہو کر مصر میں آئے اور اس نے ان کا خیر مقدم کیا، انھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں مثلاً کتاب النصر لمدہب امام دار الحجۃ والموتۃ لمدہب عالم المدینۃ، کتاب الادب فی مسائل الخلاف، اور رسالہ ابن ابی زید اور مدونہ وغیرہ کی شرح کی انھوں نے ۲۲۲ھ میں وفات پائی،

(۱۳) ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد الحضرمی المعروف باللبیدی وہ مشاہیر علمائے افریقہ تھے، ابن ابی زید اور ابوالحسن القاسمی سے فقہ کی تعلیم پائی، ایک بہت بڑی کتاب مذہب میں جو بڑی بڑی دو سو جلدوں سے زیادہ مدونہ کے مسائل اور ایک بسط میں تھی اور زیادات، الالہات اور نوادر الروایات اور ایک کتاب مدونہ کے اختصار میں لکھی جس کا نام لمخص رکھا انھوں نے ۲۲۲ھ میں وفات پائی،

(۱۴) ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن یونس الصقلی وہ فقیہ امام اور فاضل دان تھے ہمیشہ جہاد میں مصروف رہتے تھے، اور شجاعت کے ساتھ متصف تھے، ایک کتاب قرآن میں تالیف کی اور ایک کتاب جو مدونہ کی جامع تھی اس میں اس کے علاوہ اور اہمات کا اضافہ کیا انھوں نے ۲۵۱ھ میں وفات پائی،

(۱۵) ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی، اندلس میں علم حاصل کیا، پھر مشرق کا سفر کیا

اور وہ ان بہت ساعلم حاصل کیا، اُس کے بعد اپنے ملک میں واپس آئے اور وہ ابن حزم کے معاصر تھے اور اُن کے ساتھ اُن کے بہت سے مناظرے ہیں، اُن کے متعلق ابن حزم کا قول تھا کہ قاضی عبدالوہاب کے بعد اصحاب مذہب مالکی میں ابوالولید الباجی کا مثل کوئی نہ تھا۔ ان کی بہت سی تصنیفات ہیں، مثلاً کتاب الاستبصار فی شرح الموطا اور موطا ہی کی شرح میں کتاب المشتقی جو استبصار کا اختصار تھی، اور کتاب السراج فی علم الحجاج، کتاب مسائل الخلاف، کتاب المہذب فی اختصار المدونۃ کتاب شرح المنہج کتاب احکام الفصول فی احکام الاصول وغیرہ انھوں نے ۴۹۴ھ میں وفات پائی،

(۱۶) ابوالحسن علی بن محمد الریجی المعروف باللغنی قیروانی، وہ صفاقس میں آئے، وہ فقیہ اور فاضل تھے، انھوں نے مدونہ پر ایک بڑی تعلیق لکھی ہو جو مفید اور عمدہ ہے لیکن انھوں نے اس میں اختیار و تخریج کی ہے اس لیے اُن کے اختیارات مذہب سے منسلک گئے ہیں انھوں نے ۴۹۵ھ میں وفات پائی،

(۱۷) ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رش القرطبی اندلس اور مغرب میں اپنے وقت کے فقہار کے سردار تھے، اور صحت نظر جو تالیف اور وقت فقہ میں ان کا اعتراف کیا جاتا تھا، ان پر روایت سے زیادہ درایت غالب تھی، کتاب البیان و التحصیل لمافی استخرجہ من التوجیہ و التعلیل کتاب المقدمات لاوائل کتب المدونۃ لکھی اور یحییٰ بن اسحاق کی تالیف میں سے ان کی بسوط کتابوں اور طحاوی کی کتاب مشکل الآثار کا جس کی یحییٰ نے تہذیب کی ہے اختصار کیا انھوں نے ۵۲۵ھ میں وفات پائی،

(۱۸) ابو عبد اللہ محمد بن علی بن عمر التیمی المارزئی الصقلی، اہل افریقہ اور اسکے

علاوہ مغرب کے امام تھے، اور شیوخ افریقیہ میں وہ سب سے آخری شخص تھے جو حقیقۃً فقہ میں مشغول تھے، اور اجتہاد اور دقت نظر رکھتے تھے، فقہ اور اصول میں کتابیں لکھیں اور مسلم اور قاضی عبدالوہاب کی کتاب التلقین کی شرح کی اور بالکلیں میں اس کے مثل کسی کی کتاب نہیں، امام الحرمین کی برہان کی شرح لکھی، اور محصول میں برہان الاصول اس کا نام رکھا، انھوں نے ۳۵۷ھ میں وفات پائی،

(۱۹) ابو بکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المتافری الاشبیلی اپنے شہر میں ادب حاصل کیا، پھر بلاد مشرق کا طویل سفر کیا اور بہت سے علماء سے جنہیں ایک امام غزالی بھی تھے ملاقات کی اور بہت سا فائدہ حاصل کیا اور مسائل خلافت و اصول و کلام میں ہمارت پیدا کی، پھر بہت سا علم حاصل کر کے اندلس میں واپس آئے، اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں، ان کی تصنیفات سے کتاب احکام القرآن کتاب المسالک فی شرح موطا امام مالک اور کتاب المحصول فی اصول الفقہ ہے، انھوں نے ۳۵۷ھ میں وفات پائی،

(۲۰) قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الحصبی سستی اپنے وقت میں حدیث و تفسیر کے امام، فقیہ اصول، احکام کے دافع شہر طے کے عاقد اور امام مالک کے مذہب کے حافظ تھے، اور ابن رشد ان کے شیوخ میں ہیں، انھوں نے مفید کتابیں تصنیف کیں، ابن جن میں الکمال العلم فی شرح صحیح مسلم، الشفا بتعريف حقوق المصطفى صلی اللہ علیہ وسلم، مشارق الانوار فی تفسیر غریب الموطا و البخاری و مسلم اور کتاب ترتیب الارک و تقریب المسالک لمعرفة اعلام مذہب مالک وغیرہ ہیں، انھوں نے ۳۵۷ھ میں وفات پائی،

(۲۱) اسماعیل بن علی العونی، وہ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کی اولاد سے ہیں،

سرحد اسکندریہ میں ان کا خاندان بہت بڑا اور علم میں مشہور ہوا وہ شرح التہذیب المعروف بالحنویہ کے مولف ہیں جو ۳۶ جلدوں میں ہے، دیباچہ کا مولف اس کی ایک جلد سے وقف ہوا جو اُس سے نقل کی گئی تھی، کہا جاتا ہے کہ وہ بڑی بڑی پچاس جلدوں کا ایک ٹکڑا ہے صرف سجد و تلاوت کی بحث میں شمار کیا گیا تو اس کے ساڑھے پانچ کراہیں، ۲ سطر کے مسطر میں نکلیں (۲۹۷ سطر)، انھوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی،

(۲۲) محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن احمد بن رشد الشیرازی حنفیان پر روایت سے زیادہ درایت غالب تھی اندلس میں علم کمال و فضل کے لحاظ سے کوئی ان کا مثل نہیں پیدا ہوا، ان کی بہترین تصنیفات میں کتاب بدایہ المجتہد و نہایتہ المقصد فقہ میں ہے جس میں انھوں نے اختلاف کے اسباب و علل بیان کیے ہیں، اور نہایت مفید باتیں لکھی ہیں، اس لیے اُن کے وقت میں اس کتاب سے زیادہ مفید اور اس سے زیادہ خوش ترتیب کوئی کتاب معلوم نہیں ہوتی، انھوں نے اصول میں مستصفی کا خلاصہ کیا ۵۹۵ھ میں وفات پائی،

(۵) ابو محمد عبد اللہ بن جہم بن شاس الجذامی السعیدی انھوں نے امام غزالی کی وجہ کی ترتیب پر امام مالک کے مذہب میں ایک عمدہ کتاب لکھی جس کا نام انھوں نے الجواہر الثمینیہ فی مذہب عالم الدیمیہ رکھا، اس کی خوبی اور کثرت فوائد کی بنا پر مصر میں تمام مالکی اس کی طرف سخت مائل تھے، انھوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی،

اس دور میں جواکبر شافعیہ امام شافعی کے مذہب میں تالیف، اس کی اشاعت اور اس کی کتابوں کی اصلاح کے ساتھ ممتاز ہوئے اور ان میں اکثر عراقی خراسان اور ماوراء النہر کے رہنے والے ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

(۱) ابوالاسحاق ابراہیم بن احمد المروزی اپنے زمانہ میں فتویٰ و تدریس کے امام تھے، ابن سرج نے فقہ سبکی اور اس میں ماہر ہوئے، اور ابن سرج کے بعد عراق میں ان کو ریاست ملی، انھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور مروزی کی شرح لکھی اور بغداد میں ایک زمانے تک درس و فتوے دیتے رہے، اور ان کے تلامذہ میں بہت سے لوگ برگزیدہ ہوئے، اُس کے بعد اخیر عمر میں انھوں نے مصر کا سفر کیا اور ۳۴۲ھ میں وفات پائی اور امام شافعیؒ کی قبر کے قریب مدفون ہوئے

(۲) ابوالاحمد محمد بن سعید بن ابی القاضی الخوارزمی، وہ علمی خاندان سے ہیں ابوالکھیر فی، ابوالاسحاق اور ان دونوں کے طبقہ سے فقہ کی تعلیم پائی، اور فقہ شافعیہ میں وہ کتاب الحادی والحدیۃ القدیمین کے مصنف ہیں، اور بادردی اور مروزی نے یہ دونوں کتابیں اُن سے پڑھی ہیں، اصول میں اُن کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہدایہ ہے، انھوں نے کچھ اور ۳۴۰ھ میں وفات پائی،

(۳) ابوبکر احمد بن اسحاق البغوی النیشاپوری، فقہ میں انتہائی درجہ کو پہنچے، اور کتاب الاحکام تصنیف کی، انھوں نے ۳۴۲ھ میں وفات پائی،

(۴) ابوعلی الحسین بن حسین المعروف بابن ابی ہریرہ، وہ شیوخ دائرہ شافعیہ میں سے ایک ہیں، ابن سرج سے فقہ سبکی اور مختصر کی شرح لکھی، انھوں نے ۳۴۵ھ میں وفات پائی،

(۵) قاضی ابوالسائب عتبہ بن عبید اللہ بن موسیٰ وہ علمائے ائمہ میں سے ایک ہیں اور شافعیہ میں پہلے شخص ہیں جو بغداد میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، انھوں نے ۳۴۵ھ میں وفات پائی،

(۶) قاضی ابوحامد احمد بن بشر المرزوی، وہ ابواسحاق کے تلامذہ میں ہیں انھوں نے کتاب الجامع تصنیف کی جو اصول و فروع پر حاوی ہے اور اس میں نصوص و وجوہ مذکور ہیں وہ اصحاب شافعی کے نزدیک بہترین کتاب ہے، انھوں نے مختصر فرنی کی شرح لکھی اور ۳۶۲ھ میں وفات پائی،

(۷) محمد بن اسمعیل المعروف بالوقوف الکلیر الشاشی وہ اورانہر کے فقہا شافعیہ میں بہت بڑے فقیہ ہیں، اصول فقہ میں ان کی ایک کتاب ہے اور انھوں نے سالہ کی شرح لکھی ہے، اور اورانہر میں انھیں کے ذریعہ سے فقہ شافعی کی اشاعت ہوئی، انھوں نے ۳۶۵ھ میں وفات پائی،

(۸) ابوسہل محمد بن سلیمان الصعلوکی، انھوں نے ابواسحاق مروزی سے فقہ کی تعلیم پائی، اس کے بعد نیشاپور واپس آکر قیام کیا اور درس و ترویج دیتے رہے انھوں نے ۳۶۹ھ میں وفات پائی،

(۹) ابوالقاسم عبد العزیز بن عبد اللہ الدارکی نیشاپور میں درس دیا اور ابواسحاق مروزی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور عائشہ شیوخ بغداد نے ان سے علم حاصل کیا، انھوں نے ۳۷۵ھ میں وفات پائی،

(۱۰) ابوالقاسم عبد الواحد بن حسین الصمیری وہ مذہب کے حافظ اور بہترین مصنف تھے، ان کے حلقہ درس سے ایک جماعت نکلی جس میں ایک اور دی تھے، ان کی تصنیفات میں الانصاح فی المذہب ہے اور کتاب الکفایہ اور ایک کتاب قیاس و دلیل میں اور ایک چھوٹی سی کتاب ادب المفتی و المستفتی میں ہے، اور ایک کتاب شروط میں ہوا انھوں نے ۳۸۷ھ میں وفات پائی،



(۱۱) ابو علی الحسین بن شعیب السجی، وہ خراسان کے عالم ہیں اور پہلے شخص ہیں جس نے عراق و خراسان کے دونوں طریقوں کو جمع کیا وہ اور قاضی حسین قتال کے برگزیدہ تلامذہ میں سے ہیں انھوں نے شرح مختصر لکھی اور امام الحرمین اسی کو المذہب الکبیر کہتے ہیں انھوں نے تلخیص ابن القاص اور فروع ابن الحداد کی شرح بھی کی انھوں نے ۴۳۰ھ میں وفات پائی،

(۱۲) ابو حامد احمد بن محمد الاسفرائینی وہ طریقہ عراق کے شیخ، مذہب کے امام، اور حافظ تھے، دار کی سے فقہ کی تعلیم پائی، یہاں تک کہ ایک امام ہو گئے اور بغداد میں دین و دنیا کی ریاست ان کو ملی شرح مزنی کے متعلق ان سے یادداشتیں لکھی گئیں، ان کے زمانہ میں اصحاب ابی حنیفہ کے امام ابو عبد اللہ الصمیری ان کے معاصر تھے اور ان کے متعلق قدوری کا قول تھا کہ وہ امام شافعی سے زیادہ فقیہ اور مناظر تھے انھوں نے ۴۷۰ھ میں وفات پائی،

(۱۳) ابو الحسن احمد بن محمد البغوی المعروف بابن الحمالی وہ شیخ ابی حامد کے کبار تلامذہ میں ہیں مجموعہ تفسیر اور لباب وغیرہ تصنیف کیں اور شیخ ابو حامد سے ان کی ایک یادداشت ہے جو ان کی طرف منسوب ہے انھوں نے ۴۵۰ھ میں وفات پائی،

(۱۴) عبد اللہ بن احمد المعروف بالقفال الصغیر وہ کبار فقہائے خراسان میں ہیں مذہب شافعی کے متعلق ان کا مذہب طریقہ جسکو ان کے تلامذہ نے ان سے سیکھا، نہایت مضبوط نہایت واضح التہذیب اور نہایت کثیر التحقیق ہے، اور وہ خراسان میں دیسے ہی ہیں صبیہ ابو حامد اسفرائینی عراق میں تھے انھوں نے ۴۸۰ھ میں وفات پائی،

(۱۵) ابواسحاق ابراہیم بن محمد الاسفرائینی وہ ائمہ شافعیہ میں بہت بڑے امام ہیں

اصول فقہ میں ایک یادداشت تصنیف کی، انھوں نے ۱۸ھ میں نیشاپور میں وفات پائی،

(۱۶) ابو الطیب طاہر بن عبداللہ الطبری، وہ بہت بڑے امام ہیں، بغداد میں ان تک ریاست علمیہ پہنچی، اور اہل عراق نے ان سے علم حاصل کیا، مزنی کی شرح لکھی، اور خلافت مذہب اور جدل میں بہت سی کتابیں لکھیں جن کا مثل کسی کی تصنیف میں نہیں پایا جاتا، قاضی صمیری کے بعد ربیع الکریخ کے قاضی مقرر ہوئے اور ابو الحسن الطالقانی اور قدوری کے ساتھ ان کے مناظرات ہیں، انھوں نے ۲۸ھ میں وفات پائی،

(۱۷) ابو الحسن علی بن محمد الماوردی وہ فقہ میں حاوی اور افتاء کے <sup>سلطان</sup> اور حکام <sup>ابینی</sup> وغیرہ کے مصنف ہیں، بصرہ میں صمیری سے فقہ کی تعلیم پائی، اس کے بعد شیخ ابو حامد لاسفرا کی طرف سفر کیا اور دونوں شہروں میں درس دیا، انھوں نے ۴۵ھ میں وفات پائی،

(۱۸) ابو حامد محمد بن احمد الہروی العبادی وہ زیادات، مبسوط، ہادی اور ادب القضاۃ کے مصنف اور مشکل عبارت اور پیچیدہ کلام لکھنے میں مشہور ہیں، انھوں نے اس میں اپنے استاد ابواسحاق کی طرز کی تقلید کی ہے، انھوں نے ۴۵ھ میں وفات پائی،

(۱۹) ابو القاسم عبدالرحمن بن محمد الفوری المروزی وہ ابانہ، اور عمدہ وغیرہ کتابوں کے مصنف اور ابو بکر تفال کے کبار تلامذہ میں ہیں، اور وہ اہل مرو کے شیخ ہیں، انھوں نے ۴۶ھ میں وفات پائی،

(۲۰) ابو عبد اللہ القاضی الحسین المروزی، انھوں نے تفال سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور وہ امام الحرمین کے استاد ہیں، انھوں نے ۴۶ھ میں وفات پائی،

(۲۱) ابواسحاق ابراہیم بن علی الفیروز آبادی الشیرازی وہ فقہ میں تنبیہ و حذیب اور خلافت میں نکمت کے اور لمع اور اس کی شرح کے اور اصول فقہ میں تبصرہ کے

اور جدل میں ٹھس اور موٹہ کے مصنف ہیں اور فصاحت و مناظرہ میں وہ ضرب المثل تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ فقہ کے اصول و تفریع میں وہ ابن سرینج کے قائم مقام اور طلباء کی کثرت میں ان کے مشابہ تھے، ابو عبد اللہ الدامغانی الحنفی کے ساتھ ان کے مناظرات ہیں، انھوں نے ۳۷۰ھ میں وفات پائی،

(۲۲) ابو النصر عبد السید بن محمد المعروف بابن الصباغ وہ شامل، کامل، محدث عالم و طریق السالم اور کھاتہ السائل و الفتاویٰ کے مصنف ہیں بغداد میں ان کو شافعیہ کی ریاست ملی اور وہ ابو اسحاق شیرازی کے مشابہ تھے، اور وہ پہلے شخص ہیں جس نے نظامیہ بغداد میں درس دیا، انھوں نے ۴۷۰ھ میں وفات پائی،

(۲۳) ابو سعد عبد الرحمن بن مامون المتولی صاحب التتمہ جسکو انھوں نے اپنے شیخ فورانی کی کتاب ابانہ پر تصنیف کیا اور اُس میں حدود تک پہنچے، فرائض میں ان کی ایک مختصر کتاب ہے، اور ایک کتاب خلاف میں ہے، انھوں نے شیخ ابو اسحاق کے بعد نظامیہ میں درس دیا ۴۸۰ھ میں وفات پائی،

(۲۴) ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجوسی المعروف بامام الحرمین اپنے والد سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور فقہ، اصول اور کلام میں نیشاپور بلکہ کل مشرق کے امام ہو گئے، مکہ میں چار سال تک مجاورت کی اور وہیں سے امام الحرمین کا لقب حاصل کیا جب نیشاپور میں واپس آئے تو نظام الملک نے ان کے لیے مدرسہ نظامیہ قائم کیا، انکی تصنیفات میں فقہ میں ایک کتاب نہایت ہو کہ مذہب میں اُس کے مثل جیسا کہ سبکی کا بیان ہے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی اور اصول فقہ میں ایک کتاب برہان اور ترجیح مذہب شافعی میں ایک کتاب بغیث الخلق ہے، ان کے معاصر ابو اسحق شیرازی نے ان کی

بڑی تعریف کی ہے، انھوں نے شاہ حسین و فات پانی،

(۲۵) ابو الحسن عبد الواحد بن اسماعیل الرویانی صاحب البحر، وہ ائمہ تہذیب  
 میں سے ایک امام ہیں اور حفظ میں ضرب المثل ہیں نظام الملک ان کی عظمت کو لکھتا تھا  
 اور ان کو طبرستان اور اُس کے دیہاتوں میں سے رویان کا قاضی مقرر کیا وہ ۵۶۰ھ  
 میں مقتول ہوئے ان کی کتاب بحر سے اوردی کی کتاب حاوی مراد جس کے ساتھ محفوظ نے  
 چند فروع جن کو اپنے باپ اور دادا سے حاصل کیا ہے، شامل کیا ہے،

۱۲۰ حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالیؒ ۳۵۰ھ میں طوس میں پیدا ہوئے اور امام الحرمین سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور کوشش کر کے مذہب خلافت، جدل اصول فقہ، کلام اور منطق میں مہارت حاصل کی اور حکمت اور فلسفہ پڑھا، امام الحرمین "لبریز" دیا کے فقرے کے ساتھ ان کی تعریف کرتے تھے، امام الحرمین کی وفات کے بعد وہ بغداد گئے، اور نظامیہ کے مدرس مقرر ہوئے وہیں مذہب میں بسیط، وسیط، وجیز اور خلاصہ اور اصول فقہ میں مستصفیٰ، نخل، ہدایۃ الہدایہ، خلائیات میں ناخذ اور شفا لتعلیل فی بیان مسائل لتعلیل وغیرہ کتابیں مختلف علوم میں تصنیف کیں انھوں نے مشہورین طوس میں وفات پائی اور غزالی کے بعد کوئی شخص ان کا مثل نہیں پیدا ہوا،

(۲۷) ابوالسحاق ابراہیم بن منصور بن مسلم العراقي افضیۃ المصری وہ ہند کے شاعر اور مصر کی جامع عتیق کے امام اور خطیب تھے طلب علم میں عراق کا سفر کیا پھر مصر گئے اور اسی چیمہ عراقی مشہور ہوئے وہ قاہرہ میں مغر زتھے اور وہاں کے فقہاء نے اُن سے علم حاصل کیا، انھوں نے ۵۹۶ھ میں وفات پائی،

(۲۸) ابوسعید عبداللہ بن محمد بن ہبشۃ المدائنی المعروف بابن ابی عسرون التمیمی البصری،

وہ دمشق میں آکر مقیم ہوئے، اور وہاں کے قاضی القضاۃ تھے، پہلے موصل میں پھر بغداد میں فقہ کی تعلیم پائی، اس کے بعد موصل میں درس دیا اور اخیر میں دمشق میں آئے اور ۶۸۵ھ میں وہاں کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور ان کی تصنیفات سے سات جلدوں میں صفوۃ المذہب علی نہایتہ المطلب، کتاب الانصاف، مرشد الذریعہ فی معرفۃ الشریعہ اور علم خلاف میں تفسیر ہے اور ان کی ایک کتاب الارشاد فی نصرۃ المذہب جسکی تکمیل انھوں نے نہیں کی ان کے علاوہ اور کتابیں ہیں

(۲۹) ابوالقاسم عبد الکریم بن محمد القزوینی الرافعی وہ چیز کی شرح کبیر الموسوم بالقر فی شرح الوجیز کے مصنف ہیں اور بعض لوگ اس کا نام فتح العزیز بتاتے ہیں وہ حجر کے مصنف اور مسند شافعی کے شارح ہیں ان کے علاوہ ان کی اور کتابیں ہیں انکے شرف کیلئے ان کی کتاب فتح العزیز کافی ہے، کیونکہ وہ ان کتابوں میں ہے جس کا مثل نہیں، رافعیؒ اپنے زمانے میں فرد اور فقہ میں عمدۃ المحققین تھے اور درجہ اجتہاد تک پہنچ گئے تھے، انھوں نے ۷۳۵ھ میں وفات پائی،

(۳۰) محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری النوبختی ۷۳۵ھ میں بہت نام نوی پیدا ہوئے وہ آخر المحققین اور اصحاب شافعی میں ان لوگوں میں ہیں جن کو درجہ ترجیح حاصل تھا، انھوں نے کتاب الروضۃ تصنیف کی جو شرح کبیر رافعی کا اختصار ہے اور اس سے اپنی کتاب الاسمی بالمنہاج کا اختصار کیا،

## چھٹا دور،

فتح بغداد سے جو ہلاکو خان کے ہاتھوں ہوئی تک  
یہ دور تقلید محض کا ہے،

### سیاسی صورت حال

ترکی یا تورانی قوم کو جو ایک بہت بڑی قوم ہے اور مختلف قبائل سے مرکب ہے،  
جب بلاد اسلامیہ میں چانشگری کے اسباب میسر ہوئے تو اس نے اس کے اصلی ممالک کے علاوہ  
اس کے بہترین مقام پر قبضہ کر لیا، اور اپنے راستے میں اس نے کوئی ایسی قوت نہیں پائی جو  
اس کو اس کی پامالی سے روک دیتی، یہاں تک کہ وہ بلاد شام تک پہنچ گئے اور یہاں  
نہرِ جالوت پر مصریوں نے ان کا مقابلہ کیا جنکی سپہ سالاری مظفر قنبر ممالیک بخریہ کا تیسرا بادشاہ  
کر رہا تھا اور ان کو سخت شکست دی جبکی وجہ سے مصر اور شام ان کے غلبہ سے محفوظ رہ گیا،  
لیکن باوجود ان کی کامل فتح اور اکثر بلاد اسلامیہ پر غلبہ حاصل کرنے کے اسلامی قوت نے  
ان کی گزروں جھکا دی اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا، اسلام قبول کرنے میں تو انکی  
قسم ثمالی جو نہرتل پر مقام سرائے میں تھی اور قسم غری جو بغداد اور ایرانی ممالک میں رہتی تھی  
دونوں برابر تھی، لیکن قسم ثمالی نے ایک صدی پیشتر اسلام قبول کر لیا تھا، مصر و شام  
پر جس قوم کا قبضہ تھا وہ بھی ترکی قوم تھی اور یہی لوگ ممالیک کے نام سے مشہور ہیں، اس طرح  
مغربی ممالک کے علاوہ جن میں براہِ مغرب کی سلطنت قائم تھی تمام ممالک اسلامیہ میں

ترکوں کا اقتدار قائم ہو گیا اور آٹھویں صدی کی ابتداء میں ترکی ایشیاء میں ایک بلند  
 اور بہادر آدمی یعنی عثمان کبھی جو ایک ترکی قبیلہ کا سردار تھا، نمایاں ہوا اور اس نے اپنی  
 قوم کے لیے بقایائے آل سلجوق کے کھنڈر پر جو ہمیشہ ایشیائے وسطیٰ میں رہتے تھے، ایک  
 سلطنت کی بنیاد ڈالی، اور وہ اور اس کے بعد اس کی اولاد ان چھوٹے چھوٹے ملکوں پر  
 جو ان کے متصل تھے قبضہ کرتی رہی یہاں تک کہ ان کی ایک بڑی سلطنت قائم ہو گئی  
 اس کے بعد انھوں نے یورپ پر حملہ کیا اور اس کے ایک بڑے حصے پر قابض ہو گئے،  
 نویں صدی کے نصف حصے میں ان کے ہاتھوں شہر قسطنطنیہ منہدم ہوا جو بعد کو ان کا دارالسلطنت  
 ہو گیا، اس کے بعد انھوں نے بڑی بڑی اسلامی سلطنتوں پر حملہ کیا جنہیں سب سے بڑی سلطنت  
 مصری سلطنت تھی جو خلافت اسلامیہ عباسیہ کا مرکز تھی، اور اس پر غلبہ حاصل کر کے آخری  
 خلیفہ عباسی کو وہاں سے ہٹا دیا اور اس کے بعد ان کے بادشاہ خلفاء کے لقب سے لقب  
 ہوئے اور اس طور پر خلافت قاہرہ سے منتقل ہو کر قسطنطنیہ میں آ گئی، اور مصر ایک عثمانی ملک  
 ہو کر دفعۃً سیاسی اور علمی حیثیت سے اپنے مقام بلند سے گر گیا، لیکن دولت عثمانیہ آگے بڑھی  
 اور قوت نے اس کو مدد دی یہاں تک کہ بڑے بڑے اسلامی ممالک اس کے زیرِ اقتدار  
 آ گئے اور اس کی عظمت کے سب سے بڑے وقت میں بلادِ اندلس میں اسلام کا چراغ جو آٹھ صدی  
 تک علم و آداب کیساتھ روشن رہ چکا تھا بجھ گیا اور تیرہویں صدی کے آغاز میں تقدیر الہی  
 نے مصر میں ایک نہایت بلند رتبہ اور صحیح الرائے شخص یعنی محمد علی کو پیدا کیا اور مصر نے  
 اس کو اپنا امیر اور اپنی کشتی کا ناخدا انتخاب کیا، اور اسی وقت سے مصر نے اپنی قوت اور  
 اپنے درجہ کو واپس لینا شروع کیا، اسی زمانہ میں یورپ اسلام کے اقتدار سے لڑنے کیلئے  
 کھڑا ہوا، اور علم نے اس کے اکثر ارادوں کو پورا کیا، اب تک یہ نزاع قائم ہے اور ہم

نہیں جانتے کہ اس کا انجام کس کے حق میں مفید ہوگا،

### اس دور میں تہجد،

اس دور میں لکھنے کے بے مجھے کوئی چیز واضح طور پر نظر نہیں آتی کیونکہ اس میں اجتہاد کی ہوائیں رک گئیں اور اس میں ایسی فرشتیں موجود نہیں جو لکھنے والے سے کھوئیں اور بولنے والے سے بلائیں، پہلے دور میں جبکہ خداوند تعالیٰ اپنے شریعہ کو رسول اللہ ﷺ کے قلب پر وحی کرتا تھا، اور خداوند تعالیٰ جو کچھ نازل کرتا تھا، آپ اس کی تبلیغ کرتے تھے، اور لوگوں کے لیے اس کو بیان فرماتے تھے اور دوسرے اور تیسرے دور میں جبکہ صحابہؓ اور تابعین خدا کی کتاب، اس کے رسول کی سنت اور رائے صحیح سے استنباط کے طریقے بتاتے تھے، اور چوتھے دور میں جبکہ کبار ائمہ اور بڑے بڑے فقہا پیدا ہو کر اس پھل کو توڑنے، اور مفصل طور پر احکام شریعت کو جمع کرنے لگے، اور پانچویں دور میں جبکہ ترتیب و تہذیب اور اختیار و ترجیح کا دور تھا، گفتگو کی وسیع گنجائش تھی، لیکن اس اخیر دور میں جسکی کوئی امتیازی خصوصیت نہیں، ایک کہنے والا کیا کہہ سکتا ہے، لیکن چونکہ یہ دور ہم سے ملا ہوا ہے، اور ہم کو اپنے اسلاف صالحین کی اقتداء کے لیے اُٹھنے کی ضرورت ہے، اس لیے ہم اس دور کے عیوب کو واضح کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ عیوب جب ظاہر ہو جاتے ہیں تو جو لوگ صاحب فکر اور صاحب قدرت ہیں ان کے لیے اس کی تدبیر کے لیے آواز ہو نا ضروری ہو جاتا ہے۔

۱) اس دور کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ علماء کے نفوس میں تقلید محض کی روح جاگزیں ہو گئی، چنانچہ چند علماء کے علاوہ ہم کو کوئی عالم ایسا نظر نہیں آتا جو رتبہ اجتہاد کو پہنچا ہو، اور وہ بھی اس دور کے نصف اول میں اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ



قاہرہ بغداد کا قائم مقام ہے، اور سلطنت عباسیہ اور خلافت عباسیہ کا مرکز ہوا، اس زمانے میں وقتاً فوقتاً ایسے لوگ پیدا ہوئے جو درجہ اجتہاد تک پہنچے، تاہم وہ مشہورائے کبار کے انتساب کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے، لیکن اس دور کے نصف ثانی میں جو دسویں صدی کی ابتدا سے شروع ہوا حالت بدل گئی، اور نشانِ راہ میں تغیر واقع ہوا، اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ کسی فقیہ کے لیے اختیار و ترجیح جائز نہیں، اس کا زمانہ گزر گیا اور قدامت کی کتابوں اور لوگوں کے درمیان دیوارِ حائل ہو گئی، اور ان کو صرف ان کتابوں پر قناعت کرنی چاہیے جو ان کے سامنے ہیں، اور غریب ہم ان کتابوں کا حال لکھیں گے،

جب ہم اس حالت کی طرف واپس آتے ہیں، جو سلطنت مصر کے مفتوح اور خلافت کے منتقل ہونے سے پہلے اسکی تھی تو ہم کو عز بن عبدالسلام، ابن الحاجب، ابن قیم، ابیہ بن الرقہ، ابن تیمیہ، سبکی، ابن سبکی، ابن القیم، بلقینی، اسنوی، کمال ابن الہمام، جلال الدین الحللی، اور جلال الدین سیوطی کے نام ملتے ہیں، اور یہ لوگ مذاہب اربعہ کے بہترین لوگوں میں تھے اس کے بعد ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو کسی بڑے عالم، بڑے فقیہ اور عمدہ مصنف کا نام نہیں سننے بلکہ ایک ایسی قوم کو پاتے ہیں جس پر قناعت فی الفقہ کا غلبہ ہو گیا ہے چنانچہ تم کو ایسے کم لوگ ملین گے جو اپنے مذاہب کے علاوہ دوسرے مذاہب میں مشغول ہوں اور جب اپنے مذاہب میں بھی مشغول ہوتے ہیں تو صرف ان کتابوں پر اکتفا کرتے ہیں جنہیں اس قدر اختصار ہے کہ گویا وہ سمجھنے کے لیے نہیں لکھی گئیں، غالباً سیاسی زوال نے علم بالخصوص مذہبی علم کو ایک نہایت گہرے غار میں گرا دیا اور مصر نے جب اپنے شرف کو دوبارہ واپس لینا شروع کیا تو اس کو ایسے موانع پیش آئے جنکو ہم بیان کرتے ہیں،

(۲) اسلامی شہروں کے علمائے کبار کے تعلقات کا منقطع ہونا،

گذشتہ دور کے فقہاء میں کوئی فقیہ، فقیہ کا لقب اور کامل احترام صرف اس وقت حاصل کرتا تھا جب وہ اپنے شہر کے علماء کے علاوہ سفر کر کے اور شہروں کے علماء سے کسبِ علم کرتا تھا چنانچہ ان میں بہت کم لوگ ہیں جنہوں نے اپنے شہر میں قیام کیا اور پھر ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا گیا، کبار ائمہ اور محدثین کی تاریخ پر نظر ڈالو تو تم سب کو مشغول سفر پاؤ گے، ابھی ایک شہر میں اترے تھے کہ حدیث و فقہ کے حاصل کرنے کیلئے دوسرے شہر کو روانہ ہو گئے، زمانہ حج میں ان لوگوں کا اجتماع مکہ میں ہوتا تھا، اور ہر ایک کے پاس علم، حدیث اور فکر کا جو سرمایہ ہوتا تھا اس سے دوسرا فائدہ اٹھاتا تھا یہی وجہ ہے کہ ایک زمانے کے علماء میں کامل تعارف ہوتا تھا، اور باوجود مشکلات سفر کے یہ ان کے احباب میں اضافہ، اور ان کے دوستانہ تعلقات کو قوی کرتا تھا، لیکن اس دور بالخصوص اس کے آخری حصے میں مختلف شہروں کے علماء کے تعلقات منقطع ہو گئے، اور یہ حالت ہو گئی کہ ایک مصری عالم تقریباً ایک ہندوستانی عالم کا نام نہیں سنتا تھا، اور ایک ہندوستانی عالم ایک مغربی عالم کو نہیں جانتا تھا، علیٰ ہذا اھیس البتہ ان میں کسی کی کتاب پہنچ جاتی تھی تو اس موقع پر اس کا نام سنا جاتا تھا، اور بعض اوقات اس کی کتاب مشہور ہو جاتی تھی، سب سے زیادہ درد انگیز بات یہ ہے کہ تم کو زمانہ حج میں مختلف ملکوں کے بعض علماء ملین گے، لیکن ان میں کوئی اس کی پروا نہیں کرتا کہ دوسرے سے تعارف یا اس سے کوئی روایت کرے اور اس نے علوم اسلامیہ شرعیہ بلکہ اس کے علاوہ قدامت کے اور علوم کو جنکا دار مدار روایت اور اخذ پر ہے، ضعیف کر دیا، صرف یہی کافی نہیں کہ کس عالم کی رائے سے اس کی کتاب کے ذریعہ سے فائدہ اٹھایا جائے، کیونکہ کتاب ایک خاموش اور مٹھوس چیز ہے، البتہ دوسرے سے علم حاصل کرنا، ذہن کو تیز اور فکر کو بار آور کرتا ہے۔

کیونکہ اس میں بحث و گفتگو کرنی پڑتی ہے، ہم اس وقت دس صدی پیشتر کی حرکت علمیہ کا وہ حال جانتے ہیں جس سے کم مثلاً اس وقت ہندوستان میں نہیں جانتے،

(۳) ہم میں اور ائمہ کی کتابوں میں تعلقات کا منقطع ہونا،

ہمارے اسلاف کی یہ عظیم الشان کتابیں جنکو تقدیر نے ہمارے لیے چھوڑ رکھا ہے، صرف ایک یادگار کے طور پر رہ گئی ہیں، اور بہت دنوں سے کوئی شخص ان کی اور ان کے درس و تدریس کی پروا نہیں کرتا، امام محمد، امام شافعی، امام مالک وغیرہ ائمہ ان کے تلامذہ بلکہ پانچویں دور کے ائمہ کی ان کتابوں کی طرف بوجہ روح کو غذا دیتی ہیں، بہت کو برا نگینہ کرتی ہیں، اور فقیہ کامل پیدا کرتی ہیں، کوئی عالم تو یہ نہیں کرتا، نہ ان کا درس دیتا نہ ان سے واقفیت حاصل کرتا، بلکہ تم کو بڑے بڑے علماء ملین گے جو ان کے نام بھی نہیں سنتے اور جب تمہارے ہاتھ میں ان کتابوں میں سے کوئی کتاب دیکھتے ہیں تو کوئی شخص ان کے پڑھنے کی پروا نہیں کرتا، ان لوگوں نے صرف ان کتابوں پر اکتفا کر لیا ہے جو زمانہ منزل میں لکھی گئی ہیں، اور اس طور پر روایت صحیحہ مفیدہ کے لحاظ سے ہم میں اور ان کتابوں کے درمیان تعلقات منقطع ہو گئے ہیں، البتہ کبھی کبھی کوئی شخص بہت بلند کر لیتا ہے تو عمومی یا خصوصی کتب خانوں میں ان سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے، حالانکہ اگر تم ان کا مقابلہ متداول کتابوں کے ساتھ کرو تو تم کو حسن تحریر، سلاست اسلوب، اور سہولتِ ماخذ کے لحاظ سے دونوں میں بہت زیادہ فرق نظر آئے گا، لیکن ضعفِ ہمت اور ضعفِ عزم نے ہم کو بٹھا دیا ہے، اور قریب ہے کہ وہ ہم کو ہلاک کر دے،

میں نے شیخ محمد محمود بن التلمیذ النرکزی الشیقلی سے پہلی بار ملاقات کی تو انھوں نے سوال کیا کہ تم نے ادب عربی کو کس سے سیکھا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ کتابوں

بڑے کہ کتابین معلم ہونے کی صلاحیت نہیں کھینچتے مین نے کہا "تو اسے جناب مین کیا کرو؟"  
 ہم مین اور اسلاف کے درمیان تعلقات منقطع ہو گئے مین اس لیے نہ کوئی معلم ہے  
 نہ کوئی اسناد کا پہنچانے والا ہے، لیکن مین نے آپ کو دیکھ لیا تو یہی میرے لیے کافی  
 ہے۔ میرے اس جواب سے ان کا چہرہ چمک اٹھا اور بولے انشاء اللہ انشاء اللہ، لیکن  
 اگر وہ تھوڑا سا غور کرتے تو ہم کو معذور سمجھتے کیونکہ ہمارے اور ہمارے اسلاف کے  
 علم کے درمیان تاریکیوں کا زمانہ حائل ہو گیا ہے، صرف تھوڑی سی جو تپھٹ باقی رہ گئی  
 ہے وہ نہ پیاس کو بجھاتی ہو نہ مرض سے شفا دیتی ہو اس لیے ہم ایسی مہبت کے کس قدر محتاج  
 ہیں جو ان کتابوں کو ان کی قبروں سے نکالے اور لوگوں کے رخ کو ان کی طرف  
 پھیر دے، تاکہ علوم اسلامیہ مین ہمارے درجے بلند ہو جائیں، اور اس وقت ہم یہ کہہ  
 سکیں کہ ہم مین فقہار موجود ہیں۔

### مطالب مین خلل انداز اختصاراً

اختصار صرف اسی دور کی بدعت نہیں ہے، بلکہ یہ بدعت چوتھے دور مین بھی  
 موجود تھی، کیونکہ اللہ کے تلامذہ نے ان کے کلام کا اختصار کیا تھا، اور اس اختصار مین  
 انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جن مسائل کی زیادہ ضرورت نہیں پڑتی ان کو حذف  
 کر دیا تھا، اور ائمہ نے جن چیزوں کو غیر مرتب طور پر لکھا تھا ان کو انھوں نے مرتب کیا  
 تھا، اور بڑے بڑے علماء نے اس معاملہ مین ان کی تقلید کی تھی لیکن اسی دور کے آخر مین  
 اختصار نے ایک عجیب و غریب روش اختیار کی یعنی یہ کوشش کی جانے لگی کہ بہت سے  
 مسائل تھوڑے سے الفاظ مین جمع کر دیئے جائیں، لیکن چونکہ ان لوگوں کو عربیت کا اچھا  
 سلیقہ نہ تھا، اس لیے ان کا کلام معما کے مثل ہو گیا، گو یا مولف نے سمجھنے کے لیے نہیں

لکھتا تھا بلکہ اس لیے لکھتا تھا کہ مسائل کو جمع کر دے، اس اختصار کا نمونہ دکھانے کے لیے میں ایک موضوع پر تین کتبوں سے ایک فصل نقل کرتا ہوں، جو کہ تینوں مشہور مذاہب کے طالبانِ فقہ کی متداول کتبوں میں سب سے زیادہ مشہور ہیں اور یہ موضوع وہ پانی ہیں جن سے طہارت جائز یا ناجائز ہے۔

خلیل اپنی مختصر میں لکھتا ہے،

اور ناپاکی اور نجاست کا حکم ”مطلق“ سے اٹھ جاتا ہوا اور وہ وہ جس پر بلا قید ”پانی“ کا نام صادق آئے، چاہے وہ شبنم سے جمع کیا گیا ہو، چاہے حکم کر گھلا ہو، یا چوپا کا یا حائضہ کا یا جہنی کا جو ٹھیلان کی طہارت سے بچا ہو، یا زیادہ ہو اور ایسی نجس چیز سے مخلوط ہو جس نے اسے بدل نہ دیا ہو یا اس کے بدلنے والے کی صفائی میں شک ہو یا چپڑے تیل کی قربت سے، یا مسافر کے برتن کے تارکول کی بو سے یا اس سے پیدا ہونے والی کسی چیز سے یا اس کے نشین یا کسی ڈالی ہوئی چیز مثلاً مٹی یا نمک سے بدل گیا ہو چاہے وہ قدر اڈالی گئی ہو اور نمک سے ”سلب“ زیادہ راجح ہے، اس سے نہیں جس کا رنگ یا مزہ یا بو کسی ایسی چیز سے بدل گئی ہو جو اس سے عموماً جدا رہتی ہے، وہ چاہے پاک ہو، چاہے ناپاک مثلاً ملا ہوا روغن یا مصطکی کا بخار اور اس کا حکم مثل اس کے بدلنے والے کے ہے اور آب کشی کے اونٹ کی رسی سے بدلنا منفرہ ہے مثل جو هن کے مویشی کے گوبر سے یا مثل کنوین کے درخت کے پتوں یا بھس سے اور جگل کے کنوین میں ان دونوں سے جو از ظاہر ہے اور موافق ملنے والے کا حکم مخالف ملنے والے کے مثل

قرار دینے میں بحث ہے ایسے پانی سے طہارت کے متعلق جو منہ میں ڈالا گیا ہو دو قول ہیں، اور حدیث میں مسئلہ مکروہ ہڈی کے غیر میں شک ہے اور پھوڑا مثلاً وضو اور غسل کا برتن ایسے جس سے جس نے بدلا نہ پایا کئے جو ٹھکرا دیا ہو اور تھما پانی جس میں غسل کیا جاتا ہو اور شرابی کا جو ٹھکرایا جس میں اس نے اپنا ہاتھ ڈالا ہو اور جو بخس پانی سے بے سیل ہو اس سے احتراز شکل نہیں یا غدا ہو مثلاً کشتی اور اگر اس کے منہ پر سیرابی حاصل کیجائے اس کے استعمال کے وقت اس پر عمل کیا جائے گا، اور اگر کوئی جنگلی جانور جس کا خون ہوتا ہو ٹھکے ہوئے پانی میں مر جائے اور اس کو نہ بد سے ان دونوں کے بعد پانی کا گنا مستحب ہو گا، مگر اگر اہل تہ نہیں، اور اگر بخس کا تیز زائل ہو جائے نہ کثرت مطلق سے تو طہریت اس کے ساتھ مستحسن ہے اور عدم طہریت ارجح ہے، اور خبر واحد کی قبول کیجائے گی، اگر ان دونوں نے اس کی وجہ بیان کی یا مذہب میں متفق ہوئے، ورنہ کس کا اس کا ترک مستحسن ہے، اور نجاست پر پانی کا گنا اس عکس کے مثل ہے۔

یہ وہ تین کتابیں ہیں جو ہمارے زمانے میں تینوں شائع شدہ مذاہب میں سے ایک میں طالب العلم کو عالم بنانی ہیں، لیکن تم کو نظر آتا ہے کہ بحیثیت تبیین کے وہ تہنسا سچے میں نہیں آسکتیں، یہی وجہ ہے کہ وہ شرح کی محتاج ہوئیں، اور شرح کو حاشیہ کی ضرورت پڑی، اور تم کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ یہ موضوع دو مفہوتوں سے ملے چونکہ ان عبارتوں کا ترجمہ بالکل غیر مفہوم ہو جاتا تھا، اس لیے ہم نے بقیہ دو کتابوں کی عبارتوں کا ترجمہ چھوڑ دیا،

کم میں پڑھایا جاتا ہوگا، اور ان دو ہفتوں کا بڑا حصہ بھی مؤلف کے مقصد کے سمجھنے میں صرف ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ تم کو نظر آتا ہے کہ کتاب میں استدلال سے خالی ہیں اور اس طرح غیر تعلیم یافتہ <sup>اور غیر باقیہ</sup> اس موقع پر اس کے سوا کوئی نمایاں فرق نظر نہیں آتا کہ تسلیم یافتہ شخص کو ایسے مسائل معلوم ہیں جو غیر تعلیم یافتہ شخص کو معلوم نہیں، لیکن یہ کہ مسئلہ کو اس کے امام نے کیسے دلائل سے کیونکر نکالا ہے، تو تعلیم یافتہ شخص کو بھی اس کا علم نہیں ہے، حالانکہ فقہ کا حکم صرف اسی طریقہ سے ہوتا ہے، اور بدیہی طور پر ان کتابوں میں بقیہ ائمہ کے خلاف کا اثر بھی نہیں پایا جاتا اور اسکی وجہ سے طالب العلم پر حسن فہم کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اس نے ہمارے فقہار کو ہمارے درمیان نہایت پست رتبہ کر دیا ہے اور وہ عوام سے قریب تر ہو گئے ہیں، حنفیہ کی بعض متداول کتابیں مثلاً کتاب البدایہ اور اسکی شرح ہدایہ کو بے شبہہ یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان میں دلائل اور اختلافات سے بھی تعرض کیا گیا ہو، لیکن شافعیہ اور مالکیہ کی کتابوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جب ہم تقلید کے حدود پر آکر ٹھہر گئے تو اس آگے بڑھنے کی گنجائش نہیں، اور ایک فقیہ کتنا ہی عالی مرتبہ ہو جائے لیکن اس کے امکان میں یہ نہیں کہ اپنے امام کی مخالفت کرے، اور مذہب کے دو قولوں میں سے ایک کو ترجیح دے، کیونکہ ترجیح دینے والوں کا زمانہ ختم ہو گیا، اس لیے دلائل میں مشغول ہونے اور دوسرے ائمہ کی راہوں سے واقفیت حاصل کرنے سے کیا فائدہ ہے، لیکن ہم اسکا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اس وقت ٹھیک ہوتا جبکہ طالب العلم عوام میں سے ہوتا جو صرف کسی حکم کو جانتا چاہتے ہیں، لیکن جو لوگ فقہار بنتا چاہتے ہیں ان کا کم از کم یہ درجہ ہے کہ وہ یہ بھی جانیں کہ ان کے امام نے حکم کو کہاں سے

اخذ کیا ہے، لیکن اگر ان کو اس کے مخالف کی رائے اور طریقہ استنباط بھی معلوم ہو جائے تو اس سے ان کے علم میں اور اضافہ ہو سکتا ہے، اب جب ان کے علم میں ترقی ہو گئی تو کون ان کو ان اسلاف سے کم درجہ قرار دیگا، جو خود اپنے پیشرو علماء کے اقوال میں سے، جن کے وہ مقتصد تھے، اچھے اچھے اقوال اپنے لیے انتخاب کرتے تھے، اور جب اس مرکز پر جس کو جمہور علماء نے پسند کر لیا ہے، درجہ فقہیہ اگر ٹھہر گیا ہے تو قانون شرعی کو یقیناً ضعیف ہو جانا چاہیے کیونکہ اس کے علماء کوئی رائے اور فکر نہیں رکھتے، اور یہ ایک ایسی چیز ہو کہ روزانہ کے آثار اسکے واقعی ہونے کی شہادت دیتے رہتے ہیں، کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ وہ تمام کتابیں جو در در وقت اسلامیہ یعنی چوتھے اور پانچویں دور میں لکھی گئیں گمنام ہو گئی ہیں اور طلباء کے ہاتھوں میں صرف وہ کتابیں رہ گئی ہیں جو زمانہ تاخرو زوال اور عربی زبان کے ضعف کی حالت میں لکھی گئی ہیں، طالبان اصلاح کے لیے اگر وہ مخلص ہیں یہ ضروری ہے کہ وہ ہر چیز سے پہلے اپنے اسلاف کے آثار سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہوں، وہ آثار خدا کے فضل سے بہ کثرت ہیں اور ان میں بہت سے نہایت ترقی یافتہ زبان میں لکھے گئے ہیں، جو طالب علم کو اپنی زبان کے بہتر بنانے اور اپنی قوت فکر کے ترقی دینے میں مدد دیتے ہیں اور جب علم سے ان بڑے آثار کے دریغ کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے جو معلم کے دل میں فقہ کی مست اول کتابوں سے پیدا ہوتے ہیں تو مبہوت و حیران ہو کر رک جاتا ہے،

ہمارے یہاں دو موانع ایسے موجود ہیں جو ہمارے درمیان فقہ کو پیدا نہیں ہونے دیتے،

(ادلاً) یہی کتابیں جو ہمارے سامنے ہیں جن کا ہم نے کافی بیان کر دیا ہے



دنیا (طریقہ تعلیم، کیونکہ گذشتہ زمانوں میں ایک فقہ کے طالب علم کا سب سے بڑا مقصد  
 یہ ہوتا تھا کہ کتاب و سنت میں جس چیز سے احکام مستنبط کیے جاتے تھے ان کا احصاء  
 کرتا تھا، اس کے بعد اپنے امام کے فتویٰ کے معلوم کرنے میں اپنا اکثر وقت صرف کرتا  
 تھا، اور جب درس حاصل کرنا چاہتا تھا تو اپنے ائمہ مذہب کی ان رالیوں سے <sup>حقیقت</sup> <sup>دراصل</sup>  
 حاصل کرنا چاہتا تھا جن میں انھوں نے اپنے امام سے اختلاف کیا ہے اور اس <sup>لفظ</sup> <sup>مختص</sup>  
 کے وجہ بھی معلوم کرتا تھا، ان سب کے ٹکڑے کے بعد دوسرے ائمہ کی رالیوں کی  
 جستجو کرتا تھا تاکہ اپنے امام کے مستنبطات کے ساتھ ان کا مقابلہ کرے، جب وہ  
 اس تیسرے درجہ کی تکمیل کر لیتا تھا، تو ایک صاحبِ اقتدار اور صاحبِ فکر فقیہ ہوتا  
 تھا، لیکن ہمارے یہاں ابتدائی اور منتہی میں مسائل کی کثرت اور قلت کے سوا کوئی  
 فرق نہیں، اور مذہب شافعی میں ابو شجاع کی منہج کی یہی امتیازی خصوصیت ہے لیکن  
 مسائل کی کثرت ایسی چیز نہیں ہے جو نفس میں فقہ کی روح پیدا کر سکے، تیسرے درجہ  
 میں جو منتہی کا وہ درجہ ہے جس کی ہم تشریح کر چکے ہیں فقہ کا طالب علم صرف فقہ سے  
 سروکار رکھتا تھا اور اس کو دوسرے علوم کے ساتھ مخلوط نہیں کرتا تھا، لیکن ہمارے  
 نظامِ درس میں ابتدائی اور منتہی کی تعلیم بالکل یکساں ہے، جس طرح پہلا بہت سے علوم  
 کے مبادی میں مشغول رہتا ہے، وہی حال دوسرے کا بھی ہے اس لیے جب  
 وہ امتحان کے میدان میں آخری کامیابی حاصل کرتا ہے تو نہ وہ فقیہ ہوتا، نہ ادیب  
 نہ فیلسوف، بلکہ اس نے صرف علوم کے مبادی سیکھ لیے ہیں، نحو و حساب سے  
 زیادہ فقہ کو نہیں جانتا اور اس معاملہ میں تمام مذہبی درسگاہوں کی حالت یکساں  
 ہے، یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ سند لینے کے بعد ان میں کوئی شخص اپنے حال

علم پر اضافہ کرنے اور نامعلوم باتوں کے معلوم کرنے اور اختلاف فقہاء کے جاننے کے لیے سعی و اہتمام کرتا ہے، بلکہ امتحان کے دن اسکی جو حالت تھی وہ قائم رہ جاتی ہے اور یہ سب بڑا عیسے،

میرا درجہ صرف ایک مؤرخ کا ہے جو واقعات کو بعینہ بیان کر دیتا ہے لیکن اگر مین مذہبی تعلیم کے متعلق کوئی مطالبہ پیش کر سکتا ہوں تو وہ حسب ذیل ہے، ابتدا کی تعلیم صرف ان احکام تک محدود ہو چکو امام مذہب نے بیان کیا ہے، اور ایک آسان کتاب ہے جو اس کے لیے انتخاب کی جائے ان کی تعلیم دی جائے، دوسرے درجہ میں ایک مبسوط کتاب پڑھائی جائے جس میں ان ائمہ مذاہب کی رائیں درج ہوں جنہوں نے طلباء کے امام سے اختلاف کیا ہے، یا ترجیح دی ہے، یا کسی مسئلہ کو اختیار کیا ہے اس کے ساتھ ہر فرقہ کے دلائل قائم کئے جائیں، اور اس کے لیے کتب خلاف مذہبیہ میں سے جنکی تعداد ہر مذہب میں بکثرت ہے، کوئی کتاب انتخاب کی جائے اور ساتھ ساتھ تفسیر حدیث کا بھی درس دیا جائے اور منتہی کی تعلیم فقہ، اصول فقہ، اور کتاب و سنت سے جو چیزیں احکام کے ساتھ متعلق ہوں ان تک محدود رکھی جائے، اور اس میں اختلافات ائمہ اور ان کے طریق استدلال کی تعلیم بھی دی جائے،

اور فقہ کا درجہ صرف اس شخص کو دیا جائے جو دو یا تین مسئلہ پر ایک تحریر لکھے جس میں ان مسائل کے متعلق اختلافات فقہاء کی تشریح کرے، ان کے اختلاف کے اسباب اور ان اصولی قواعد کو بتائے جس پر ہر قائل نے اپنے قول کی بنیاد رکھی ہے، اور یہ کام اس وقت تک انجام نہیں پاسکتا جب تک علماء ان درسی کتابوں کے

انتخاب پر آمادہ نہ ہوں جبکو چوتھے اور پانچویں دور میں اکابر علماء نے لکھا ہے،  
 اس طریقے سے نفوس میں فقہ کی روح اور اس میں وسعت پیدا ہو گئی، ہم اپنے  
 اسلاف کی روش کے متبع ہو سکیں گے، تفقہ فی الدین کا ملکہ حاصل کریں گے اور مستقبل میں  
 ہم میں ایسے فقہار پیدا ہونگے جن پر اعتماد کیا جائیگا، اور ان کے اقوال کا اعتبار ہوگا، اور جب ہم  
 کو ہر سال اس طرز کے تھوڑے سے لوگ ملجائیں گے تو ہمارے لیے یہ ممکن ہوگا کہ اپنے  
 علماء و فقہاء کے ذریعہ سے گزشتہ زمانوں پر تھاکر کریں،

کبار علماء میں ہم ایسے لوگوں کو جانتے ہیں کہ اگر وہ خلوص سے کام لیں تو اپنی قوم کو اس  
 بلند درجہ تک پہنچا سکتے ہیں لیکن ان کے نام لینے کی ہم کو ضرورت نہیں ہے، ہم خدا سے یہ سوا  
 کرتے ہیں کہ ہم سب کو اپنے دین اور شریعت کی خدمت کرنے کی توفیق دے تاکہ وہ ایک بلند  
 زندگی حاصل کر سکے، اسکے کوئی منہ نہیں کہ ہم ہر چیز کو ایک دائمی ترقی کی حالت میں دیکھیں اور  
 خود کھڑے رہیں، قبیل و قال کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہ ہو جس حالت میں ہم ہیں اس سے بہتر  
 ہونا اور ماضی کی طرف تھوڑی سی توجہ کرنا ہمارے لیے ضروری ہے، تاکہ اپنے مستقبل کے بہتر  
 بنانے کے شوق سے ہمارے نفوس میں ایک روشنی سی پیدا ہو جائے،

### ہر متفقہ فی الدین سے خطاب

۱۲-۹-۶۹  
 ۱۶-۱۱-۶۸  
 روز جمعہ کی

میں نے تمہارے لیے یہ کتاب لکھی ہے اور اس سے میرا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں  
 کہ تمہارے سامنے تمہارے سلف صالح کی تصویر پیش کر دوں اور تم کو ان کی تقلید کرنے پر آمادہ کروں  
 اسکے بعد انشاء اللہ ایک دوسری کتاب لکھو گا جس میں مسائل تفصیلیہ انکی تاریخ اختلاف کا ذکر کر دے گا کیونکہ  
 اس کتاب میں جو مسائل بیان کئے ہیں وہ بالیقہ صحت مثال کی غرض سے بیان کئے ہیں، خدا اسے میں بہ  
 درخواست کرتا ہوں کہ مجھ کو اور تم کو انکی کی توفیق دے وہ سننے والا اور قبول کرنے والا ہے،



# مکتبہ اہل بیت

## سُوہ صحابہ جلد اول

جس میں صحابہ کرام کے عقائد، عبادات، فضائل، اخلاق اور حسن معاشرت کی تصویر اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا علمی خاکہ نہایت خوبی کیساتھ کھینچا گیا ہے، اس کا مطالعہ ہر مسلمان پر فرض ہے، مہنامت صفحہ قیمت

## سُوہ صحابہ جلد دوم

اس میں صحابہ کرام کے سیاسی، انتظامی، مذہبی اور علمی کارناموں کی تفصیل ہے، مہنامت ۴۵۰ صفحہ قیمت

## شعر الہند حصہ اول

جس میں اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل لگی ہے، مہنامت ۴۵۰ صفحہ قیمت

## شعر الہند حصہ دوم

جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی اور ادبی بحثیں

سے متعلق ہیں، مہنامت ۴۵۰ صفحہ قیمت

## سُوہ صحابیات

صحابیات کے مذہبی، اخلاقی اور علمی کارناموں کا مرقع، قیمت

## سیرت عمر بن عبد العزیز

حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات، دوران کے مجددانہ کارنامے، طبع دوم قیمت

## الانقلاب الاکبر

ڈاکٹر لدیان کی مشہور کتاب قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسیہ کا خلاصہ، طبع دوم قیمت

”ینجد المصنفین، عظم لکھا“

